اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے ——— (سنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فضل العلماء)

وقار الفتاویٰ

جلد سوم

مفتیِ اعظم پاکستان

حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تخریج

مولانا محمد شعیب قادری رضوی

خطیب و امام جامع مسجد گلفشاں بلاک ۴، گلستان مصطفٰے، کراچی۔

ناشر: بزم وقار الدین

مدنی مدرسہ ضیاء القرآن، متصل جامع مسجد گلفشاں، بلاک ۴، گلستانِ مصطفٰے (فیڈرل بی ایریا)، کراچی ۳۸۔

کتاب .... وقار الفتاویٰ (جلد سوم)

مؤلف .... حضرت علامہ مولانا مفتی اعظم پاکستان
مفتی محمد وقار الدین قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ترتیب وتخریج .... مولانا محمد شعیب قادری رضوی
فاضل دار العلوم امجدیہ
خطیب وامام جامع مسجد گلفشاں، بلاک ۴،
گلستان مصطفیٰ، کراچی۔

کمپوزنگ .... محمد عادل قادری، معاون مدرس، جامع انوار القرآن،
گلشن اقبال، کراچی۔

سن اشاعت .... ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ، مطابق مئی ۲۰۰۷ء

تعداد 1000

قیمت .... 400 روپے

ناشر

بزم وقار الدین

گلفشاں لائبریری، بلاک 4، گلستان مصطفیٰ، کراچی۔

التماس

اس کتاب کو مرتب کرنے میں انتہائی محنت اور کوشش کی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود ممکن ہے کہ اس میں کوئی غلطی یا خامی رہ گئی ہو۔

لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی غلطی نوٹ کریں تو ادارے کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اسکی تصحیح کی جاسکے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ "وقار الفتاوی" کو مقبول عام بنائے اور مؤلف کیلئے صدقہ جاریہ اور ترقی درجات کا ذریعہ ہو۔ آمین

بزم وقار الدین

عرض ناشر

قارئین محترم!

الحمد للہ علی احسانہ کہ وقار الفتاویٰ کی اشاعت پنجم سے آپ استفادہ کررہے ہیں۔ وقار الملت والدین، مفتی اعظم محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تحریر کردہ فتاویٰ تین جلدوں میں ترتیب دیئے گئے۔ جسے شائع کرنے کی سعادت باکرامت بزم وقار الدین کے حصہ میں آئی ہے۔ وقار الفتاویٰ میں دور حاضرہ کے وہ مسائل درج ہیں جن سے فی زمانہ عالم اسلام کا عموماً اور اسلامیان پاکستان و ہندوستان کا خصوصاً قدم قدم پر واسطہ رہتا ہے، اسی لیے وقار الفتاویٰ کی روز افزوں مقبولیت نے اس کی طلب و مانگ میں اضافہ کیا۔ نیز فتاویٰ کی عبارت میں مروجہ زبان اُردو کے لب ولہجہ کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ قرآن و احادیث اور اقوال مجتہدین کے حوالہ جات سے جوابات کو مزین کرنے کے ساتھ ساتھ مفتی وقار الدین علیہ الرحمہ اس کا اہتمام بھی فرماتے ہیں کہ عبارت سادہ مگر دلنشین ہو اور تمام قارئین بھی استفادہ کرسکیں۔ اس وجہ سے بھی بفضل الٰہی اور بطفیل رسول اکرم محبوب معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم، وقار الفتاویٰ کو خواص و عوام نے پذیرائی دی، جس کے نتیجے میں جولائی ۱۹۹۷ء تا اگست ۲۰۰۶ء نو سال کے عرصہ میں چار ایڈیشن ختم ہوگئے۔ یہ پانچواں ایڈیشن ہے۔

وقار الفتاویٰ کی جلد اول "عقائد" پر مبنی ہے۔ جبکہ دوسری جلد "عبادات" اور تیسری جلد "معاملات" (یعنی خانگی و معاشرتی زندگی) پر مشتمل ہے۔ حضور وقار الملت قدس سرہٗ کا یہ فیضان ہے کہ بزم وقار الدین کے تحت "وقار الفتاویٰ" کی مکرر اشاعت کے ساتھ ساتھ عوام اہلسنت کے لیے حضرت علیہ الرحمہ کے مواعظ و ملفوظات کو "وقار المواعظ" کے نام سے تدوین کیا جاچکا ہے، پروف ریڈنگ کا عمل جاری ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عزوجل وان شاء الرسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ وسلم) بہت جلد "وقار المواعظ" شائع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں بغرض مطالعہ ہوں گے۔ قارئین و شائقین محترم سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ بزم وقار الدین کے جملہ اراکین و خادمین کو اپنے مشن میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمائے۔ آمین

اراکین بزم وقار الدین

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۸ ہجری

۱۹، اپریل ۲۰۰۷ عیسوی

حرف آخر

الحمد لله رب العلمین والصلوٰة والسلام علی رسوله الكريم
وعلیٰ اٰله واصحابه اجمعین

اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس ذات وحدہ لاشریک نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے وقار الفتاویٰ کی ترتیب وتخریج کی سعادت مجھے عطا فرمائی، جو کہ ایک عظیم علمی وفقہی ذخیرہ ہے۔

وقار الفتاویٰ کی تیسری اور آخری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو معاملات پر ایک مدلل اور محقق فتاویٰ ہے۔ تخریجی کام کو اس جلد میں پہلی دونوں جلدوں سے مزید بہتر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس جلد میں معاملات کے حوالے سے بعض سوالات وجوابات ایسے ہیں، جو آپ کو دیگر فتاویٰ میں نہیں ملیں گے۔ میں ان تمام علمائے کرام اور اداروں کا بے حد ممنون ہوں، جنھوں نے تخریجی کام میں میری علمی سرپرستی فرمائی اور ساتھ ہی میں بزم وقار الدین کے جملہ اراکین کا بھی مشکور ہوں، جن کا مالی واخلاقی تعاون برابر جاری رہا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اس جلد کو بھی پہلی اور دوسری جلد کی طرح نافع خلائق بنائے اور قیامت تک لوگ اس عظیم فقہی وعلمی ذخیرے سے فیضیاب ہوتے رہیں اور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کیلئے صدقہ جاریہ اور ترقی درجات کا ذریعہ بنے ۔آمین

محمد شعیب قادری

مرتب وقار الفتاویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست وقار الفتاویٰ

جلد سوم

محرمات کا بیان

حرمت مصاہرت کا بیان

کفو کا بیان

نکاح اور ولدیت کا بیان

نکاح، وکالت اور گواہی کا بیان

مہر کا بیان

رضاعت کا بیان

نکاح کا بیان

متعلقاتِ نکاح

ضبط تولید (برتھ کنٹرول)

رسوماتِ شادی

پردے کا بیان

2...... کتاب الطلاق

طلاق رجعی اور بائن کا بیان

طلاق ثلاثہ کا بیان

طلاق مکرہ کا بیان

طلاق معلّق کا بیان

خلع کا بیان

عدت کا بیان

حلالہ کا بیان

3...... کتاب الحقوق

حقوق العباد کا بیان

میاں بیوی کے حقوق

4...... کتاب البیوع

تجارت کا بیان

مضاربت کا بیان

شفعہ کا بیان

سود کا بیان

رشوت کا بیان

ملازمت کا بیان

5...... کتاب الحدود

حدود کا بیان

قسم اور گواہی کا بیان

6...... کتاب الفرائض

زندگی میں تقسیم وراثت کا بیان

وصیت کا بیان

تقسیمِ وراثت کی مختلف صورتوں کا بیان

ورثاء کے حقوق کا بیان

7...... متفرقات

ماخذ و مراجع

☆☆☆........☆☆☆........☆☆☆

ماخذ و مراجع

القرآن

ترجمہ (کنز الایمان)

تفاسیر

کبیر

ابن کثیر

تفسیر صاوی

تفسیر خازن

تفسیر مدارک

جلالین

روح المعانی

روح البیان

خزائن العرفان

تفسیر فتح القدیر

بیضاوی

تفسیرات احمدیہ

الاتقان فی علوم القرآن

حدیث

بخاری شریف

مسلم شریف

ترمذی شریف

سنن ابو داؤد

سنن ابن ماجہ

سنن نسائی

سنن دارمی

مسند امام احمد بن حنبل

مشکوٰۃ المصابیح

مؤطا امام محمد

مؤطا امام مالک

طحاوی شریف

مصنف عبد الرزاق

مصنف ابن ابی شیبہ

الجامع الکبیر للسیوطی

طبرانی

البیہقی

شروحاتِ حدیث

عینی شرح بخاری

فتح الباری

کرمانی

ارشاد الساری

نووی شرح مسلم

کتاب الاذکار للامام نووی

مرقات شرح مشکوٰۃ

اشعۃ اللمعات

شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام

فقہ و اصول فقہ

فتاویٰ قاضی خان

فتاویٰ بزازیہ

خلاصۃ الفتاویٰ

بدائع الصنائع

منسک

ہدایہ

کنز الدقائق

نور الایضاح

تنویر الابصار

در مختار

رد المحتار (شامی)

تبیین الحقائق
حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار
مراقی الفلاح
حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح
فتح القدیر
بحر الرائق
درر شرح غرر
ملتقی الابحر
مجمع الانھر
فتاوی الہندیہ (عالمگیری)
در ملتقی
منیۃ المصلی
غنیۃ المتملی
عنایہ
فتاوی عزیزیہ
فتاوی رضویہ
بہار شریعت
فتاوی رشیدیہ
نور الانوار
مسلم الثبوت
فواتح الرحموت
مختصر المعانی (علم المعانی)

ضیاء القلوب فی لباس المحبوب

متفرق کتب

حصن حصین
اسد الغابۃ فی سیرۃ الصحابۃ
سیرت حلبی
شرح عقائد
شرح نبراس
شرح مواقف
سیرت حلبیہ
قصیدہ بردہ شریف
شفاء شریف
شفاء السائل
سبحان السبوح عن الکذب المقبوح
الخصائص الکبرای
جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب
کشف القناع عن اصول السماع
مستطاب سیر الاولیاء
قصیدۃ النعمان
حسام الحرمین
مدارج النبوۃ

تطہیر الجنان
نیل الاوطار
قصیدہ امام زین العابدین
الدر الثمین
فیصلہ ہفت مسئلہ
کتاب التعریفات
شرح فقہ اکبر
تاریخ الخلفاء
احکام شریعت
حدائق بخشش
الحجۃ الفاتحہ
جاء الحق
ارمغان حجاز
ملفوظات شاہ محمد الیاس
تحذیر الناس
براہین قاطعہ
حفظ الایمان
تقویۃ الایمان

حیات وقار الملت پر ایک نظر

ولادت باسعادت، نام ونسب:۔ حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری علیہ الرحمہ بن حافظ حمید الدین علیہ الرحمہ کیم جنوری 1915ء بمطابق ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۳ھ

مقام پیدائش :۔ پیلی بھیت، ہندوستان

دستار بندی وفراغت:۔ 1938ء میں آپ نے دورۂ حدیث مکمل کیا اسی سال دستار بندی ہوئی، صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے آپ کی دستار بندی فرمائی۔

دار العلوم منظر الاسلام، بریلی میں تدریس:۔ 1938ء تا 1948ء

شادی خانہ آبادی:۔ 1945ء

ہجرت:۔ 1948ء میں آپ مع اہل وعیال بنگال (مشرقی پاکستان) تشریف لائے۔

بنگال میں دار العلوم احمدیہ سنیہ میں تدریس:۔ 1954ء

مشرقی پاکستان میں مدت اقامت:۔ تقریباً تیئس (۲۳) سال 1948ء سے 1971ء تک

مغربی پاکستان میں آمد:۔ 22 مارچ 1971ء میں پاکستان تشریف لائے۔

دار العلوم امجدیہ میں تدریس:۔ دار العلوم امجدیہ میں رئیس دار الافتاء، نائب شیخ الحدیث وناظم تعلیمات رہے 1971ء سے

دار العلوم امجدیہ میں منصب شیخ الحدیث:۔ علامہ ازہری علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد 1989ء میں

بیعت:۔ حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ محمد حامد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے۔

خلافت:۔ حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے خلافت عطا فرمائی۔

تلامذہ:۔ آپ نے تین ممالک ہندوستان، بنگلہ دیش، پاکستان میں تدریس کے فرائض انجام دیئے آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

مریدین:۔ آپ کے مریدین برصغیر پاک وہند میں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

آخری خطاب:۔ آپ نے اپنی زندگی کا آخری خطاب حضرت مفتی اعظم علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے عرس کے موقع پر جامع مسجد فاروق اعظم، بلاک 13، گلستان مصطفیٰ، فیڈرل بی ایریا، کراچی میں فرمایا۔

انتقال پرملال:۔ 20 ربیع الاول 1413ھ بمطابق 19 ستمبر 1993ء بروز ہفتہ

کتاب النکاح

مُحَرَّمات کا بیان

مَحْرَم کی تعریف

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب!

شریعت کی نظر میں محرم کسے کہتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل: محمد ذیشان صدیقی، گلشن بہار، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب:

ایسے رشتہ دار، جن سے ہمیشہ نکاح حرام ہے، انھیں محرم کہا جاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دو سگی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک آدمی کے عقد میں دو سگی بہنیں ہیں اور وہ دونوں زندہ اپنے شوہر کے عقد میں ہیں اور ان سے اولادیں بھی ہیں۔ ان دونوں عورتوں کے والدین بھی ایک ہی ہیں، یعنی سوتیلے پن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان دونوں بہنوں کی اولاد میں سے ایک لڑکی کا رشتہ طے ہو گیا ہے، اسکی شادی میں جن شادی شدہ لوگوں نے شرکت کی آیا ان لوگوں کا نکاح ٹوٹ جائے گا یا قائم رہے گا؟

سائل : محمد شوکت، نارتھ ناظم آباد، کراچی

الجواب :

قرآن کریم میں ہے :

وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ

(سورۃ (۴) النساء، آیت:۲۳)

اور دو بہنیں اکٹھی کرنا (یعنی حرام کر دیا گیا ہے نکاح میں دونوں بہنوں کا جمع کرنا) (کنزالایمان)

اس شخص کو فوراً دوسری بہن کو جدا کر دینا چاہیے اور جب تک یہ اسے جدا نہ کر دے، اس وقت تک اسے اپنی بیوی سے صحبت کرنا حرام ہے۔ جس بہن سے پہلے نکاح ہوا وہ صحیح ہے دوسری سے نکاح باطل اور حرام قطعی ہے۔ ان دونوں بہنوں سے اس شخص کی جو اولاد ہوئی ان کا نسب اس سے بہر حال ثابت ہو جائے گا۔ فتاویٰ شامی میں ہے :

ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ وثبوت النسب ومثل له فی البحر هناك بالتزویج بلا شهود وتزوج الاختین معاً

(جلد(۲) کتاب الطلاق، باب العدۃ، مطلب عدۃ المنکوحۃ الخ، صفحہ: ۱۵۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اگر نکاح فاسد میں وطی کی گئی تو عدت واجب ہو جائے گی اور نسب بھی ثابت ہو جائے گا ایسا ہی بحر میں ہے

مزید یہ کہ اگر بغیر گواہوں کے نکاح ہوا یا دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تو دخول سے عدت اور نسب ثابت ہو جائیں گے۔

اس شخص نے جس لڑکی کی شادی کی وہ جائز تھی۔ لہٰذا جن لوگوں نے اسکی شادی میں شرکت کی وہ بھی جائز ہوئی، انکے نکاح کے منقطع ہونیکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کا حکم

الاستفتاء:

محترم مفتی صاحب!

زید کی شادی نسیمہ سے عرصہ چار سال قبل ہوئی تھی۔ اب زید نے نسیمہ کی سگی بہن حلیمہ سے بھی نکاح کر لیا ہے۔ اس طرح دونوں سگی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھے ہوئے ہے۔

(۱) کیا نسیمہ کا نکاح زید کے ساتھ باقی رہا یا منسوخ ہو گیا؟

(۲) کیا حلیمہ کا نکاح زید سے جائز ہے یعنی وہ دونوں بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھ سکتا ہے؟

(۳) جن صاحب نے نکاح پڑھایا وہ مسجد کے پیش امام ہیں۔ ان کے علم میں ہے کہ زید کی دونوں بیویاں سگی بہنیں ہیں۔ ان پیش امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

سائل : محمد جہانگیر عثمان، کورنگی، کراچی

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید کا اپنی بیوی کی موجودگی میں اسکی سگی بہن اور اسی طرح باپ میں شریک بہن اور ماں میں شریک بہن، ان تینوں سے نکاح حرام ہے۔ قرآن کریم نے اس جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۲۳)

اور نکاح میں دو بہنیں اکٹھی کرنا (حرام ہے) (کنزالایمان)

جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ پہلی بیوی کی موجودگی میں، اسکی بہن سے نکاح کر رہا ہے، نکاح پڑھایا بلکہ جو لوگ اس نکاح کو جائز سمجھ کر اس میں شریک ہوئے، ان سب پر لازم ہے کہ بالاعلان توبہ کریں اور اپنے نکاح بھی دوبارہ کریں۔ نکاح کرنے والے کی پہلی بیوی کا نکاح بھی اس صورت میں فسخ ہو گیا، جب کہ بیوی کی بہن کے نکاح کو جائز جان کر نکاح کر لیا تھا۔ لہٰذا اس پر فرض ہے کہ دوسری بہن جس کا نکاح باطل تھا، فوراً جدا کرے پھر بالاعلان توبہ کرے اور پہلی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے۔ جب تک یہ سب کام نہ کرے اس وقت تک اہل محلہ رشتہ دار اور دوسرے مسلمان اس سے اپنے تعلقات منقطع کر لیں، اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ ورنہ یہ بھی گناہ میں شریک ہوں گے۔ اور جب تک وہ امام جس نے نکاح پڑھایا بالاعلان توبہ نہ کرے اور اگر شادی شدہ ہے تو دوبارہ نکاح نہ کرے، اس وقت تک اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔

سگی خالہ سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

حقیقی خالہ سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ نیز اس نکاح کی اگر انتہائی قلبی خواہش ہو تو کیا کوئی ممکنہ صورتِ جواز نکل سکتی ہے ؟ امید ہے تسلی بخش جواب دیں گے۔

سائل : یوسف مرزا، ایم اے جناح روڈ، کراچی

الجواب :

قرآن کریم میں ہے :

وَخٰلٰتُکُمْ

(سورۃ (۴) النساء، آیت : ۲۳)

اور تمھاری خالائیں (تم پر حرام کردی گئیں) (کنزالایمان)

لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ شادی نہیں ہو سکتی اور جواز کی قطعاً کوئی ممکنہ صورت نہیں۔ کیونکہ سگی خالہ سے نکاح ناجائز و حرام ہے۔ اس کو جو حلال سمجھے گا، وہ کافر ہو جائے گا۔

پھوپھی سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

پھوپھی سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : مولوی غلام قادر خطیب ابراھیمی مسجد، کراچی

الجواب :

پھوپھی کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) باپ کی حقیقی بہن (۲) باپ کی ماں شریک بہن (۳) باپ کی باپ شریک بہن۔

ان تینوں سے نکاح حرام ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وعمّٰتُکُمْ

(سورۃ (۴) النساء : آیت : ۲۳)

یعنی تمھاری پھوپھیاں (تم پر حرام ہیں) (کنزالایمان)

لہٰذا کوئی شخص اپنی پھوپھی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ محل نکاح نہیں۔

سوتیلی خالہ سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زبیدہ اور روبینہ کے والد ایک ہیں اور دونوں کی والدہ الگ الگ ہیں۔ کیا زبیدہ کے لڑکے فاروق سے روبینہ کی شادی یعنی سوتیلی خالہ سے شادی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں۔

سائل : محمد، قصر ارشاد منزل، نیا آباد، کراچی

الجواب :

قرآن کریم میں محرمات (وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا حرام ہے) کے ذکر میں فرمایا :

"وخلٰتکم"

(سورۃ (۴) النساء : آیت : ۲۳)

اور تمھاری خالائیں بھی حرام ہیں۔

خالائیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔

(۱) ماں کی سگی بہن (۲) ماں کے باپ میں شریک بہن (۳) ماں کی ماں میں شریک بہن، جن کے باپ الگ الگ ہوں۔ تینوں قسم کی خالائیں حرام ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں زبیدہ کے لڑکے کی شادی روبینہ سے نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ اسکی خالہ ہے اور وہ اس کیلئے حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

چار سے زیادہ بیویوں اور باندیوں کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

جناب عالی دریافت طلب امر یہ ہے کہ چار بیویوں سے زیادہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور باندیوں کی تعداد کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز باندی سے بغیر نکاح ہمبستری کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب دیکر مشکور فرمائیں۔

سائل : بندہ خدا

الجواب :

ایک شخص ایک وقت میں چار بیویاں رکھ سکتا ہے، اس سے زیادہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ باندیوں کیلئے کوئی پابندی نہیں جتنی چاہے خرید سکتا تھا یا مال غنیمت سے حصہ میں آجائیں۔ جس سے چاہے صحبت کر سکتا تھا۔ یہ حکم اس لئے ختم ہو گیا ہے کہ اب کہیں جہاد ہوتا ہے نہ مال غنیمت ملتا ہے اور نہ ہی باندیاں ہاتھ آتی ہیں۔ بعض ملکوں میں اب بھی کچھ

عورتوں کو باندی بنا کر بیچا جاتا ہے مگر وہ باندیاں نہیں ہوتی ہیں۔ بعض ممالک سے لوگ عورتیں بھگا کر لے آتے ہیں اور انھیں بیچ دیتے ہیں، ان کیلئے سیکڑوں برس پہلے ہمارے فقہاء نے لکھ دیا تھا کہ ان کو بغیر نکاح کے ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں ہے۔

نکاح پر نکاح

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ھندہ کا نکاح والدین کی رضامندی سے زید سے نابالغی کے وقت ہو چکا تھا۔ اب بلوغ کے بعد جب زید بارات لیکر ھندہ کو لینے گیا (شادی کی تاریخ ھندہ کے والدین نے مقرر کی ہوئی تھی) جب بارات پہنچی تو ھندہ کے والدین نے اس کا نکاح عمر سے کر دیا تھا۔ کیا زید کے نکاح میں ہوتے ہوئے ہندہ کا نکاح عمر سے ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : علی زمان، آزاد کشمیر

الجواب :

نابالغی کی حالت میں باپ اپنی لڑکی کا نکاح کسی سے کرادے گا تو وہ نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد بھی کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے کہ وہ اسکو فسخ کر سکے۔ اور منکوحہ عورت کا نکاح کسی دوسرے سے حرام ہے۔ یہ دوسرا نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ

(سورۃ (۴) النساء، آیت : ۲۴)

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔ (کنز الایمان)

لہٰذا ھندہ کا نکاح جس دوسرے شخص سے کیا گیا ہے، وہ باطل ہے۔ ان میں فوراً جدائی کروا دینا لازم ہے ھندہ اپنے پہلے شوہر کی منکوحہ ہے اور اسی کی رہے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نکاح رجسٹرڈ کی شرعی حیثیت

الاستفتاء :

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ :

زید اور خالد کا نکاح بالترتیب ھندہ اور فریدہ سے ہوا۔ قاضی صاحب نے گواہان ،وکلاء اور مجلس عام کی موجودگی میں نکاح پڑھایا۔ زید کی بیوی ھندہ کی رخصتی ہوگئی جبکہ خالد کی بیوی فریدہ کی رخصتی بعد میں ہونا طے پائی۔ جب مدت معینہ کے بعد خالد کی طرف سے رخصتی کا مطالبہ ہوا تو فریدہ کے سرپرستوں نے اس رشتہ اور رخصتی سے انکار کردیا۔اور اب وہ اس لڑکی کا رشتہ کسی اور جگہ کردینا چاہتے ہیں۔ لڑکی کے رشتہ داروں کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ نکاح کی اطلاع رجسٹرار کے ہاں نہیں دی گئی تھی۔ لہٰذا وہ نکاح کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

(۱) آپ شرعی اعتبار سے بتائیں کہ کیا رجسٹرار کے ہاں اندراج نہ کروانے سے نکاح کی شرعی حیثیت متاثر ہوتی ہے اور کیا اس لڑکی کا نکاح کسی اور جگہ ہو سکتا ہے ؟

(۲) کیا زید اور ھندہ کا نکاح بھی غیر شرعی تھا اور ھندہ کی رخصتی شرعی اعتبار سے غلط تھی ؟ جبکہ ھندہ ایک لڑکے کی ماں بن گئی ہے۔ بینوا وتوجروا

سائل : محمد ماجد خان، پشاور

الجواب :

یہ صحیح ہے کہ شریعت کے قواعد کے مطابق بالغہ لڑکی کا نکاح، اسکی رضامندی سے کفو میں دو گواہوں کی موجودگی میں اس طرح ایجاب وقبول کروانے سے ہو کہ دو عاقل وبالغ، مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں یہ ایجاب وقبول سن لیں، تو یہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ نکاح صحیح ہونے کیلئے رجسٹرڈ کرانا شرعاً ضروری نہیں ہے۔ نکاح رجسٹرڈ کرائے بغیر بھی صحیح ہوجاتا ہے۔ البتہ قانونی طور پر یہ عمل ضروری ہے۔

خالد اور فریدہ کے نکاح کا ثبوت صرف قاضی کے حلفیہ بیان سے نہیں ہوگا۔ وہ دونوں گواہ، جن کے سامنے نکاح ہوا تھا یا دو ایسے شخص، جو مجلس نکاح میں شریک تھے، شرعی شہادت دیں تو یہ نکاح ثابت ہوجائے گا۔ جس لڑکی کا نکاح ہوچکا، جب تک اسکو شوہر کی طرف سے طلاق نہ ملے یا اسکا شوہر فوت نہ ہوجائے، اس کا کسی

دوسرے شخص سے نکاح قطعاً حرام ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے :

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ

(سورة (۴) النساء، آیت ۲۴)

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں۔ (کنزالایمان)

بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح اور بیوی کو طلاق تفویض کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص اپنی بیوی کی حقیقی بہن کو لے کر فرار ہوگیا۔ اور پھر سالی کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس سے دو بچے بھی پیدا ہوگئے ہیں۔ کیا شخص مذکور کی پہلی بیوی اس کے نکاح میں ہے یا نہیں ؟ پہلی بیوی سے جس وقت نکاح ہو رہا تھا، قبل نکاح ایک حلف نامہ تحریر کر کے دیا تھا کہ اگر میں اپنی بیوی کو اطلاع دیئے بغیر کہیں چلا جاؤں یا نان ونفقہ سے محروم رکھوں، تین ماہ تک خبر گیری نہ کروں تو تین ماہ کے بعد میری بیوی خود مختار ہوگی۔ چاہے میرے نکاح میں رہے یا نہیں اور اپنی مرضی سے دوسرا نکاح کر لے۔ ایسی صورت میں پہلی بیوی کسی دوسرے شخص سے شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل : سید احمر، کورنگی، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں یہ شخص فعل حرام کا مرتکب ہوا ہے۔ اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے یعنی اپنی سالی سے اس کا نکاح ہوا ہی نہیں۔ اور اس سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں، وہ سب ولد الزنا ہیں۔ اگر واقعی اس شخص نے ایسا حلف نامہ لکھا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس کے مطابق بیوی یہ عمل کر سکتی ہے کہ گواہوں کے سامنے اپنے آپ کو طلاق دے دے اور اس طلاق کی عدت گذارنے کے بعد دوسرے شخص سے شادی کر لے۔

سوتیلی ساس کے محرم ہونے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ .

میرے سسر کی سوتیلی ماں میرے لئے محرم ہے یا نہیں ؟اگر محرم ہے تو مرنے کے بعد کیا میں اس کو قبر میں اتارنے کا حقدار ہوں یا میت بہنوئی ہم سے زیادہ حقدار ہے ؟ جبکہ ہمارے محلے کے علماء کہتے ہیں کہ بہنوئی نامحرم ہے۔

میرے سسر کی دو بیویاں ہیں دوسری بیوی کی لڑکی سے میری شادی ہوئی ہے۔کیا پہلی والی بیوی میرے لئے محرم ہے یا نامحرم ؟مرنے کے بعد میں اس کو قبر میں اتار سکتا ہوں یا نہیں ؟

سائل : حاجی رحیم داد خاں، کوھستان، فرید کالونی، کراچی

الجواب :

بیوی کی دادی محرمات میں سے ہے۔سسر کی دوسری بیوی محرمات میں نہیں ہے۔لہٰذا سائل کیلئے سسر کی دوسری بیوی یعنی سوتیلی ساس سے پردہ ہے اور مرجائے تو قبر میں بھی نہیں اتار سکتا۔سائل اور میت کا بہنوئی بھی محرم نہیں ہے۔محرم وہ شخص ہوتا ہے، جس سے ہمیشہ نکاح حرام ہو۔لہٰذا یہ دونوں شخص میت کو قبر میں نہیں اتاریں گے۔

حرمت مصاہرت

حرمت مصاہرت کی تعریف

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد اور عورت شیطانی بھکاوے میں شہوتاً جذبات سے مغلوب ہو کر بے اختیار ایک دوسرے سے بغلگیر ہوگئے۔ جبکہ ان کی نیت ایسا کرنے کی قطعاً نہ تھی۔ جیسے ہی ان کو غلطی کا احساس ہوا، علیحدہ ہوگئے۔ زنا میں مرتکب نہیں ہوئے۔ اپنے کئے پر نادم ہیں اور توبہ واستغفار اور صدقہ کرنے کیلئے بھی تیار ہیں۔ اب کیا وہ مرد اس عورت کی بیٹی یا بہن سے نکاح کر سکتا ہے؟ جبکہ ان کے درمیان اور کوئی حرمت نکاح والی بات نہیں پائی جاتی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

سائل۔ عثمان ایڈووکیٹ، کراچی

الجواب :

مرد و عورت ایک دوسرے کو شہوت سے چھوئیں یا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھیں تو عورت کے اصول و فروع مرد پر حرام ہو جائیں گے۔ اور مرد کے اصول و فروع عورت پر حرام ہو جائیں گے۔ اس کو "حرمت مصاہرت" کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک حلال طریقہ پر چھوا ہو یا حرام طریقہ پر، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ اور یہ حرمت ہمیشہ کیلئے ہوگی۔ اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

وحرم ایضا بالصهرية اصل مزنيته واصل ممسوسته بشهوة واصل ماسته وناظرة الى ذكره والمنظورة الى فرجها

سسرالی رشتہ میں زانیہ کے اصول اور جس کو شہوت سے چھوا گیا، اسکے اصول اور شہوت سے چھونے والی کے اصول اور مرد کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنے والی کے اصول اور وہ عورت، جس کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھا گیا، اسکے اصول حرام ہیں۔

علامہ شامی نے فرمایا :

قال فی البحر اراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة على اصول الزانی وفروعه نسبا ورضاعا وحرمة اصولها وفروعها على الزانی نسبا ورضاعا كما فی الوطی الحلال

(جلد(۲) کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، صفحہ: ۳۰۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

بحر الرائق میں حرمت مصاہرت کے بارے میں ہے کہ حرمت مصاہرت چار طرح کی ہے۔ کہ زانیہ عورت زانی کے باپ دادا اور اوپر تک اور زانی کے بیٹے اور پوتے اور نیچے تک نسب اور رضاعت میں حرام ہو جاتی ہے اور اسی طرح زانی کیلئے زانیہ کے اصول و فروع نسب اور رضاعت میں حرام ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ جائز وطی میں ہوتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ساس کو بری نیت سے ہاتھ لگانے والے کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے اپنی بیوی کی ماں یعنی اپنی ساس کو شہوت سے چھولیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا نکاح برقرار رہا یا نہیں ؟ اور اگر نکاح فسخ ہو گیا ہو تو کیا اس کی سابقہ بیوی سے اس کے بھائی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : محمد اکرم، موسیٰ لین، کراچی

الجواب :

قرآن کریم نے ان عورتوں کو حرام کیا ہے، جن کی ماں کے ساتھ نکاح کر کے وطی کرلی گئی ہو اور شہوت سے چھونا بھی وطی کے حکم میں ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہی حکم ناجائز طریقہ پر وطی کرنے یا شہوت سے چھونے کا ہے۔ لہٰذا جب بیوی کی ماں کو شہوت سے چھولیا تو بیوی اسی وقت حرام ہو گئی اور بیوی کی ماں تو پہلے سے ہی حرام تھی۔ اب یہ دونوں ماں بیٹی ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئیں کہ ان سے نکاح کی کوئی صورت نہیں ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا اور شامی میں بھی ہے :

ولا فرق فیما ذکر و بین المس و النظر بشھوۃ بین عمد و نسیان و خطاء و اکراہ

(جلد(۲) کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات، صفحہ: ۳۰۲، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

کسی عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا یا دیکھا حرمت ثابت ہو جائے گی اگرچہ یہ کام جان بوجھ کر کیا ہو، بھولے سے ہو، غلطی سے ہو یا زبردستی کرایا گیا ہو، یعنی ہر صورت میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اسکی بیوی کے متارکے (علیحدگی) اور عدت گذارنے کے بعد اس شخص کا بھائی نکاح کر سکتا ہے۔
عدت "متارکے" کے بعد شروع ہوگی۔ متارکے کا طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے کہہ دے "میں نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا۔ وہ جس سے چاہے شادی کر سکتی ہے"۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ساس سے ناجائز تعلقات اور سالی سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص کی شادی ہوئی۔ اس کے دو بچے بھی ہیں۔ شادی کے تقریباً دو سال کے بعد اس شخص کے ناجائز تعلقات اپنی ساس سے قائم ہو گئے اور چند ماہ کے بعد وہ شخص ملک سے باہر چلا گیا۔ یہاں اسکی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اب اس شخص نے اپنی سالی سے نکاح کر لیا ہے اور پھر ملک سے باہر چلا گیا ہے۔ اب عرصہ دو سال کے بعد وہ واپس آگیا ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا ہے اور اپنی ساس کے ساتھ تعلقات پر سخت نادم ہے اور سچے دل سے توبہ کر چکا ہے۔ آپ فرمایئے کہ اس کا موجودہ نکاح جائز ہے اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہے یا نہیں۔ ساس اور سسر سے اب کوئی آنا جانا نہیں ہے۔ براہ کرم جلد جواب دیں۔

سائل : محبوب علی خان

الجواب :

ساس سے ناجائز تعلقات رکھنے کی وجہ سے اسکی پہلی بیوی بھی حرام ہو گئی تھی اور اب سالی سے بھی نکاح حرام ہے۔ ان کو فوراً علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ یہ حرمت ابدی حرمت ہے۔ اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

نوٹ .

تفصیل اسی باب کے پہلے سوال کے جواب میں ملاحظہ کیجئے۔ (مرتب)

واللہ تعالیٰ اعلم

بہو کے ساتھ زنا اور اسکے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مجھ سے میرے شوہر مسمّی مبین خان نے کہا "اب تیری اس گھر میں کوئی اہمیت نہیں ہے"۔ چونکہ میرے باپ نے تجھے زبردستی خراب کیا ہے، اس لئے میں تجھے طلاق دیتا ہوں"۔ اور پھر تین بار لفظ طلاق کہا۔ جبر و ظلم شوہر کے والد نے کیا اور سزا مجھے دی گئی۔ میرے چار کمسن بچے ہیں۔ دو لڑکیاں اور دو لڑکے۔ ان کا مستقبل اور میری زندگی کی تباہی کا ذمہ دار کون ہے ؟ حکم خدا اور حکم رسول سے آگاہ فرمائیں۔ تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

سائلہ : ممتاز بیگم بنت عبدالشکور، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں شوہر کے باپ نے، اپنی بہو سے زنا کیا، اس وجہ سے یہ عورت زانی کے بیٹے (جس کے نکاح میں تھی اور اس کے دوسرے بیٹوں کیلئے) حرمت ابدی کے ساتھ حرام ہوگئی اور شوہر کے باپ پر پہلے ہی سے حرام تھی۔ مصاہرت کے بعد وہ محل طلاق نہیں رہتی۔ اس لئے طلاق واقع ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔ بلکہ متارکہ کرنا ہوتا ہے۔ اوپر کے الفاظ اور پھر طلاق کے الفاظ سے متارکے کا مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔

نوٹ : متارکہ کا مفہوم اسی باب کے دوسرے سوال کے جواب میں دیکھئے۔

اس لئے عدت کا شمار اسی وقت سے ہو گا جب سے اس نے یہ الفاظ کہے ہیں۔ تین حیض گذر جانے کے بعد یہ عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ مگر شوہر اول سے کبھی بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ سات برس کی عمر تک لڑکے اور نو برس کی عمر تک لڑکیاں ماں کے پاس رہیں گی۔ اس کے بعد تمام اولاد کو باپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ زمانہ عدت میں بیوی کا خرچہ شوہر دے گا اور بچے جب تک ماں کی تربیت میں رہیں گے، ان کا خرچہ بھی بقدر استطاعت شوہر پر واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگانے والے کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

مکرمی جناب مفتی صاحب!

تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگادے تو ایسی صورت میں اسکی بیوی یعنی لڑکی کی والدہ اس پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی۔ بشرطیکہ لڑکی کی عمر نو سال یا اس سے زیادہ ہو۔

اس ضمن میں چند سوالات ارسالِ خدمت ہیں۔ ازراہِ نوازش، ان کے جوابات مرحمت فرماکر مشکور فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

(۱) اس فتویٰ کے نافذ ہونے کیلئے کہ لڑکی کی عمر نو سال یا اس سے زیادہ ہو۔ کیا یہ شرط اس قیاس پر مبنی نہیں ہے کہ اس عمر میں لڑکیاں اکثر بالغ ہو جاتی ہیں؟ یعنی کیا اصولی طور پر اسکا تعلق لڑکی کی بلوغت (یعنی حیض آنے) سے ہے جیسا کہ اکثر گرم ممالک میں خصوصاً عرب میں ایسا ہوتا ہے کہ ۹ سال کی بچیاں بالغہ ہو جاتی ہیں یا یہ شرط ہر علاقے سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کیلئے ہے؟

(۲) یہ فتویٰ قرآن اور احادیث مبارکہ کے مطابق ہے یا اسکی بنیاد فقہ واجتہاد پر ہے؟ اگر یہ اجتہادی مسئلہ ہے تو اس اجتہاد کی نسبت کس ہستی سے ہے؟

(۳) اس معاملے میں چاروں فقہاء یعنی حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی میں باہم اتفاق ہے یا کچھ اختلاف ہے؟ اگر اختلاف ہے تو کیا ہے؟

نوٹ :

ان استفسارات کا مقصد شریعت کے کسی حکم سے انحراف یا راہ فرار اختیار کرنا نہیں ہے۔ بلکہ سائل اپنی تشفی اور ذاتی معلومات کیلئے ان جوابات کا خواہاں ہے۔

سائل : محمد حنیف، ناظم آباد، کراچی

الجواب :

حرمت مصاہرت کا معنی یہ ہے کہ سسر، دامادی کے رشتہ کی وجہ سے جو حرمت ہوتی ہے، اسکے بارے میں تمام امت کا اس امر پر اتفاق ہے، کہ جس عورت سے وطی کرلے گا، اس عورت کی ماں اور بیٹی وطی کرنے والے پر حرام ہو جاتی ہیں۔ اگر حلال طریقہ پر وطی نہ ہو بلکہ زنا کے طور پر ہو تو اسکی وجہ سے حرمت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کا مذھب یہ ہے کہ حرام وطی سے بھی حرمت ہو جاتی ہے۔ باقی تینوں ائمہ کا مذھب یہ ہے کہ حرام وطی سے حرمت نہیں ہوتی ہے۔ اس اختلاف کے باوجود ایک اور مسئلے پر ائمہ اربعہ کا اتحاد ہے۔

وہ مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اگر زنا کیا، اس زنا سے لڑکی پیدا ہوئی، یہ زانی پر حرام ہے یا زنا سے لڑکا پیدا ہوا وہ لڑکا اس عورت پر حرام ہے، جس سے یہ پیدا ہوا، ان دونوں مسئلوں میں زنا کو بھی حرمت کا سبب، سب نے مانا ہے۔

اسی بناء پر حنفیہ کہتے ہیں کہ وطئ حرام بھی حرمت کا سبب بنتی ہے۔ جس عورت سے زنا کرے گا اس کی ماں اور اسکی بیٹی دونوں زانی پر حرام ہو جائیں گی۔ اور وطی کے حکم میں دواعی (اسباب) وطی بھی ہوتے ہیں یعنی وہ کام جو وطی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اسی لئے شہوت سے کسی عورت کو چھونا اور اسکی شرمگاہ کو دیکھنا بھی حرمتِ مصاہرت کا سبب ہوتا ہے۔ چونکہ شہوت سے چھونا سبب حرمت بنتا ہے اس لئے اُس لڑکی یعنی بیٹی کو چھونے سے حرمت ہوگی جو قابل شہوت ہو۔ چھوٹی لڑکی کے چھونے سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی۔ نو سال کی شرط مشتہات ہونے کیلئے لگائی گئی ہے۔ اور یہ حدیث بھی منصوص ہے۔ فتح القدیر میں ہے :

وقدروی اصحابنا احادیث کثیر منھا قال رجل یا رسول اللہ ﷺ انی زنیت بامرأۃ فی الجاھلیۃ افانکح ابنتھا؟ قال: لا اری ذالک ولا یصلح ان تنکح امرأۃ تطلع من ابنتھا علی ما تطلع علیہ منھا

(جلد (۳) فصل فی بیان المحرمات، صفحہ: ۱۲۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور تحقیق ہمارے اصحاب سے کثیر احادیث مروی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص نے عرض کی اے اللہ کے رسول (ﷺ) بے شک زمانہ جاہلیت میں، میں ایک عورت سے زنا کا مرتکب ہوا۔ کیا میں اسکی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہوں؟

غلطی سے بیٹی کو ہاتھ لگنا اور حرمتِ مصاہرت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید رات کو اندھیرے میں اپنی بیوی کو اٹھانے کیلئے گیا۔ اچانک غلطی سے اپنی لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا۔ لڑکی کی عمر تقریباً ساڑھے آٹھ سال ہے۔ آیا بیوی زید پر حرمتِ ابدی سے حرام ہو گئی یا نہیں؟ اور لڑکی اس عمر میں مشتہات کہلائے گی یا نہیں؟ نیز لڑکی کی عمر کے بارے میں وضاحت فرمادیں کہ آیا اس عمر میں بالغہ مانی جائے گی یا نہیں؟

سائل : محمد انور بیگ، اسٹیل ٹاؤن، کراچی

الجواب :

حرمتِ مصاہرت شہوت کے ساتھ چھونے سے بھی ہو جاتی ہے۔ مگر چھونے میں شرط یہ ہے کہ سینہ اور چہرے کے علاوہ بدن کے کسی حصے کو کپڑے کے اوپر سے اگر چھولے اور کپڑا اتنا موٹا ہو کہ بدن کی گرمی محسوس نہ ہو تو پھر حرمتِ مصاہرت نہیں ہوتی۔ اور حرمت مصاہرت میں ارادہ اور بلا ارادہ سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور جس کو چھوا اس کا مشتہٰی (جسے دیکھ کر شہوت ہو) ہونا بھی شرط ہے۔ مشتہٰی ہونے کیلئے نابالغ لڑکی کی عمر کا تعین تو نہیں کیا جاسکتا۔ ڈیل ڈول جثہ اور ملکی آب و ہوا کے فرق سے حالت بدلتی رہتی ہے۔ صورت مسئولہ میں بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ اٹھانے کیلئے چھونا شہوت کے ساتھ نہ تھا لہٰذا حرمت مصاہرت نہ ہو گی۔

زانیہ کی لڑکی سے زانی کے لڑکے کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص کے ایک عورت سے ناجائز تعلقات تھے، اس زانیہ کی لڑکی اور زانی کے لڑکے کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئولہ میں زانیہ کی لڑکی سے زانی کے لڑکے کا نکاح جائز نہیں۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا

يحرم كل من الزاني و المزنية على اصل الاخر وفرعه رضاعاً

(جلد (۲) كتاب النكاح، فصل في المحرمات، صفحه: ۳۰۲، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

یعنی زانی اور زانیہ کی تمام اولاد ہر ایک کی اصول اور فروع پر حرام ہیں رضاعت پر قیاس کرتے ہوئے۔

نوٹ :

مفتی صاحب کا یہ جواب اس صورت میں ہے کہ جب زانیہ کی لڑکی زانی ہی کے نطفے سے ہو لیکن اگر محض زنا ہوا ہو اور اس کے نتیجے میں اولاد نہ ہوئی ہو تو زانی کی اولاد زانیہ کی اولاد سے نکاح کر سکتی ہے۔ جیسا کہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوٰی شامی میں لکھا ہے:

يحل لاصول الزاني و فروعه اصول المزني بها و فروعها

جلد (۲) کتاب النکاح، فصل فی المحرمات، صفحہ: ۸۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی زانی کے اصول و فروع (آباء و اجداد اور اولاد) کے لیے مزنیہ کے اصول و فروع سے نکاح کرنا حلال ہے۔ (م ب)

کفو کا بیان

صرف اپنی ہی برادری میں نکاح کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ہماری برادری میں ایک مسئلہ بڑی خرابیاں پیدا کر رہا ہے۔ لہٰذا گذارش یہ ہے کہ مندرجہ ذیل مسئلے پر غور کر کے آپ ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ کیا کرنا چاہیئے ؟

سوال یہ ہے کہ ہماری برادری کی جماعت نے ایک پابندی یہ لگائی ہوئی ہے کہ ہم اپنی لڑکی برادری کے علاوہ کسی اور برادری میں نہیں دے سکتے۔ چاہے وہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر بوڑھی ہو جائے۔ اور اگر لڑکی خود اپنی پسند سے غیر برادری میں شادی کرے یا ماں باپ کروادیں تو جماعت کے عہدیداران ان کو جماعت سے نکال دیتے ہیں اور بالکل قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان کے یہاں میت بھی ہو جائے تو جماعت سے باہر نکالا ہوا شخص میت میں نہیں آسکتا اور اگر میت میں وہ شخص آتا ہے ، تو جماعت کے عہدیداران خود بھی اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی میت سے اٹھ جانے کا کہتے ہیں۔ برائے مہربانی تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : محمد احمد ، صدر ، کراچی

الجواب :

شادی ہر مسلمان سے جائز ہے۔ قرآن کریم میں مطلقاً بیان فرمایا گیا :

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

(سورۃ (۴) النساء، آیت:۳)

تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمھیں خوش آئیں۔ (کنزالایمان)

لیکن شریعت کا منشاء یہ ہے کہ نکاح ہمیشہ کیلئے ہو۔ اور میاں بیوی کے تعلقات خوش گوار رہیں۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ دونوں کا رہن سہن، عادات کھانا پینا وغیرہ ایک سا ہو۔ اسی لئے کفاءت (برابری) ہونے کی شریعت میں شرط لگائی گئی ہے۔ یعنی دونوں خاندان عزت، شرافت، دینداری، مالداری اور صنعت و حرفت میں برابر ہوں۔ لیکن ماں باپ اگر راضی ہوں اور اپنی بالغہ لڑکی کی شادی کی اجازت قبل نکاح دیدیں تو اپنی برادری سے مذکورہ بالا باتوں میں کم درجہ کے لوگوں سے بھی جائز ہے۔

لہٰذا برادری کو ایسی پابندی لگانا کہ اپنی برادری سے باہر لڑکی کی شادی نہیں کی جائے گی، غلط ہے۔ اپنی برادری کی برابر حیثیت والی برادری یا اس سے اعلیٰ برادری میں شادی کرنے پر تو کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ کم درجہ کیلئے پابندی لگائی جاسکتی ہے مگر جب لڑکی کے والدین راضی ہوں تو برادری اس تیسری صورت میں بھی، ان پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتی، جبکہ اس پابندی سے خراب اثر پڑتا ہو کہ لڑکیاں بغیر شادی عمر گذار دیں۔ تو پابندی لگانا گویا فتنوں کا دروازہ کھولنا ہے۔ جو ماں باپ اپنی لڑکی کی شادی غیر برادری میں کر دیں، ان سے تعلقات اس طرح منقطع کرنا کہ شادی بیاہ اور میت میں بھی شریک ہونے کو ممنوع قرار دے دیا جائے، حرام ہے۔ کسی جائز کام پر اس قسم کی پابندی لگانے والے سخت گناہ گار ہیں، انھیں توبہ کرنی چاہیئے اور حکم شریعت کے خلاف پابندی کو فوراً ختم کر دینا چاہیئے

سیدزادی سے غیر سید کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

محترم و معظم مفتی صاحب!

جناب عالی گذارش ہے کہ علمائے دین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ :

غیر سید، سیدزادی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں ؟اس مسئلے کی وضاحت کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ میرے خالہ زاد بھائی کا نکاح ایک سیدزادی سے ہوا۔ چند لوگ یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ ازروئے شرع غیر سید کا نکاح ایک سیدزادی سے نہیں ہو سکتا۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس بارے میں فتویٰ جاری فرمائیں۔

سائل : محمد ریاض خان، ریلوے کالونی، کراچی

الجواب :

نسب میں کفاءت (برابری) کا اعتبار ہے۔ اور کفاءت ولی کا حق ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

والکفاءة هی حق الولی لا حقها

(بر حاشیہ شامی، جلد (۲) کتاب النکاح، باب الکفاءة، صفحہ: ۳۴۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اور کفو محض ولی کا حق ہے عورت کا حق نہیں۔

لہٰذا نکاح سے پہلے لڑکی کے اولیاء شوہر کو شخصی طور پر جانتے ہوئے اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ یہ سید نہیں ہے اگر نکاح کی اجازت دے دیں تو یہ نکاح جائز ہے اور بغیر اجازت اولیاء سیدزادی کا نکاح غیر سید سے باطل ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ در مختار میں لکھا :

ویفتی فی غیر الکفو لعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی

اور مذھب مختار میں ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح اصلاً جائز نہیں۔

جواز کی صورت مندرجہ ذیل ہے، جسے علامہ سید محمد امین ابن عابدین المعروف علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے در مختار کی درج بالا عبارت کے تحت فتاوی شامی میں لکھا :

وانما تحل فی الصورة الرابعة وهی رضا الولی بغیر الکفو مع علمه بانه کذالک

(جلد (۲) کتاب النکاح، باب الولی، صفحہ: ۳۲۳، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اورچوتھی صورت ہی حلال ہے اور وہ یہ ہے کہ ولی غیر کفو میں جانتے ہوئے کہ وہ کفو نہیں، راضی ہو۔
لہٰذا ولی کی اجازت سے سیدزادی کا نکاح غیر سید سے ہوا تو یہ نکاح جائز ہے۔ جو لوگ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں، انھیں حکم شرع سے آگاہی نہیں۔

سیدزادی سے نکاح اور رعایت کا حکم

الاستفتاء :

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :
ایک شخص جو پٹھان خاندان سے ہے، اسکا نکاح سید زادی سے ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں ؟
جبکہ طرفین اس میں راضی ہوں اور کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ بعد نکاح کیا سید زادی کو نسبتاً دوسری خواتین کے زیادہ اختیار ہے۔ کیونکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے۔ بینوا وتوجروا
سائل : عبدالوھاب، پیر کالونی، کراچی

الجواب :

سیدزادی کا نکاح غیر سید سے اس صورت میں جائز ہے کہ جب لڑکی کے اولیاء نکاح سے پہلے رضامندی کا اظہار کر دیں۔ اور اگر اولیاء کی رضامندی کے بغیر کوئی سید لڑکی غیر سید سے شادی کرے گی تو صحیح مذھب پر نکاح فاسد ہے۔ سیدزادی کو نکاح کے بعد حقوق زوجیت اور طلاق کے معاملے میں کوئی خصوصی فضیلت نہیں ہوتی ہے۔

غیر کفو میں منعقدہ نکاح کے باطل ہونے کا حکم

الاستفتاء :

خالدہ نے ایک غیر معروف اور چلتے پھرتے لڑکے زید سے نکاح کر لیا۔ خالدہ کی عمر ۲۶ سال ہے جبکہ زید کی عمر ۳۵ سال۔ نکاح والدین اور عزیز رشتہ داروں کی اجازت کے بغیر چھپ کر کیا گیا۔ والدین کو چھ ماہ بعد

معلوم ہوا۔ اس رشتے سے والدین سخت پریشان ہیں۔ خاندان اور برادری میں ذلت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے۔ کیونکہ آج تک خاندان سے باہر لڑکی کا رشتہ نہیں ہوا۔ اب لڑکی کے والدین اپنے خاندان کے لڑکے سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ جس رشتہ پر لڑکی بھی رضامند ہے اور اپنے کئے پر نادم ہے۔ لڑکی ابھی تک ماں باپ کے گھر پر ہی ہے۔ ایک دن بھی لڑکے کے ہاں نہیں رہی۔

زید محکمہ دستکاری میں ملازم ہے اور معمولی تنخواہ پاتا ہے۔ جبکہ لڑکی اسکول میں ٹیچر ہے اور باپ زمیندار ہے۔ لڑکے کے گھر بار کا کوئی پتہ نہیں۔ کیونکہ اس نے بھی یہ نکاح چھپ کر کیا ہے۔ کیا یہ نکاح جائز ہے، کیا لڑکی اپنے خاندان میں رشتہ کر سکتی ہے؟ شریعت کی رو سے جواب سے نوازیں۔

الجواب :

بالغہ لڑکی کو بغیر اجازت ولی نکاح کر لینے کا حق، اس صورت میں ہے کہ وہ کفو میں شادی کرے۔ کفو کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا ذات، برادری، دینداری، مال و دولت، صنعت و حرفت اور شکل و صورت میں لڑکی کے مثل یا لڑکی سے اعلیٰ مرتبہ کا ہو۔ اگر لڑکی بغیر اجازت ولی اپنے سے کم درجے کے مرد سے یعنی غیر کفو سے شادی کرے، جس سے شادی کرنا لڑکی کے خاندان والوں کیلئے باعث عار و ذلت ہو تو ایسا نکاح باطل ہوتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں بر تقدیرِ صدقِ سائل یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ علامہ سید محمد امین المعروف علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا :

فان حاصله ان المرأة اذا زوجت نفسها من كفو لزم على الاولياء وان زوجت من غير كفو لايلزم او لا يصح

لیکن علامہ شامی اسی صفحہ پر لکھ چکے ہیں۔

اما على رواية الحسن المختارة للفتوىٰ من انه لا يصح

(جلد(۲) کتاب النکاح، باب الکفاءة، صفحہ: ۳۴۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی پس اسکا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت اپنا نکاح کفو میں کرلے تو اولیاء پر لازم ہے یعنی اولیاء اس نکاح کو باطل نہیں کر سکتے اور اگر غیر کفو میں کرلے تو لازم نہ ہوگا یعنی اس نکاح کو اولیاء باطل کر سکتے ہیں یا یہ کہ یہ نکاح ہی منعقد نہ ہوگا۔ لیکن حضرت حسن بن زیاد علیہ الرحمۃ کی روایت کے مطابق فتوی یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں مذھب مختار پر یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا ہے۔ اب اولیاء اجازت بھی دے دیں جب بھی یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

مرتدہ زندیقہ سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک مرتد و زندیق خاندان (محمد جونپوری کو نبی ماننے والا) میرے پڑوس میں آباد ہوا۔ ایک سیاہ فام لڑکی کی شادی کا مسئلہ تھا۔ کمال چالاکی سے لڑکی کی ماں نے میرے لڑکے کو قرآن پڑھانے کی فرمائش کردی۔ اس طرح لڑکے اور لڑکی میں قرب پیدا کیا گیا۔ شیطان ایسے مواقع سے غافل کہاں رہتا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد لڑکے نے مجھ سے کہا کہ میں لڑکی کو مسلمان کرلیتا ہوں اور میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ لڑکا خود فرائض دین سے غافل ، نماز کے وقت شطرنج میں وقت برباد کرنے والا، کیا V دین کی ہوگی ؟ محض جنسی لگاؤ تھا۔ میرے انکار پر لڑکے کے ماموں نے یہ نکاح کروادیا۔ اور دلیل یہ دی کہ کسی نو مسلم کے ایمان پر شک کرنا گناہ ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے

انَّ بعضَ الظَّنِّ اثم

یعنی بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

میرا استدلال یہ ہے کہ آقائے دو جہاں سرور کائنات ﷺ نے جب یہ فرمادیا کہ ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تناکحوھم یعنی بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ کھاؤ، پیو اور نہ نکاح کرو۔

تو پھر ھم کو اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ لڑکی کے صدق دل سے ایمان لانیکی تصدیق مشکل ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں بے شمار لوگ کلمہ گو تھے لیکن انکو مسلمان نہ سمجھا گیا، جس کی قرآن حکیم نے بیشمار آیات سے خبر دی۔ چنانچہ ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ نے تقریباً ۷۰ اشخاص کو نام بنام لیکر مجلس سے نکال دیا تھا۔ عبد اللہ ابن خطل کو فتح مکہ کے دن عام معافی کا اعلان کرنے کے بعد بھی اس کو پناہ نہ دی گئی، اس مرتد کو معافی سے مستثنی رکھا گیا جب یہ مرتد خانہ کعبہ میں پہنچ کر پناہ کا خواہاں ہوا تو بھی اس کو پناہ نہ دی گئی بلکہ حضور ﷺ کے حکم پر وہیں خانہ کعبہ میں اسکی گردن ماردی گئی۔

منافقوں سے ہوشیار رہنے کیلئے جو بے شمار آیات سورۃ منافقون، سورہ توبہ اور سورہ بقرہ میں وارد ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں ایک نو مسلم مرتدہ خاندان کی لڑکی پر بھروسہ کرنا ویسا ہی نہیں ہے جیسے جنگل میں اندھیری رات میں لکڑی یا رسی کے ٹکڑے کو بلا تحقیق اٹھالینا جو ممکن ہے کہ سانپ ہو۔ ارشاد مصطفوی بھی ہے کہ: دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک (ترمذی) یعنی جو تم کو شک میں ڈالے اسکو چھوڑ کر یقینی امر کو اختیار کرو۔ سورہ ممتحنہ میں ارشاد ہوا ہے کہ "اے ایمان والو جب تمھارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کرو"۔

بتلائیے کہ اس گھر میں رہنے والی لڑکی کا کس طرح امتحان لیا جاسکتا ہے؟ امام مالک، امام حنبل اور ایک روایت کے تحت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالی علیہم اجمعین کے اقوال کے مطابق زندیق کی توبہ قبول نہ کی جائے (فقہ علی مذاہب اربعہ) ایسی صورت میں جبکہ لڑکا قادری حنبلی المسلک ہے۔ اس کا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں نیز والد کی مرضی کے بغیر لڑکے کا نکاح کر لینا موجب اس کی نافرمانی کو ظاہر کرتا ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب باصواب عنایت فرمائیں۔

سائل: سید ریاست علی، گلشن اقبال، کراچی

الجواب:

توبہ کے متعلق مطلقاً شریعت کا قانون یہ ہے کہ جو گناہ بالاعلان کیا جائے، اسکی توبہ بھی بالاعلان ہی جائے گی اور جو گناہ چھپ کر کیا جائے، اس کی توبہ چھپ کر بھی کی جاسکتی ہے۔ حدیث میں فرمایا:

إِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَأَحْدِثْ عِنْدَهَا تَوْبَةً السِّرِّ بِالسِّرِّ وَ الْعَلَانِيَةِ بِالْعَلَانِيَةِ

(الجامع الصغیر للسیوطی، المجلد الاول، صفحہ: ۱۱۷، دار الفکر، بیروت)

یعنی جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرلو۔ پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ اور اعلانیہ گناہ کی اعلانیہ۔

اور یہ بھی شرط ہے کہ پہلے گناہ چھوڑے اسکے بعد توبہ کرے اور آئندہ کے لئے یہ پختہ ارادہ کرے کہ یہ گناہ پھر کبھی نہ کروں گا، مگر مرتد اور زندیق کے احکام جدا ہیں۔ "مرتد! اسکو کہتے ہیں کہ پہلے بالاعلان مسلمان تھا اس کے بعد کوئی کلمہ کفر زبان سے نکالا یا پھر کوئی ایسا عمل کیا جس کی وجہ سے حکم کفر اس پر لگایا گیا"۔

"زندیق! وہ ہے کہ کفریات اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہے اور اس کا اظہار بھی اقوال وافعال سے کرتا رہتا ہے اور کسی امر دین کا قائل نہیں ہے"۔

ان دونوں کی توبہ کا حکم یہ ہے کہ ان کی توبہ دنیا میں قبول نہیں کی جائے گی۔ زندیق کی توبہ قبول نہ ہونے کے بارے میں تو ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے۔ اور مرتد کی توبہ میں کچھ اختلافات ہیں مگر توہین نبی کر کے مرتد ہوا، اس میں بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ دنیا میں اسکی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ ابن تیمیہ جیسے محدث نے اس مسئلے پر کئی سو صفحات کی ایک کتاب لکھی ہے، جسکا نام ہے "الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ﷺ)"۔ اس میں تمام ائمہ کا توہین نبی کرنیوالے کی توبہ قبول نہ ہونے پر اتفاق نقل کیا اور شاتم رسول کی سزا قتل بیان کی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

وفی الفتح وفی المنافق الذی یبطن الکفر ویظهر الاسلام کالزندیق الذی لایتدین بدین

فتح القدیر میں ہے کہ منافق وہ ہے کہ جسکے باطن میں کفر ہے اور ظاہر میں اسلام مثل زندیق کے کہ جو کسی دین کے ساتھ اپنی وابستگی نہیں رکھتا۔

در مختار کی اس عبارت پر سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ المعروف علامہ شامی نے لکھا:

ای فی الفتح حیث قال ویجب ان یکون حکم المنافق فی عدم قبولنا توبته کالزندیق لان ذالک فی الزندیق لعدم الاطمینان الی ما یظهر من التوبة اذا کان یخفی کفره الذی هو عدم اعتقاده دینا

یعنی جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک منافق کی توبہ قبول نہیں مثل زندیق کے۔ بسبب فقط ظاہری توبہ جبکہ اسکے دل میں کفر چھپا ہوا ہے اور یقین کی کیفیت نہ ہونے کی وجہ سے زندیق کے حکم میں ہے۔

چند سطور بعد علامہ شامی نے کچھ ایسے گروہوں کا تذکرہ کیا جن کی تفصیل صاحب مواقف نے بیان کرنے کے بعد لکھا، جنہیں علامہ شامی نے ان الفاظ میں نقل کیا:

ونقل عن علماء المذاهب الاربعة انه لا یحل اقرارهم فی دیار الاسلام بجزیة ولا غیرها ولا تحل مناکحتهم ولا ذبائحهم وفیهم فتوی فی الخیریة ایضا

فراجعها والحاصل انهم يصدق عليهم اسم الزنديق و المنافق و الملحد و لا يخفى ان اقرارهم بالشهادتين مع هذا الاعتقاد الخبيث لا يجعلهم فى حكم المرتد لعدم التصديق و لا يصح اسلام احدهم ظاهرا الا بشرط التبرى عن جميع ما يخالف دين الاسلام لانهم يدعون الاسلام ويقرون بالشهادتين و بعد الظفر بهم لا يقبل توبتهم اصلا

(جلد (۳) کتاب الجهاد ، باب المرتد، مطلب فى الفرق بين الزنديق والمنافق . صفحه : ۳۲۵،۲۶، مكتبه رشيديه ، كوئٹه)

چاروں مذہب کے ائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ بے شک ان کا اقرار دیار اسلام میں جزیہ اور بغیر جزیہ کے درست نہیں۔ان سے نکاح کرنا اور ان کا ذبحہ حلال نہیں فتاوی خیر یہ میں بھی ایسا ہی فتوی ہے۔جو چاہے اسکی طرف رجوع کرے۔حاصل کلام یہ ہے کہ ان پر زندیق، منافق اور ملحد کا نام صادق آتا ہے۔اور پوشیدہ نہیں کہ شہادتین کا اقرار اس برے عقیدے کے ساتھ انھیں مرتد کے حکم میں داخل نہیں کرتا بسبب عدم تصدیق کے۔اور نہ ان میں سے ظاہراً کسی کا اسلام صحیح ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ دین اسلام سے مخالفت رکھنے والی چیزوں سے برأت کا اظہار کریں اس لئے کہ وہ اسلام کا دعوی کرتے ہیں اور شہادتین کا اقرار کرتے ہیں اور اگر اس اقرار سے انحراف کیا تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔

شیخ منصور ابن یونس حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الروض المربع بشرح زاد المستقنع میں لکھا:

ولا تقبل فى الدنيا توبة زنديق وهو المنافق الذى يظهر الاسلام ويخفى الكفر بل يقتل لكل حال لان هذه الاشياء تدل علٰى فساد عقيدته

اور دنیا میں زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی یہ وہ منافق ہے جو اسلام ظاہر کرتا ہے اور کفر پوشیدہ رکھے ہوئے ہے۔ہر حال میں اس کو قتل کردیا جائے گا اس لئے کہ یہ چیزیں اس کے فساد عقیدہ پر دلالت کرتی ہیں۔

ان عبارات کی روشنی میں صورت مسئولہ کا یہ حکم معلوم ہوا کہ محمد جونپوری کے مذہب کے ماننے والی قادیانی سے بھی بدتر مرتد یا زندیق ہے۔محمد جونپوری نے تو قادیانی سے پہلے نبوت کا دعوی کر کے ایک بدترین مذہب کی بنیاد ڈالی۔لہٰذا اسکے مذہب کی کسی عورت یا مرد کی توبہ مذہب صحیح پر تو ائمہ اربعہ کے نزدیک قبول ہی نہیں، جیسا

کہ اوپر عبارات میں مذکور ہے۔ یہ توبہ کا طریقہ جو سوال میں مذکور ہے محض شادی کیلئے دھوکہ بازی ہے۔ اس میں عقائد فاسدہ سے براءت کا اظہار ہے اور نہ بالاعلان توبہ ہے۔ لہٰذا یہ توبہ قابل قبول نہیں اور یہ نکاح باطل محض ہے۔ پھر اس گناہ کے روکنے کیلئے باپ کو حکم دینا تو ضروری تھا اور بیٹے پر لازم تھا کہ وہ باپ کی فرمانبرداری کرتا اور اس نکاح سے باز رہتا۔

گمراہ فرقوں سے رشتہ داری کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

آیا مسلک اہلسنت وجماعت (بریلوی) کیساتھ تعلق رکھنے والا آدمی کسی غیر مقلد، دیوبندی یا اھل حدیث کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے سکتا ہے یا نہیں ؟ اور آیا ان سے رشتہ لے بھی سکتا ہے یا نہیں ؟

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

سائل : محمد وارث علی وارثی، لیاقت آباد، کراچی

الجواب :

احادیث میں امت کی فرقہ بندی کی خبر دی گئی ہے اور فرمایا "میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی ہوگا"۔

(ابو داؤد، حصه دوم، کتاب الدیات، باب شرح السنة ،صفحه ۲۸۳ ، مکتبه حقانیه ، ملتان)

امت کے صالحین اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ اس جنتی فرقہ کا نام اہل سنت وجماعت ہے اور گمراہ فرقوں کے بارے میں احادیث میں جو احکام بیان فرمائے، ان میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ اہل سنت وجماعت کو شادی بیاہ کرنا جائز نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

شیعہ لڑکے سے سنی لڑکی کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شیعہ گھرانے کا لڑکا جسکی منگنی ایک سنی گھرانے کی لڑکی سے ہوئی ہے، مگر اب لڑکی کے والدین نکاح دینے سے انکار کر رہے ہیں۔اس بناء پر کہ شیعہ وسنی کے مابین مناکحت ناجائز ہے۔جبکہ شیعہ لڑکے کا یہ کہنا ہے کہ "میں خلفائے راشدین علیھم الرضوان کا احترام کرتا ہوں تاھم حضرت علی کو سب سے افضل قرار دیتا ہوں۔ایام محرم یعنی شہدائے کربلا علیھم الرضوان کی نیاز دیتا ہوں" ازروئے شرع مطرہ جواب باصواب بصورت تحریر عنایت کریں کہ اس عقیدے اور نظریے کے حامل لڑکے کے ساتھ ایک صحیح العقیدہ لڑکی کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :

کسی شیعہ مرد سے سنی لڑکی کا نکاح باطل ہے۔جب لڑکے کا خاندان شیعہ ہے تو اسکا یہ قول قابل قبول نہیں ہے کہ "میں خلفائے راشدین علیھم الرضوان کا احترام کرتا ہوں" اس لئے کہ شیعہ مذھب میں "تقیہ" فرض ہے۔اور تقیہ کے معنی جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے کے ہیں۔اس لئے ان کی کوئی بات قابل قبول نہیں مسلمانوں کو انکے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیئے۔

سنی لڑکے کا شیعہ لڑکی سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

سنی لڑکا کسی شیعہ لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر کسی آدمی نے شیعہ لڑکی کے ساتھ شادی

کرلی شادی سے پہلے اس آدمی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ لڑکی شیعہ ہے۔ شادی کے کچھ عرصہ کے بعد اس کو پتہ چلا کہ لڑکی شیعہ ہے۔ تو اب وہ کیا کرے ؟ اس آدمی کا وہی نکاح رہے گا یا اسکو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یا صرف اس لڑکی کو اپنے عقیدے پر لانا کافی ہوگا ؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : سید محمد شفیق الرحمان بخاری

الجواب :

اس زمانے کے شیعہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا انکار کرتے ہیں، ان پر اور دوسرے صحابہ پر "تبراء" کرتے ہیں۔ لہٰذا کسی سنی لڑکے کا شیعہ لڑکی سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ جو نکاح ہوا ہے، وہ باطل ہے۔ ان کو فوراً جدا ہو جانا چاہئے۔ شیعہ لڑکی اگر اب سنی ہونے کا اقرار بھی کرتی ہے تو جو نکاح پہلے ہوا، وہ باطل ہو چکا، وہ اس اقرار سے صحیح نہیں ہوگا۔ اگر یہ اطمینان ہو جائے کہ واقعی اس نے اپنا مذہب بدل لیا ہے، تو دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ مگر شیعہ مذہب میں "تقیہ" کرنا فرض ہے یعنی جھوٹ بول کر اپنا کام نکالنا۔ لہٰذا اس لڑکی کے اب سنی ہونے کے اقرار کو بھی نہیں مانا جائے گا۔

تفضیلی شیعہ کا سنی لڑکی سے نکاح

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص یہ کہتا ہے کہ "میں تبرائی شیعہ نہیں ہوں بلکہ تفضیلی شیعہ ہوں"۔ اور وہ شخص ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جو اہلسنت وجماعت حنفی مسلک رکھتی ہے۔ کیا ایک تفضیلی شیعہ کا نکاح اہلسنت وجماعت لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل : حشمت اکبر، کراچی

الجواب :

شیعہ لڑکے سے سنی لڑکی کا نکاح باطل ہے۔ اس لئے کہ شیعہ آجکل عام طور پر تبرائی اور حضرت ابو بکر

وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے منکر ہیں۔ اور ان ہستیوں کی سب وشتم کرنے والے ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) لگانے والے ہیں۔ تفضیلی شیعہ کا بھی یہی حال ہے۔ ان تمام عقائد کو عالمگیری وشامی وغیرہ کتب فقہ میں کفریات میں شمار کیا ہے۔

(عالمگیری ،جلد (۲) کتاب البیوع، الباب التاسع فی احکام المرتدین ، مطلب موجبات الکفر ، صفحہ : ۲۶۴، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اور کسی کافر سے کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ شیعہ کے یہاں "تقیہ" یعنی جھوٹ بولنا فرض ہے۔ تفضیلی شیعہ کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ لوگ سنی لڑکی سے شادی کرنے کیلئے جھوٹ بول کر اپنے آپ کو تفضیلی بتاتے ہیں۔ اس لئے ان کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

شیعہ لڑکی کو سنی کر کے نکاح کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید جو اہلسنت وجماعت سے تعلق رکھتا ہے، اس نے شیعہ رافضی عورت سے شادی کی۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے سنی کر کے شادی کی ہے۔ جبکہ اس کے پاس اس کی کوئی دلیل، گواہ یا تحریر نہیں ہے۔ تو اس کی شادی کا کیا جواز ہے ؟ اس کی اولاد کو کیا سمجھنا چاہیئے ؟

الجواب :

ضروریات دین جن کو ماننا ایمان کیلئے ضروری ہے۔ اور ان میں سے کسی کا انکار کرنا کفر ہے۔ ابو بکر صدیق کی خلافت اور ان کے صحابی ہونے کی تصدیق بھی ان ہی ضروریات میں سے ہے نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی، جس کی شہادت قرآن نے دی ہے، ماننا بھی انھیں میں سے ہے۔ شیعہ بہت سی باتوں میں اختلاف کے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور انھیں خائن وغاصب مانتے ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اب بھی تہمتیں لگاتے ہیں۔ اس لئے ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا کلمہ بھی علیحدہ کر لیا۔ اور اذان میں بھی تبدیلی کر لی۔ لہٰذا کسی مسلمان کا نکاح کسی شیعہ لڑکی سے نہیں ہو سکتا اور

چونکہ شیعوں کے مذہب میں "تقیہ" کرنا یعنی اپنے مذہب کو چھپالینا اور جھوٹ بولناان کے عقائد میں فرائض میں شامل ہے، اس لئے ان کے قول پر بھی یقین کرنا مشکل ہے۔ جس شخص نے یہ دعوی کیا کہ میں نے شیعہ عورت کو مسلمان کر کے شادی کی ہے۔ اور کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کرتا ہے، وہ جھوٹا ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اور اولاد کا نسب دعوی سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

شیعہ کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھنے والے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

شیعہ لڑکی یا لڑکے کا نکاح سنی لڑکے یا لڑکی سے جائز ہے یا ناجائز؟ اور جو اہل تشیع کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز سمجھے، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا

سائل : عبدالحفیظ، عثمان آباد، کراچی

الجواب :

شیعہ لڑکی سے سنی لڑکے کا نکاح باطل ہے۔ اس لئے کہ شیعہ آجکل عام طور پر تبرائی اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنھما کی خلافت کے منکر ہیں۔ اور ان ہستیوں کو سب و شتم (گالی گلوچ) کرنے والے ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا پر قذف لگانے والے ہیں۔ تفضیلی شیعہ کا بھی یہی حکم ہے۔ ان تمام عقائد کو عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں کفریات میں شمار کیا ہے۔ جیسے ما سبق جواب سے ظاہر ہے۔ اور کسی کافر سے مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا ہے۔ جو ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھے گا اور جانتے ہوئے ان کے ساتھ مسلمان لڑکی کے نکاح کو جائز ™ کر پڑھائے اور جو اس نکاح کو جائز ™ کر اس میں شریک ہوں گے، ان سب پر یہی حکم ہو گا، جو "تبراء" کرنے والوں کا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسلمان سے کمیونسٹ ہونے والے کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر ایک مسلمان شادی شدہ کمیونسٹ ہو جائے، خدا اور رسول کے خلاف خرافات بولے تو ایسے شخص کا نکاح باقی رہتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے ؟ شرعی لحاظ سے اگر نکاح ٹوٹ گیا اور بیوی کو علم ہو جائے کہ میرا نکاح ٹوٹ گیا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کو کیا کرنا چاہیئے ؟ اس مسئلے سے آگاہ کریں۔

الجواب :

اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں خرافات بکنے والا اسی وقت کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ مرتد کا نکاح ختم ہو جاتا ہے، اسکی بیوی کو علم ہونے کے بعد اسکے ساتھ رہنا حرام ہے۔ اور زوجیت کے تعلقات قائم کرنا زنا ہے۔ اسے فوراً جدا ہو جانا چاہیئے اور قاضی کے پاس دعویٰ دائر کر کے مفارقت (جدائی) کا حکم کروالینا چاہیئے۔

سنی لڑکی کا بد عقیدہ لڑکے سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں ایک بالغہ باشعور لڑکی ہوں۔ میری عمر تقریباً بیس سال ہے۔ میرا مسلک، مسلک اعلیٰحضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ جبکہ میرے والدین کا مسلک دیوبندی، جماعتی اور وہابی ہے۔ وہ مجھے کافر بھی کہہ چکے ہیں۔ میرے تمام رشتہ دار تقریباً وہابی، دیوبندی عقائد کے ماننے والے ہیں۔ مستقبل میں میرے والدین میری شادی انہی رشتہ داروں میں کریں گے، جبکہ میں کسی گستاخ رسول سے شادی کرنے کو بالکل تیار نہیں ہوں۔

(۱) دوران نکاح کیا میں نکاح قبول کروں یا رد کر دوں ؟ کیا بد عقیدہ لوگوں میں نکاح جائز ہے ؟

(۲) کیا میں بالغ ہونے کے ناطے کسی سنی بریلوی لڑکے سے اپنے ایمان کی بقاء کیلئے اپنی مرضی سے

شادی کر سکتی ہوں جبکہ میرا یہ عمل والدین کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ برائے مہربانی جواب دے کر فرمائیں۔

سائلہ : عطر قادری

الجواب :

دیوبندی، وھابی، قادیانی، شیعہ اور غیر مقلد گمراہ فرقے ہیں، ان سب سے تعلقات رکھنا اور سلام کرنا منع ہے۔ حدیث شریف میں بد مذھب فرقوں کے بارے میں فرمایا گیا :

و ان مرضوا فلا تعودوھم و ان ماتوا فلا تشھدوھم و ان لقیتم فلا تسلموا علیھم

(ابن ماجه ، الحديث الاخرمن باب في التدر)

یعنی اور یہ گمراہ لوگ بیمار ہو جائیں تو ان کی تیمار داری مت کرو، اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت مت کرو اور اگر تم سے ملیں تو انھیں سلام بھی مت کرو۔

لہٰذا دیوبندی، وہابی فرقے کے کسی شخص سے کسی سنی کا نکاح جائز نہیں۔ اس لئے کہ دیوبندیوں نے اپنی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی شان میں جو گستاخی لکھی ہیں وہ آج بھی چھپ رہی ہیں۔ اور ہر مسلمان ان کتابوں میں وہ بے ادبیاں اور گستاخیاں پڑھ سکتا ہے۔ اور علمائے حرمین وغیرہ نے ان گستاخانہ عبارات کے پیش نظر انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کا نکاح ایسے شخص سے نہیں ہو سکتا جو دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

آپ جب بالغہ ہیں تو آپ خود مختار ہیں۔ آپ کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ولی کو آپ پر جبر کرنے کا اختیار ہے۔ لہٰذا آپ پہلے ہی سے انکار کر دیں کہ میں کسی بد مذہب اور بد عقیدہ شخص سے نکاح نہیں کروں گی۔ ہدایہ میں ہے :

وینعقد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغۃ برضائھا وان لم یعقد علیھا ولی بکراً کانت او ثیباً

یعنی حرہ (آزاد) عاقلہ، بالغہ کا نکاح اسکی مرضی سے منعقد ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ باکرہ (کنواری) ہو یا ثیبہ (شادی شدہ) اگرچہ ولی اس عقد میں راضی نہ ہوں۔

اسکے بعد فرمایا:

ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح

یعنی جائز نہیں ہے ولی کو باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور کرنا۔

(اولین، کتاب الکاح، باب فی الاولیاء والاکفاء، صفحہ: ۱۴، ۳۱۳، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ اپنی مرضی سے کسی سنی صحیح العقیدہ شخص سے نکاح کر سکتی ہیں۔

سنیہ کا غیر سنی سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے علمائے حقہ اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مسلک اہل سنت وجماعت (بریلوی) کی لڑکی کا نکاح ایک دیوبند یعنی کٹر غلام خانی (جو معمولات اہلسنت کو کفر و شرک کہتا ہے) مولوی کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہو سکتا تو جو شخص ایسا نکاح پڑھائے اسکے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

سائل: صوفی محمد علی 1/2 شیر شریف ضلع خوشاب

الجواب:

جس شخص کے متعلق یہ سوال ہے، اسکے عقیدے سے متعلق سائل نے لکھا کہ وہ اہل سنت کے معمولات پر عمل پیرا ہونے والے کو کافر و مشرک کہتا ہے۔ تو جو اہل سنت کو کافر کہے، وہ خود کافر ہے اور ایسا شخص جو اسلام کا دعوٰی کر کے کفر کرے وہ مرتد ہے اور مرتد کا نکاح اہل سنت کی لڑکی سے تو باطل ہے ہی، اس کا نکاح تو کسی مرتدہ سے بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویبطل منه اتفاقا ما یعتمد الملة وهی خمس النکاح والذبیحة والصید والشهادة والارث

یعنی مرتد کے وہ تصرفات اتفاقاً باطل ہیں جن کا دارومدار ملت اسلام پر ہے اور وہ پانچ ہیں۔ نکاح، ذبیحہ، شکار، گواہی اور وراثت۔ شامی نے در مختار کی عبارت "النکاح" پر لکھا:

ای ولو لمرتدة مثله

یعنی اگرچہ وہ اپنی جیسی مرتدہ سے نکاح کرے، وہ بھی باطل ہے۔

(جلد (۳) کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب جملة من لا یقتل اذا ارتد، صفحه: ۳۳۰، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

شیعہ سے سنی ہو جانے کے بعد سنیہ سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک نوجوان جو شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا مگر اس نے فقہ حنفی سے متعلق چند کتب کا مطالعہ کیا اور سنی حضرات کی صحبت میں رہنے سے اس کی عقیدت فقہ حنفی سے ہوتی گئی۔ چنانچہ اس نے شیعہ مسلک چھوڑ کر مسلک اہلسنت وجماعت کو اختیار کر لیا۔ وہ خلافت راشدہ پر یقین رکھتا ہے اور چاروں خلفاء کو برحق سمجھتا ہے، انھیں ایمان کا ستون جانتا ہے۔ تبراء، تقیہ اور متعہ سے دل سے توبہ کرتا ہے اور ان سے نفرت کرتا ہے۔ الغرض اب وہ سنی حنفی مسلمان ہے اور بہت سے افراد کے سامنے اپنے تبدیلی مسلک کا اس نے عملاً مظاہرہ کیا اس ماضی کی زندگی کے بارے میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بطفیل سید المرسلین ﷺ میری توبہ قبول کرے اور جو مجھ سے دانستہ و نادانستہ گناہ ہوئے ہیں انھیں معاف فرمائے، آمین۔

اب کچھ عرصہ بعد متذکرہ نوجوان مسلک اہل سنت میں شادی خانہ آبادی کرنا چاہتا ہے۔ آیا ایسا شخص سنیہ لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب دے کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ بینوا وتوجروا

سائل: محمد بیگ نیازی، لانڈھی کالونی، کراچی

الجواب:

اگر واقعی یہ شخص صدق دل سے ایمان لایا ہو اور بالاعلان فرقہ شیعیت کے تمام عقائد کفریہ سے برات کا اظہار اور ان کی تکفیر کرتا ہو۔ اور مذہب شیعیت سے بھی بیزاری کا اظہار کرتا ہو تو اس کا مسلمان ہونا تسلیم کر لیا جائے گا، اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا اور جہاں پر وہ شادی کرنا چاہتا ہے، وہ لوگ بھی مطمئن ہوں تو شادی جائز ہو گی۔

نکاح اور ولدیت

نکاح نامہ پر ولدیت میں سوتیلے باپ کا نام لکھوانا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک محترمہ کی شادی کے کچھ عرصہ کے بعد، ان کے شوہر سے اختلافات ہو جانے کی صورت میں، طلاق واقع ہو گئی۔ جبکہ ان دونوں کی ایک بچی بھی تھی، جو کہ طلاق کے بعد ماں کے پاس رہی۔ عدت کے بعد بچی کی ماں نے دوسرا نکاح کر لیا اور بچی کے تمام دستاویزات میں اس کے سوتیلے باپ کی ولدیت لکھی گئی۔ اب اس بچی کے بالغ ہونے کے بعد جب اس کی شادی ہو رہی ہے تو کیا نکاح میں ولدیت اس کے سوتیلے باپ کی لکھی جائے گی، اس صورت میں شریعت کی رو سے کوئی حرج تو نہیں ہے؟ اور اگر شرعی طور پر ایسا ممکن نہیں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ نکاح کے وقت تو ولدیت اصل ہی استعمال کی جائے، جبکہ اس کے نکاح نامہ میں، اسکے سوتیلے باپ کا ہی نام درج

کرلیا جائے۔ کیونکہ شرعی طور پر نکاح نامہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے موجودہ نظام میں، اس کو ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ نکاح نامہ میں صحیح ولدیت درج ہونے کی وجہ سے بقیہ تمام دستاویزات سے وہ مختلف ہوگا اور اس سے مسائل در پیش ہوں گے۔ اس مسئلے کا شرعی حل بتا کر مشکور کریں۔

سائل : نعیم اللہ خان، پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی، کراچی

الجواب :

نسب کا دار و مدار ولدیت پر ہوتا ہے، اس لئے ہر جگہ جو حقیقی باپ ہے، اس کا نام لکھنا چاہیئے تھا دستاویزات میں جو سوتیلے باپ کا نام لکھا، وہ غلط ہے۔ حدیث میں باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نسب کرنا سخت ممنوع ہے اور یہ گناہ کبیرہ ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیئے۔ نکاح کی صحت کیلئے دونوں کا ایک دوسرے کے نزدیک متعارف ہونا شرط ہے۔ لہٰذا لڑکی سے جب وکالت حاصل کی جائے گی اور وکیل خاص شوہر کو بتائے گا، تو لڑکی جس نام سے مشہور ہے اور پہچانی جاتی ہے، اس نام سے بتائے گا اور سوتیلے باپ کی طرف نسبت سے مشہور ہے تو اس نام کی طرف نسبت کرکے ایجاب کرسکتے ہیں، پھر بھی مناسب یہ ہے کہ اس کی سوتیلی بیٹی بتا کر تعارف کروادیا جائے اور اگر اپنے اصل باپ کی نسبت سے مشہور ہے تو اسکا نام لے کر قبول کرلیا جائے۔ نکاح نامہ میں اصل باپ کا نام لکھا جائے اور سوتیلے باپ کی پرورش کردہ بیٹی لکھ دیا جائے۔

غلط ولدیت لکھوانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ : ۔

گذارش ہے کہ میں انڈیا سے پاکستان اپنے چچا کے پاس آیا ہوں، میرا نام آفتاب احمد خان ولد محمد اسماعیل خان ہے۔ میں نے اپنے کاغذات، پاسپورٹ، شناختی کارڈ وغیرہ میں ولدیت کی جگہ اپنے والد کے بجائے چچا کا نام لکھا ہے کیونکہ میرے والد انڈیا میں ہیں اور چچا پاکستان میں۔ میں نے چچا کی ولدیت اس لئے لکھی ہے تاکہ یہاں رہنے کی اجازت مل جائے۔ اب میرے تمام کاغذات آفتاب احمد خان ولد محمد حسن خان کے نام سے بنے ہوئے ہیں۔

میرے چچانے ایک جگہ میرا رشتہ طے کیا ہے۔اب میں یہاں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ نکاح نامے میں ولدیت میں اپنے والد کا نام محمد اسماعیل خان لکھواتا ہوں تو میرے تمام کاغذات غلط ثابت ہوں گے۔ کیا میں شریعت کی رو سے والد کی جگہ چچا کا نام لکھوا سکتا ہوں اور میرا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟براہ کرم اس مسئلے کا حل شریعت کے مطابق بتائیں۔ عین نوازش ہو گی۔

سائل :آفتاب احمد خان

الجواب :

اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف بیٹے ہونے کی نسبت کرنا حرام ہے۔ حدیث میں اس کے بارے میں لعنت آئی ہے۔ نکاح میں لڑکی سے وکالت حاصل کرتے وقت، لڑکے کا تعین ضروری ہے۔اگر لڑکا اسی طرح جانا پہچانا جاتا ہے کہ چچا کو باپ ہونے کے اعتبار سے لوگ جانتے ہیں، تو وکالت صحیح ہو جائے گی اور نکاح بھی صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر لڑکی یا لڑکے کے گھر والے اس کے حقیقی باپ کے اعتبار سے جانتے ہیں اور چچا کا بیٹا نہیں سمجھتے ہیں، تو پھر وکالت چچا کا بیٹا بتا کر حاصل کرنا صحیح نہیں ہو گی اور جب وکالت صحیح نہیں ہو گی، تو نکاح بھی نہیں ہو گا۔

نکاح کے وقت غلط ولدیت لکھوانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

زید !نے اپنے نکاح کے وقت اپنے حقیقی والد کے نام کے بجائے اپنے ماموں کا نام ولدیت میں لکھوایا کیونکہ زید اپنے ماموں کے یہاں پروان چڑھا تھا۔ شادی کے گواہوں میں سے ایک گواہ اس بات کا علم رکھتا تھا بعد میں زید کی توجہ جب اس مسئلے کی طرف دلائی تو اس نے کہا کہ میں ہمیشہ اپنے ماموں کا نام والد کے طور پر لکھتا رہا۔ زید نے نکاح نامہ میں اپنے والد کا نام غلط لکھوایا ہے تو اسکا نکاح ہوا یا نہیں، اب اس کیلئے شرعی مسئلہ کیا ہے ؟اگر وہ خطا کار ہے تو کیا اسکے گواہ بھی اسکے ساتھ شریک ہیں۔ جبکہ ایک گواہ کو اسکے حقیقی والد کا نام معلوم نہ تھا۔

سائل : عبداللہ حاجی عمر قریشی، پٹیل محلہ ،بلدیہ ٹاؤن، کراچی

الجواب :

قبول کرنے کیلئے شوہر چونکہ خود ہوتا ہے، وہ خود قبول کرتا ہے، اس لئے شوہر کے نام لینے یا سگے والد کے نام لینے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے لڑکی سے وکالت کیلئے شوہر کو معین کر کے وکالت لینا ضروری ہے۔ لہٰذا شوہر اگر ماموں کا بیٹا ہونے سے مشہور ہے اور لوگ اسکا بیٹا سمجھتے ہیں اور لڑکی سے ماموں کا لڑکا بتا کر وکالت حاصل کی گئی ہے تو یہ وکالت صحیح ہو گئی۔ اور وکیل نے اسی کے ساتھ نکاح کر دیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا۔ اور اگر لڑکی شوہر کو ماموں کا بیٹا ہونے کے اعتبار سے نہیں جانتی تھی نیز شوہر اس طرح مشہور بھی نہ تھا بلکہ اپنے حقیقی باپ کی طرف نسبت سے مشہور تھا اور وکالت ماموں کی طرف نسبت کرنے کے ساتھ حاصل کی گئی تو جس سے نکاح کرنے کیلئے لڑکی نے وکیل مقرر کیا تھا، وکیل نے اسکے ساتھ نکاح نہ کیا، تو یہ نکاح فضولی ہوا تھا۔

نکاح فضولی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس وقت صحیح ہو جاتا ہے، جب لڑکی رخصت ہو کر شوہر کے پاس چلی گئی اور اس نے اس نکاح کو رد نہیں کیا تھا، تو یہ نکاح رخصتی کی صورت میں ہو جاتا ہے۔ یہ نکاح کا حکم ہے۔ مگر حدیث میں "اس شخص پر سخت مذمت آئی ہے کہ جو اپنے حقیقی باپ کے بجائے دوسرے شخص کی طرف نسبت کرے"۔

(سنن ابن ماجه ، كتاب الحدود ، باب من ادعى الى غير ابيه ، صفحه١٨٧، قديمى كتب خانه، كراچى)

لہٰذا زید گناہ گار ہے، اسکو توبہ کرنی چاہیے۔

نکاح میں ولدیت لکھوانے کا حکم

الاستفتاء :

جناب عالی!

گذارش یہ ہے کہ ایک شخص نے بیوہ سے شادی کی۔ بیوہ کے تین چھوٹے بچے بھی تھے۔ سوتیلے باپ نے خود کو ان بچوں کا سگا باپ ظاہر کر کے قومی شناختی کارڈ، اسکول کارڈ، اسکول میں داخلے، اسکول سرٹیفکیٹ اور ملازمت وغیرہ میں بچوں کی ولدیت میں اپنا نام لکھوایا ہے۔

(۱) اب ان مذکورہ بچوں میں سے ایک لڑکے کی شادی ہونے والی ہے، نکاح میں لڑکے کے نام کے ساتھ ولدیت میں سگے باپ کا نام لکھا جانا چاہیئے یا سوتیلے کا۔

(۲) شریعت کی رو سے لڑکی سے نکاح کے وقت اجازت لینے میں لڑکے کے نام کے ساتھ ولدیت میں سگے باپ کا نام لینا ضروری ہے یا سوتیلے باپ کی ولدیت لکھ دی جائے؟ کیونکہ مذکورہ بالا کاغذات وغیرہ میں لڑکے کے نام کے ساتھ ولدیت سوتیلے باپ کی لکھی ہوئی ہے۔

الجواب:

(۱) نسب کا دارومدار ولدیت پر ہوتا ہے۔ اس لئے ہر جگہ جو حقیقی باپ تھا، اسکا نام لکھا جانا چاہیئے تھا۔ شناختی کارڈ وغیرہ میں جو سوتیلے باپ کا نام لکھا تھا وہ غلط تھی۔ نکاح نامہ میں حقیقی باپ کا نام لکھیں۔

(۲) نکاح صحیح ہونے کیلئے شوہر اور بیوی کے نام اس طرح لئے جائیں گے، جس طرح وہ پہچانے جاتے ہیں اور معروف ہیں۔ تاکہ وہ معین ہو جائیں۔ لڑکا جب مشہور اس طرح سے ہے کہ سوتیلے باپ کا بیٹا بتا کر لوگ پہچانتے ہیں اور اسکے حقیقی باپ کو کوئی پہچانتا نہیں ہے تو لڑکی سے وکالت حاصل کرتے وقت سوتیلے باپ کا نام لے کر وکالت حاصل کی جائے تاکہ وہ معین ہو جائے۔ اس صورت میں نکاح نامہ پر یہ لکھنا مناسب ہو گا کہ وکالت میں حقیقی باپ کا نام لکھنے کے بعد یہ لکھ دیں معروف ولد فلاں۔ یعنی سوتیلے باپ کی طرف نسبت کر دیں۔

ولدیت کو بدلنے کا حکم

نکاح کے وقت غیر والد کی ولدیت لکھوانا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میرے عزیز نے چند وجوہات کی بناء پر اپنا نام مع ولدیت اپنے والد صاحب کی زندگی میں تبدیل کیا ہے

چونکہ ان کے والد صاحب فالج زدہ تھے اور اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے فالج کی وجہ سے بات چیت بھی نہیں کر سکتے تھے غرض کہ کسی معاملہ میں بھی ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ لہٰذا نام کی تبدیلی کے بارے میں ان کی اجازت لینا ممکن تھا۔ کچھ عرصہ قبل ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب چونکہ لڑکے کے تمام کاغذات وغیرہ نئے نام سے ہیں اور لڑکا اپنے نئے نام سے پہچانا اور پکارا جاتا ہے۔ کچھ دنوں بعد لڑکے کا نکاح ہونے والا ہے۔ لڑکے اور لڑکی کے اہل خانہ ایک دوسرے سے بخوبی واقف ہیں اور لڑکی اور اس کے تمام لواحقین کو لڑکے کے نام بمعہ ولدیت کی تبدیلی کے بارے میں پورا پورا علم ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ لڑکے کا اس کے اور اسکے والد کے نئے نام سے مذکورہ لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں کوئی شرعی رکاوٹ تو نہیں ہے؟ براہ کرم اس بارے میں فتویٰ سے نوازیں۔ عین نوازش ہو گی۔

سائل: احسان اللہ

الجواب:

اپنے باپ کا نام بدل کر دوسرے کی طرف نسبت کرنا سخت حرام ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں میں سخت وعیدوں کی روایتیں ہیں اور یہ باپ کی حق تلفی ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیئے اور باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنی چاہیئے اور صدقات وغیرہ دیتا رہے تاکہ باپ کی جو حق تلفی کی ہے، اس کا بھی کفارہ ہو سکے۔ نکاح کے احکام میں ایجاب و قبول کے وقت شوہر سے قبول کروایا جاتا ہے۔ وہاں نہ نام لینے کی ضرورت پڑتی ہے نہ نام لینا شرط ہے۔ لڑکی سے وکالت حاصل کرتے وقت لڑکے کا نام لینا ضروری ہے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ معین شخص کیلئے وکالت حاصل کی جائے تو معین اس طرح ہو جاتا ہے کہ وہ شخص جس نام سے مشہور ہے۔ اور اس نام سے کچھ جانتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے ہیں تو معین نہیں ہو گا۔ مگر یہاں بھی ایک صورت ہے کہ وکیل لڑکی کے سامنے لڑکے کا نام نہ لے بلکہ مطلق وکالت حاصل کرے کہ میں جس سے چاہوں تمھارا نکاح کر دوں تو یہ مطلقاً ہو جائے گا اور اس شخص سے نکاح کر دے، تو یہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ نکاح نامہ میں جس نام سے مشہور ہے، وہ نام لکھ سکتے ہیں جبکہ شناختی کارڈ وغیرہ میں بھی تبدیل شدہ نام لکھا ہوا ہو۔

نکاح، وکالت اور گواہی کا بیان

نکاح میں وکالت اور قبول کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص نے اس طرح نکاح پڑھایا کہ جسکو وکیل بنایا تھا، اس نے لڑکی سے وکالت حاصل نہیں کی بلکہ لڑکی سے یہ کہا تھا کہ "فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر میں نکاح قبول ہے"۔ اس طرح تین مرتبہ لڑکی سے قبول کروادیا۔ اس کے بعد قاضی نے وکیل سے وکالت حاصل کی نہ لڑکی سے۔ پھر لڑکے سے بھی قبول نہیں کروایا بلکہ لڑکے کے بہنوئی کو جو دولہا کے برابر بیٹھا تھا اس سے یہ کہا کہ "فلاں بنت فلاں کو اتنے مہر پر تمھارے نکاح میں دیا۔ کیا تمھیں قبول ہے ؟ بہنوئی نے قبول کر لیا۔ کیا اس طرح نکاح منعقد ہوا یا نہیں ؟ جواب عنایت فرما کر مشکور کریں۔

سائل : بہزاد جاوید، سبزی منڈی، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں، ان کی روشنی میں لڑکی کا وکیل ہی نہیں بنا۔ اور قاضی بھی لڑکی کا وکیل نہیں تھا۔ لہٰذا قاضی نے دولہا کے بھوئی سے جب قبول کروایا تو وہ فضولی کا قبول تھا۔ ''فضولی'' اس کو کہتے ہیں جو ولی ہو، وکیل ہو اور نہ اصیل (بذات خود) بغیر اختیار کے کسی کا عقد کرا دے۔ فضولی کے عقود ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے نزدیک تو باطل ہیں۔ اور صاحب عقد کے اجازت دینے سے بھی صحیح نہیں ہوتے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ عقد موقوف ہوتا ہے۔ صاحب عقد اگر اس کو جائز کر دے تو جائز ہو جاتا ہے۔ مگر صورت مسئولہ میں لڑکی کو تو معلوم ہی نہیں کہ اس کا عقد اسکے ہونے والے شوہر کے بھوئی سے کروادیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کے جائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ نکاح دولھا کے ساتھ ہوا نہ دولہا کے بھوئی کے ساتھ۔ خوش قسمتی کہ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ اس کا گناہ بھی قاضی کے سر ہوتا۔ اور اس کی جہالت کی وجہ سے یہ دونوں عمر بھر جو گناہ کرتے وہ سب قاضی کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے۔ اب ان کو چاہئے کہ رخصتی سے پہلے صحیح طور پر دوبارہ نکاح کرلیں۔

وکیل کے بجائے قاضی کا قبول کروانا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

آجکل نکاح سے پہلے لڑکی سے اجازت لینے وکیل جاتا ہے اور نکاح قاضی صاحب پڑھاتے ہیں۔ کیا اس طرح نکاح صحیح ہوتا ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو کوئی صورت بتائیں جو آسان بھی ہو اور عام فہم بھی۔

الجواب :

جو شخص وکالت حاصل کرنے جائے اسے چاہیئے کہ لڑکی سے اس طرح وکالت حاصل کرے کہ "تم فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر نکاح کرنے کیلئے مجھے وکیل مقرر کرتی ہو" جب وہ اس طرح سے وکیل مقرر کردے تو وکیل کو چاہیئے کہ وہ آکر قاضی سے کہے کہ "میں فلاں کی لڑکی کے نکاح کا وکیل مطلق ہوں اور میں تمھیں نکاح کا وکیل مقرر کرتا ہوں"۔ اس کے بعد قاضی یہ کہے گا کہ "میں نے اپنی مؤکلہ کا نکاح تمھارے ساتھ کیا"۔

دولہا کا وکیل بنانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
بالغ دولہا کی موجودگی میں اگر دولہا کے بجائے اسکا وکیل ایجاب و قبول کرے تو نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

سائل : زوار حسین عباسی، ناظم آباد، کراچی

الجواب :

جس طرح بالغہ لڑکی اپنا وکیل مقرر کرسکتی ہے، اسی طرح بالغ لڑکا بھی اپنا وکیل مقرر کرسکتا ہے۔ نکاح فارم میں لڑکی اور لڑکے دونوں کے وکیل کرنے کے کالم مقرر ہیں۔ مگر لڑکی کا وکیل یا قاضی ایجاب کے وقت یہ کہے گا کہ "میں نے اپنی مؤکلہ فلاں بنت فلاں کا نکاح تمھارے مؤکل فلاں ابن فلاں کے ساتھ کیا"۔ اور دولہا کا وکیل یہ کہے گا کہ "میں نے اپنے مؤکل کیلئے قبول کیا"۔

فلم، حیض میں نکاح
اور
نکاح کے گواہوں کا رشتہ دار ہونا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :

(۱) فلم یا ڈرامے میں کسی غیر منکوحہ لڑکی کا نکاح کسی مرد کے ساتھ پڑھایا جائے تو وہ نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں ؟ ظاہر ہے کہ بوقت نکاح گواہوں کی کافی تعداد موجود ہوتی ہے۔آجکل اکثر اس قسم کے نکاح ڈراموں یا ان میں ہوتے ہیں۔اور محض تفریحاً ہوتے ہیں۔حقیقتاً کسی کی نیت نکاح کرنے کی نہیں ہوتی۔

(۲) اگر بوقت نکاح عورت حیض سے ہو تو نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں ؟

(۳) اگر بوقت نکاح نکاح خواں کے علاوہ صرف دولہا یا دولہن کے دو بھائی بطور گواہ ہوں تو نکاح ہو جائے گا یا نہیں ؟ دوسرے الفاظ میں نکاح کیلئے جو دو گواہ لازمی ہیں، ان میں کسی کا استثناء تو نہیں ہے ؟ مثلاً دولہا یا دلہن کا والد، چچا، ماموں اور بھائی وغیرہ گواہ ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا وتوجروا

سائل : کیپٹن (ریٹائرڈ) زوار حسین عباسی، ناظم آباد، کراچی

الجواب :

(۱) حدیث میں ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے، جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ مذاق میں بھی ہو جاتی ہیں، جن میں ایک نکاح بھی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اس طرح سے بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(۲) حالت حیض میں بھی نکاح ہو جاتا ہے۔

(۳) نکاح کے گواہوں میں یہ شرط ہے کہ وہ مسلمان، عاقل اور بالغ ہوں۔ کسی کا رشتہ دار ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بغیر گواہوں کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید اور خالدہ دونوں نے ایک مجلس میں بغیر گواہوں کے نکاح کیا۔ یعنی باقاعدہ مھر کا تذکرہ کرتے ہوئے ایجاب و قبول کیا۔ اب معلوم کرنا ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ اور اگر یہ نکاح نہیں ہوا تو زید اور خالدہ کا بحیثیت میاں بیوی زندگی گذارنا شریعت کے نقطہ نظر سے کیسا ہے ؟ خالدہ اور اسکے پہلے شوہر کی اولاد کا نان و نفقہ زید پر واجب ہو گا یا نہیں ؟ زید اور خالدہ سے پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب ہو گی یا نہیں ؟

سائل : محمد مجید، ساہیوال

الجواب :

حدیث شریف میں ہے۔ اس حدیث کو امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا :

لا یجوز نکاح بغیر شاهدین

(جلد (۱) کتاب الشهادات ، باب شهادة القاذف والسارق والزانی ، صفحه: ۳۶۱، قدیمی کتب خانه ، کراچی)

یعنی بغیر دو گواہوں کے نکاح جائز نہیں۔

شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین او رجل و امرأتین

(اولین ، کتاب النکاح ، صفحه: ۳۰۶، مکتبه شرکت علمیه ، ملتان)

یعنی مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا جب تک کہ دو آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتیں موجود نہ ہوں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نکاح ہوا ہی نہیں۔ زید پر ان میں سے کسی کا نفقہ واجب نہیں۔ ان سے ہونی والی اولاد نا جائز ہے۔

نکاح میں خنثیٰ (ہیجڑے) کی گواہی کا حکم

الاستفتاء :

محترم مفتی صاحب !السلام علیکم

ایک مسئلہ در پیش ہے برائے مہربانی اسکا شرعی جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔ شادی میں دولہا دلہن کی طرف سے جو دو دو گواہ ہوتے ہیں کیا ان میں کوئی ایک خنثیٰ (ہیجڑا) ہو سکتا ہے یا کہ نہیں ؟

سائل :اکبر خان، لانڈھی، کراچی

الجواب :

ایجاب و قبول کے وقت دو عاقل بالغ آزاد مسلمان مرد گواہ یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا شرط ہے۔ خواہ یہ دونوں گواہ شوہر کی جانب سے ہوں یا دلہن کی طرف سے یا کسی بھی جانب سے نہ ہوں۔ اگر ایک خنثیٰ ، ایک عورت اور ایک مرد ہوں، جب بھی نکاح جائز ہو جاتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

وخنثی کانثی لو مشکلا والا فلا اشکال

یعنی خنثیٰ اگر مشکل (یعنی جس کا مرد یا عورت ہونے کا پتہ نہ چلے) ہے تو وہ مؤنث کی طرح ہے ورنہ اس میں کوئی مشکل و پیچیدگی نہیں۔

اس پر علامہ ابن عابدین المعروف علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا :

فیقبل مع رجل وامرأة فی غیر حد و قود

(جلد (۴) کتاب الشهادات، باب القبول وعدمه، صفصحه:۴۱۹، مکتبه رشیدیه ، کوئٹه)

یعنی خنثیٰ کی گواہی حدود اور قصاص کے علاوہ مرد و عورت کے ساتھ قابل قبول ہے۔

ایجاب وقبول کیلئے مجلس واحد کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

قاضی صاحب نکاح اس طرح پڑھاتے ہیں کہ لڑکی سے ایجاب دو گواہ کی موجودگی میں کروایا جاتا ہے۔ اسکے بعد قاضی صاحب ان دو گواہوں کے ساتھ کچھ گھر کے لوگوں کو لے کر دس پندرہ میل دور جا کے لڑکے (دولہا) کا نکاح پڑھاتے ہیں۔ اس کے بعد لڑکی کو دولہا کے ساتھ رخصت کر دیتے ہیں۔ از روئے شرع شریف نکاح منعقد ہوا یا نہیں ؟

الجواب :

نکاح اور دیگر تمام عقود میں یہ شرط ہے کہ ایجاب وقبول دونوں ایک مجلس میں ہوں۔ مجلس بدل جانے کے بعد عقد باطل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے نکاح میں لڑکی کا وکیل ہوتا ہے اور وکیل خود ایجاب کرتا ہے یا قاضی کو اپنا وکیل کرتا ہے اور قاضی ایجاب کرتا ہے اور شوہر قبول کرتا ہے۔ اس طرح ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو جاتے ہیں۔ صورت مسئولہ میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس طرح تو عقد نہیں ہو سکتا۔ لیکن قاضی دولہا کے پاس جاکر کیا الفاظ بولتا ہے۔ اور دولہا قبول کرتا ہے، اس کی مختلف صورتیں ہوں گی۔ جب تک واضح صورت نہ ہو کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

ٹیلی فون پر نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ٹیلی فون پر نکاح کرنا کیسا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : سید محمد اسلم غزالی، بلاک ۱۳، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب :

نکاح صحیح ہونے کی بہت سی شرطیں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایجاب و قبول دونوں ایک مجلس میں ہوں۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے الفاظ دو عاقل و بالغ مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ایک ساتھ سنیں۔ ٹیلی فون پر ظاہر بات ہے کہ مجلس ایک نہیں ہے۔ لہٰذا پہلی شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے نکاح باطل ہے۔ اور دوسری شرط بھی نہیں پائی جاتی ہے اس لئے کہ ٹیلی فون سے ایک آدمی سنتا ہے، اگر قاضی نے سنا تو گواہوں نے کچھ نہ سنا اور جب گواہ سنیں تو دوبارہ ٹیلی فون کرنے والا بولے گا اس نے نئے الفاظ سنے وہ جو پہلے والے نے نہ سنے تھے اسی طرح دوسرا گواہ بھی سنے گا اس لئے دونوں گواہوں کا ایک ساتھ سننا بھی نہیں پایا جائے گا۔

اور تیسری وجہ باطل ہونے کی یہ ہے کہ ٹیلی فون پر صرف آواز سنی جاتی ہے، کون شخص قبول کر رہا ہے؟ یہ معلوم نہیں ہوتا ہے اور صرف آواز سے یہ متعین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ فلاں شخص کی آواز ہے اس لئے کہ آواز دوسرے کی طرح بنائی جا سکتی ہے۔ لوگ جانوروں کی آوازوں کی اسطرح نقل کرتے ہیں کہ اگر سامنے نہ ہو تو پہچانا نہیں جا سکتا کہ یہ آواز جانور کی ہے یا انسان نقل کر رہا ہے۔ بہر حال ٹیلی فون پر نکاح باطل ہے۔ اسکے صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر کوئی ایسی ہی مجبوری ہے کہ نکاح جلد کرنا ہے اور شوہر یہاں نہیں آسکتا ہے تو یہ کر سکتے ہیں کہ شوہر وہاں سے کسی شخص کی معرفت یہاں اپنے والد بھائی وغیرہ کسی کو وکیل مقرر کر دے اور شرائط لکھ دے کہ فلاں شخص کی بیٹی فلاں نام والی کے ساتھ میرا نکاح آپ قبول کر لیجئے اتنے مہر پر۔ اسکے بعد قاضی نکاح پڑھاتے وقت اس وکیل سے یہ کہے گا کہ "فلاں بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر پر میں نے تمھارے مؤکل فلاں شخص کے ساتھ کیا"۔ وکیل کہے گا کہ "میں نے اپنے مؤکل فلاں شخص کیلئے قبول کیا"، تو یہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اسی لئے نکاح کے فارم میں جس طرح لڑکی کے وکیل کا کالم ہے اسی طرح لڑکے کے وکیل کا کالم بھی بنا ہوا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مہر کا بیان

مہر کی مقدار اور اقسام

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

دارالعلوم امجدیہ، کراچی

مہر کی اقسام اور مہر کی مقدار تفصیل سے تحریر کیجئے۔

سائل: روشن علی، جیکب لائن، کراچی

الجواب:

مہر کی دو قسمیں ہیں۔ معجّل اور مؤجل۔ معجّل کے معنی یہ ہیں کہ بیوی جب مانگے گی اس وقت دینا ہوگا اور اس کے مطالبے کیلئے بیوی اپنے نفس کو روک سکتی ہے کہ جب تک شوہر وہ ادا نہ کردے بیوی کو ہاتھ نہ لگائے۔ اس کو "عندالطلب" بھی کہتے ہیں۔ اور دوسری قسم مؤجل ہے۔ اس کے معنی ہمارے یہاں کے عرف میں یہ ہیں کہ

جب طلاق یا موت واقع ہو، تو دیا جائے گا۔ للٰذا تفریق سے پہلے بیوی اسکا مطالبہ کر سکتی ہے اور نہ اس کیلئے اپنے نفس کو روک سکتی ہے۔ نصف معجّل اور نصف مؤجل بھی ہو سکتا ہے۔ مہر کی کم سے کم مقدار دس درھم چاندی ہے، جس کا وزن دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی بنتا ہے۔ چاندی کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اس کے اعتبار سے کم سے کم مہر کی مقدار بھی کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ آج کے زمانے میں کم سے کم مہر کی مقدار ایک سو پچیس روپے ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مہر کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

آجکل شادی کی غیر ضروری رسوم میں ایک اہم فریضہ کو غیر اسلامی رنگ دیکر اسقدر الجھایا جارہا ہے کہ اب فرض بھی رسوم کی شکل میں دکھائی دے رہا ہے۔ اس معاملے میں آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں۔ حسب ذیل مسئلہ کا حل اس طرح تحریر فرمائیں جو ہر دور میں کام آسکے اور پھر اس کے بعد کوئی حجت باقی نہ رہے۔

مہر کے متعلق یہ بات جاننا چاہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اور آنے والے زمانہ میں مہر چاندی اور سونے کے حساب سے کیا ہونا چاہیئے؟ اور اگر سونے اور چاندی کے بدلے مہر میں روپے وغیرہ دیئے جائیں تو اسکی ادائیگی کی کیا صورت ہو؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ فقہ حنفیہ میں مہر کی رقم ہزاروں یا لاکھوں کے حساب سے دینا کیسا ہے؟ جواب جلد ارسال فرمائیں۔

سائل: حافظ عبدالستار

الجواب:

شرعاً مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی ہے جو ہمارے یہاں کے وزن کے حساب سے دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی بنتی ہے یا اس کی قیمت۔ چاندی کی قیمت میں اس روز کا اعتبار ہوگا، جس روز نکاح ہوا تھا۔ اور اگر مہر میں چاندی مقرر کی گئی تھی تو جس روز مہر ادا کرے گا اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا چاندی دے گا۔

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار معین نہیں ہے۔ لیکن مہر کی مقدار اتنی ہونی چاہئے کہ جس کو شوہر ادا کر سکے اور شوہر کی نیت بھی یہ ہونی چاہئے کہ ادا کروں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ لوگ اس سے زیادہ مہر مقرر نہ کریں۔ اس وقت وہاں ایک عورت کھڑی ہوئی تھی، کہا آپ کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔

اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۲۰)

یعنی اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ (کنزالایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ مہر زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا خلیفۃ المسلمین کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہمارے حق میں کوئی پابندی لگائیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

(تفسیرِ مظہری، جلد(۲) آیت مذکورہ) (تفسیر خزائن العرفان برحاشیہ ترجمہ کنز الایمان، آیت مذکورہ)

نامعلوم مہر کی ادائیگی کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میری شادی میں مہر شرعی مقرر کیا گیا تھا۔ لیکن نکاح نامہ وغیرہ موجود نہیں ہے اور مہر کی رقم کتنی تھی یہ بھی ہم میں سے کسی کو یاد نہیں۔ اب میں اس قرض سے سبکدوشی چاہتا ہوں تو اس کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ جواب باصواب عنایت فرمائیں۔

سائل: بندہ خدا

الجواب :

شریعت نے مہر کی کم سے کم مقدار دس درھم چاندی مقرر کی ہے۔اس کا وزن ہمارے یہاں کے حساب سے دو تولے، ساڑھے سات ماشے ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس طرح نکاح ہوا تھا کہ مہر شرعی ہوگا، تو دس درھم چاندی کی جتنی قیمت بازار میں ہے، وہ دینا ہوگی۔ جس دن ادا کرے گا، اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

شوہر کی استطاعت سے زیادہ مہر نیز ادائیگی میں نیت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مہر کتنا ہونا چاہیے؟ امیر لوگوں کی طرف دیکھ کر غریب لوگوں نے بھی مہر زیادہ رکھنا شروع کر دیا ہے، جس کو غریب آدمی ادا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ ایسی صورت میں لڑکی والوں کو مہر کس قدر باندھنا چاہیے؟ آیا ہونے والے شوہر کی استطاعت کے مطابق یا جتنا چاہیں باندھ سکتے ہیں؟ اس بارے میں حکم شرع سے آگاہ فرمائیں۔

سائل : گل زماں، محلّہ صوفی سید محمود، راولپنڈی

الجواب :

شریعت میں مہر کی کم سے کم مقدار کا تعین ہے۔ لیکن زیادہ کا کوئی تعین نہیں کیا گیا۔ مگر یہ خیال رکھنا چاہیے کہ مہر اتنی مقدار میں باندھا جائے کہ شوہر بآسانی ادا کر سکے اور شوہر کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ میں مہر ادا کروں گا۔ اگر مہر قبول کر لیا اور ارادہ یہ ہے کہ دوں گا نہیں، تو حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔ ابو یعلی و طبرانی نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ عورت کو مہر میں سے کچھ نہیں دوں گا تو جس وقت مرے گا، زانی مرے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بغیر مہر نکاح اور مہر مثل کی تعریف

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

دارالعلوم امجدیہ، کراچی

مجھے ایک مسئلے کا جواب چاہیئے، جس کا تعلق نکاح سے ہے۔ میرا ایک لڑکی سے رشتہ طے ہوا اور نکاح دو تین سال بعد ہونا طے پایا۔ یہ لڑکی میری خالہ زاد بہن ہے اور میرے گھر میں اس کا آنا جانا ہے۔ دل میں محبت رکھنے کی بناء پر اپنی نگاہوں پر قابو نہ رکھ سکا۔ ایک اچھے ماحول کو اپنائے ہوئے کچھ عرصہ ہوا ہے۔ اس ماحول کی برکت سے معلوم ہوا کہ وہ ابھی میرے لئے غیر محرم ہے اور اس کو دیکھنا میرے لئے جائز نہیں۔ گناہ سے بچنے کیلئے میں نے چاہا کہ خاموشی سے نکاح کر لیا جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل طریقہ پر ہم نے نکاح کر لیا۔ پہلے خطبہ نکاح پڑھا گیا۔ گواہوں میں ایک مرد دو عورتیں تھیں جو عاقل، بالغ، آزاد، صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہیں۔ ایجاب و قبول کے الفاظ یہ تھے۔ "میں نے تم سے نکاح کیا" "مجھے قبول ہے" یہ الفاظ ہم نے تین مرتبہ دہرائے جو کہ گواہوں نے سنے

کیا اس طرح ہمارا نکاح ہو گیا اور اب ہم ایک دوسرے کیلئے غیر محرم ہیں یا نہیں؟ مہر کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ یہ معاملہ بعد میں طے کر لیں گے۔ میں مہر دینے کا پوری طرح پابند ہوں۔ آپ جواب ارشاد فرمائیں، تمام عمر احسان مند رہوں گا۔ خصوصاً ایجاب و قبول کے الفاظ کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ درست تھے یا نہیں؟ لڑکی عاقلہ، بالغہ ہے۔ جواب اپنے دستخط اور اسٹامپ سمیت ارسال فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔ اللہ عزوجل آپ کا سینہ مدینہ بنائے۔

سائل : سید حامد علی قادری

الجواب :

صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہو گیا۔ اور ایجاب و قبول کے الفاظ بھی صحیح تھے۔ مہر کا تذکرہ نہ ہونے کے باوجود نکاح ہو جاتا ہے۔ اب دونوں رضامندی سے مہر کی مقدار مقرر کر لیں۔ ورنہ "مہر مثل" لازم ہو گا۔ مہر مثل کا

مطلب یہ ہے کہ لڑکی کی بہنوں میں جو حسن و جمال، دینداری، ہنر مندی، اور مالداری میں اس لڑکی کی مثل ہوں، ان کا جو مہر تھا وہی اس لڑکی کا بھی ہو گا۔

مہر کی مقدار میں اختلافی صورت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میری بیوی اکثر و بیشتر گھر سے دوسروں کے یہاں چلی جاتی ہے۔ میں نے اسے بارہا تنبیہ کی لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آتی۔ میں اس کی حرکتوں سے تنگ آگیا ہوں اور اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔ ہمارا نکاح بنگال میں ہوا تھا اور نکاح نامہ وغیرہ نہیں بنایا گیا تھا، جو گواہ وغیرہ تھے، وہ سب کے سب بنگال میں ہی ہیں۔ میری بیوی کہتی ہے کہ "مہر پچاس ہزار روپے مقرر ہوا تھا" جبکہ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ "مہر پانچ سو روپے اور دو دینار مقرر ہوا تھا" ایسی صورت میں کس طرح طلاق دیکر اس عورت سے جان چھڑاؤں ؟ صحیح جواب عنایت فرمائیں۔ میری ایک چھوٹی بچی بھی ہے۔ اسکی پرورش وغیرہ میرے پاس ہو گی یا اسکے پاس ؟

سائل : محمد تسنیم، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں عورت کو مہر کی مقدار ثابت کرنے کیلئے گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ مہر کی جو مقدار گواہوں سے ثابت ہو جائے گی، شوہر پر اسکا ادا کرنا واجب ہو جائے گا۔ اور اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا۔

عورت سے جان چھڑانے کیلئے خلع کرنا ہو گا اور خلع بیوی کی رضامندی سے ہو سکتا ہے، وہ جتنے مال پر خلع کرے گی شوہر اسے قبول کرے گا تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ بچی نو برس تک اپنی ماں کی پرورش میں رہے گی اور اس مدت میں بچی کا خرچ اسکے باپ کو ادا کرنا ہو گا۔ اگر بچی کی ماں نے کسی ایسے شخص سے شادی کی جو اس لڑکی کیلئے غیر محرم ہو تو یہ بچی، اس سے واپس لے لی جائے گی۔

مہر! قسطوں میں ادا کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور ابھی تک مہر ادا نہیں کیا تو مہر کی پوری رقم کس طرح ادا کریں، شوہر کا کہنا ہے کہ "میں مہر کی رقم ماہانہ قسط کی شکل میں ادا کروں گا" کیا یہ درست ہے ؟

سائل : غلام رسول

الجواب :

شوہر پر مطلقہ عورت کی مدتِ عدت کا نان و نفقہ واجب ہے۔ طلاق دینے کے بعد شوہر پر مہر ادا کرنا بھی واجب ہے۔ دوسرے قرضوں کی طرح یہ بھی ایک قرض ہے۔ شوہر کے انکار یا تنگدستی سے اس کی ادائیگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، یعنی اس کا ادا کرنا بہر حال ضروری ہے۔ لیکن مطلقہ اگر یہ جانتی ہے کہ شوہر سابق یکمشت مہر ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو مہلت دیدے۔ اور اگر معاف کر دے تو یہ بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥

(سورة(۲)البقرة،آیت :۲۸۰)

اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک۔ اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمھارے لئے بھلا ہے اگر جانو! (کنزالایمان)

مہر کی معافی کیلئے بیوی پر دباؤ ڈالنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ہم نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح ایک پڑھے لکھے اور کھاتے پیتے آدمی سے کیا۔ رخصتی کے بعد دوسرے دن ہم گئے تو ہمشیرہ کی زبانی معلوم ہوا کہ شوہر صاحب! کا شدید اصرار تھا کہ حق مہر جو دس ہزار روپے رکھا ہے، وہ معاف کرو اور اگر تم معاف نہیں کرو گی تو تم میرے لئے حرام ہو۔ اب شادی کو تقریباً چھ ماہ ہو چکے ہیں۔ ایک ماہ ہماری ہمشیرہ ان کے پاس رہی اور حقوق زوجیت بھی ادا ہوئے۔ مگر مہر معاف کرنیکا اصرار برابر ہو رہا ہے۔ اب انہوں نے ہمشیرہ کو میکے بھیج دیا ہے اور کہتے ہیں کہ "جب مہر معاف کردے گی تو لے آؤں گا"۔ کیا ان کا مہر معاف کرنے کا اصرار صحیح ہے جب کہ وہ کھاتے پیتے آدمی ہیں۔ مہربانی فرما کر اس کا جواب جلد دیجئے۔

سائل : سید صدیق علی، نیو کراچی

الجواب :

قرآن وحدیث میں مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ شوہر کے ذمہ اس کا ادا کرنا فرض ہے، اور مہر بیوی کا حق ہے۔ شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کا حق ادا کرے، شوہر کا بیوی سے مہر معاف کرنے کا مطالبہ جائز نہیں ہے۔ یہ تو مہر کے معاف کروانے کا حکم ہوا۔ مگر شوہر نے جو لفظ کہا اگر تم معاف نہیں کرو گی تو تم میرے لئے حرام ہو، اس میں طلاق کا احتمال بھی ہے۔ لہٰذا اس کیلئے شوہر دارالافتاء آئے تو بالمشافہ اس بارے میں گفتگو کر کے ہی کچھ بتلایا جا سکتا ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

بیوی کا مہر معاف کرنا اور پھر مطالبہ کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مؤرخہ ۸۲-۱-۶ کو میری شادی ہوئی تھی اور مجھ پر ۵۰۰۰۰ روپے کا مہر مؤجل عائد تھا جو کہ میری بیوی نے مجھے ۸۲-۴-۱ کو تحریری طور پر معاف کر دیا تھا اور مؤرخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۳ کو میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اب بیوی کا مطالبہ ہے کہ میرا مہر مجھے دیا جائے۔

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلایا جائے کہ یہ حق مہر مؤجل معاف ہو چکا ہے یا نہیں ؟

الجواب :

اگر لڑکی نے خوشی بلا جبر واکراہ مہر معاف کرنے کے بارے میں لکھ دیا تھا، تو مہر معاف ہو گیا۔ معاف کرنے کے بعد دوبارہ، اسکا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔

مہر کے ساتھ دینار ودرھم لگانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

آجکل بعض لوگوں میں مہر مقرر کرتے وقت طرفین کی جانب سے سکہ رائج الوقت کے علاوہ ایک یا دو دینار یا درھم کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً گیارہ ہزار روپے اور دو دینار۔ طے کرتے وقت یہ ذکر نہیں کیا جاتا کہ سونے چاندی کا دینار ودرھم دیا جائے گا یا کاغذ کا۔ جب لڑکا اپنی بیوی کو مہر ادا کرے گا تو مذکورہ دینار یا درھم کو کس طرح ادا کرے گا۔ سونے چاندی کا یا کاغذ کا۔ جبکہ لڑکی موجودہ دینار کی جگہ سونے کے سکے کی مالیت کا مطالبہ کر رہی ہے۔ اور لڑکا کہہ رہا ہے کہ عرب ممالک میں جو کاغذ کے دینار چلتے ہیں، وہی دوں گا۔ ازروئے شرع جواب عنایت کریں۔

سائل : رجب علی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب :

اسلام میں درھم ودینار سے مراد سونے اور چاندی کے وہ سکے ہیں، جن کا تذکرہ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں ہے اور جن کے وزن کو بہت سے مسائل میں مقدار بیان کرنے کیلئے ذکر کیا جاتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں

بھی مہر کے ساتھ درھم ودینار کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اس سے مراد سونے کا دینار ہوتا ہے۔ ایک دینار آجکل کے حساب سے ساڑھے چار ماشے کا ہے اور نصف دینار دوماشہ دورتی کا ہوتا ہے۔ ایک درھم تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے۔

رخصتی سے پہلے طلاق اور ادائیگی مہر

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کا نکاح ہندہ سے حق مہر مبلغ ۵۰،۰۰۰ روپے میں طے ہوا۔ اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی۔ اب زید اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو کیا مہر کی رقم دینی ہوگی یا نہیں ؟

نوٹ : جس وقت نکاح ہوا تو قاضی صاحب نے زید کے والد سے پوچھے بغیر ہندہ کے خالہ زاد بھائی کے کہنے پر حق مہر لکھ دیا تھا۔

سائل : احسان الحق، گلستان جوہر، کراچی

الجواب :

نکاح کے بعد اگر یہ میاں بیوی تنہائی میں جمع نہ ہوئے ہوں، ایسی صورت میں شوہر طلاق دے دے تو آدھا مہر واجب ہوگا ورنہ پورا مہر۔ نکاح پڑھانے والا شوہر سے قبول کراتے وقت لڑکی کا نام مع ولدیت اور مقدار مہر بتا کر قبول کرواتا ہے۔ لہٰذا جو مہر زبان سے بیان کیا گیا وہ مانا جائے گا۔ اگر لکھی ہوئی مقدار اور زبانی مقدار میں فرق ہے تو جو مقدار زبان سے بیان کی گئی ہے، اس کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر زبان سے مقدار بیان نہ کی گئی اور لڑکی سے وکالت حاصل کرتے وقت مہر کی مقدار معین پر وکالت حاصل کی گئی تھی لیکن قبول کے وقت مقدار معین میں تبدیلی کر دی تو یہ نکاح مؤکلہ کی مرضی کے خلاف ہوگا، جس کا وکیل کو اختیار نہ تھا۔ اگر لکھی گئی مقدار کو شوہر کے سامنے بیان نہ کیا گیا اور مجلس نکاح میں ہی شوہر نے اس مقدار کو دیکھ کر دستخط کر دیئے جب بھی اس مقدار پر نکاح ہوگیا۔

طلاق کے بعد مہر مؤجل کی ادائیگی کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مہر مؤجل اگر زیادہ ہو اور تین طلاق دینے کے بعد اگر کوئی شخص یکمشت ادا نہ کر سکے تو اس کیلئے ادائیگی کی آسان صورت کیا ہے ؟

الجواب :

مہر قرض ہے اور طلاق دینے کے بعد اس کا ادا کرنا فرض ہے۔ قرض کی ادائیگی جتنی جلدی ہو سکے ، ضروری ہے۔ لیکن اگر واقعی وہ شخص یکمشت ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے ، تو قرآن کریم میں اس کے متعلق ارشاد ہے :

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

(سورۃ(۲)البقرۃ،آیت : ۲۸۰)

اور اگر قرضدار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک۔ اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا تمھارے لئے بھلا ہے اگر جانو! (کنزالایمان)

لہٰذا شوہر کی تنگدستی وعدم استطاعت کی صورت میں مطلقہ پر واجب ہے کہ وہ اسے اس وقت تک مہلت دے ، جب تک اسے استطاعت حاصل ہو۔ اور شوہر پر بھی یہ لازم ہے کہ اسے قرض ™ کر جلد سے جلد ادا کرنے کی کوشش کرے۔

طلاق کی صورت میں مہر کی ادائیگی

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے اپنی بیوی مسمات ھندہ کو جذبات میں آکر ایک ہی دفعہ میں کہہ دیا کہ تجھے میں طلاقیں دیتا ہوں۔ طلاق کے وقت صرف زید کی والدہ تھیں۔ ان کے پانچ بچے ہیں جو کہ سب نابالغ ہیں۔ اس صورت حال میں زید اور ھندہ بہت پریشان ہیں کہ بچوں کے مستقبل کا کیا بنے گا؟ کیا حلالہ کے علاوہ کوئی اور صورت ہے کہ یہ معاملہ حل ہو جائے ھندہ کا مہر ۵۰۰۰ روپیہ عند الطلب ہے، شوہر کہتا ہے کہ "میں نے معاف کرالیا ہے" جبکہ ھندہ کہتی ہے کہ سترہ سال کے عرصہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیا مہر کی ادائیگی شوہر پر واجب ہے؟

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔ اور وہ اپنے شوہر پر حرمتِ مغلظہ سے حرام ہو گئی ہے۔ اب ان دونوں کا نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکتا۔ عند الطلب جو مہر ہوتا ہے، اس کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ جب عورت مانگے گی تو دینا ہوگا اور طلاق کے وقت تو یہ مہر ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اب اختلاف کی صورت میں کہ بیوی نے مہر معاف کیا ہے یا نہیں؟ تو شوہر کو دو گواہوں سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ بیوی نے مہر معاف کر دیا تھا۔ اور اگر گواہ نہ ہوں تو بیوی کو قسم دی جائے گی کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میں نے مہر معاف نہیں کیا تھا، تو شوہر کو مہر دینا ہوگا۔

خاتونِ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

حضرت فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بعوض چار سو مثقال مہر ہوا تھا۔ تو کیا آپ وضاحت کریں گے کہ مثقال کیا ہے؟ اس وقت کیا قیمت تھی، اور اب کیا قیمت ہے؟

سائل: سید علی الدین احمد، کورنگی، کراچی

الجواب:

مثقال، تول کا ایک وزن ہے۔ بیس مثقال کے ساڑھے سات تولے ہوتے ہیں۔ حضرت علی سے حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عقد بعوض چار سو مثقال چاندی ہوا تھا۔ اب چاندی کی قیمت مارکیٹ میں جس حساب سے ہو، جوڑی جائے۔ مارکیٹ میں چاندی کی قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ اس وقت چاندی اور سونا خود سکہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ نوٹ یا اور کوئی سکہ ان کی جگہ مستعمل نہیں تھا کہ جس کی قیمت متعین کی جائے۔ مذکورہ بالا حساب سے چار سو مثقال کے ایک سو پچاس تولے ہوتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بتیس روپے مہر باندھنے کا حکم

الاستفتاء:

محترم و مکرم جناب مفتی محمد وقار الدین صاحب!

مسئلہ ذیل میں ہماری رہنمائی کیجئے:

نکاح میں بتیس روپے مہر باندھا گیا تھا۔ اور اب ہم طلاق دیں تو مہر کی کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی۔ مہربانی فرما کر تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: نیک محمد ولد بابو دین، لانڈھی، کراچی

الجواب:

مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے یعنی دو تولہ ساڑھے چار ماشے چاندی یا اس کی قیمت۔ مارکیٹ میں موجودہ دور میں دو تولہ ساڑھے چار ماشہ چاندی کی قیمت تقریباً ایک سو پچھتر روپے ہوتے ہیں۔ بتیس روپے مہر شرعاً درست نہ تھا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں شرعی مہر یعنی دو تولہ ساڑھے چار ماشہ چاندی کی قیمت ایک سو پچھتر روپے تقریباً ادا کرنی ہوگی۔

نکاح اور رضاعت

رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کے ماموں کی لڑکی نے زید کی چھوٹی بہن زینت کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ کیا از روئے شرع زید اپنی ماموں زاد سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل : خالد جاوید، صدر، کراچی

الجواب :

زید کے ماموں کی جس لڑکی نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے اگرچہ زید کے ساتھ نہ پیا ہو، وہ زید کی رضاعی بہن ہے اور رضاعی بہن اس طرح حرام ہے، جس طرح حقیقی بہن۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اس لڑکی کا نکاح زید سے نہیں ہو سکتا۔ البتہ زید کے ماموں کی دوسری لڑکیاں جنھوں نے زید کی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے، ان میں سے کسی ایک کے ساتھ زید کا نکاح جائز ہے۔

رضاعی ماں ہونے کا اقرار پھر انکار کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ

ایک عورت نے اپنی خواہرزادی (بھانجی) کو دودھ پلایا۔اس کا اس عورت نے خود اقرار بھی کیا اور دو سال تک بھرپور انداز میں اس کو تسلیم بھی کرتی رہی۔خاندان کے بقیہ افراد نے بھی اس کو تسلیم کرلیا۔اس عورت نے اقرار اس انداز میں کیا کہ یہ بچی مجھے بہت پسند ہے میں اپنے بچے سے اس کا رشتہ کردیتی۔مگر اس نے میرا دودھ پیا ہے۔ بعد ازاں اس مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر کے بھائی کیلئے اس رشتہ کی بات چلی تو اس عورت نے حلفاً (قسم کھاکر) اپنا بیان تبدیل کرلیا کہ اس نے میرا دودھ نہیں پیا۔

جواب طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس عورت کا رشتہ کے حصول کیلئے بیان تبدیل کرنا جائز ہے؟ اسکے انکار کے باوجود خاندان کے معززین اس انکار کو ضد پر محمول کرتے ہیں۔کیا خاندان والے، اس بچی کے اس رشتہ میں شرکت کرسکتے ہیں؟ نیز یہ کہ اس بچی کا نکاح مرضعہ کے شوہر کے سگے بھائی سے جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل : عبدالخالق، آزاد O

الجواب :

کسی عورت کا کسی بچے سے متعلق، اپنا دودھ پلانے کے اقرار کے بعد پھر انکار کرنا، اسکے پہلے اقرار کی تکذیب ہے۔لہٰذا اس کا انکار مان لیا جائے گا۔علامہ ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوٰی شامی میں لکھا

ونص فی الرضاع علی انها اذا قالت هذا ابنی رضاعا واصرت علیه جاز له ان یتزوجها لان الحرمة لیست الیها قالوا وبه یفتی فی جمیع الوجوه

(جلد(۲) کتاب النکاح، باب الرضاع، صفحه: ۴۴۸، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی رضاعت کے بارے میں ثابت ہے کہ جب کسی عورت نے کہا کہ یہ میرا رضاعی بیٹا ہے پھر اس قول سے انکاری ہوئی تو اس لڑکے کا اس عورت سے نکاح جائز ہے کیونکہ حرمت اس عورت کی طرف سے نہیں ہوئی

اور فقہاء نے کہا کہ ان صورتوں میں یہی فتوٰی دیا جائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب وہ عورت اپنے شوہر کے بھائی سے، اس لڑکی کی شادی کرنا چاہتی ہے، تو یہ شادی جائز ہے۔ اور لوگوں کو اس میں شرکت کرنا بھی جائز ہے۔

ثبوتِ رضاعت کیلئے صرف مرضعہ کے قول کی شرعی حیثیت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید اور ہندہ چچازاد ہیں۔ دونوں کی آپس میں شادی کرنے کا خیال ہے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ چچی جان یہ فرماتی ہیں کہ "لڑکی کی والدہ جب بیمار تھی تو میں نے لڑکی کو صرف بہلانے کیلئے دودھ پلایا ہے"۔ لیکن اس دودھ پلانے کا علم باپ کو ہے نہ لڑکی کی والدہ کو۔ ایسی صورت میں اب آپ بتائیں کہ یہ شادی ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

سائل : عبدالرشید، شرف آباد، کراچی

الجواب :

رضاعت کے ثبوت کیلئے دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔ لیکن نکاح سے پہلے اگر کوئی عورت یہ کہتی ہے کہ "میں نے اس بچے کو دودھ پلایا ہے" اور وہ بظاہر قابل اعتماد ہے تو یہ بچہ اس کا رضائی بیٹا ہو جائے گا اور دودھ پلانے والی کے لڑکے کی شادی اسکی لڑکی سے جس کو دودھ پلانے کے متعلق یہ کہتی ہے، جائز نہیں ہے۔ شامی میں ہے :

فی محرمات الخانیة ان کان قبله والمخبر عدل ثقة لا یجوز النکاح

(جلد (۲) کتاب النکاح، باب الرضاع ، صفحہ: ۴۴۸، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی فتاوٰی قاضی خان میں جو محرمات کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس میں ہے کہ نکاح سے پہلے یہ خبر دی گئی

اور خبر دینے والا قابل اعتبار ہے تو نکاح جائز نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں نکاح جائز نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مجنونہ ! کی گواہی سے ثبوت رضاعت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک مجنونہ (پاگل) عورت ایک شیر خوار بچی کو گود میں لے کر کہیں چلی گئی۔ چند گھنٹے کے بعد واپس آئی۔ جب دریافت کیا کہ تو بچی کو لیکر اتنی دیر کہاں چلی گئی تھی یہ بھوک سے پریشان ہو گئی۔ مجنونہ نے جواب دیا کہ میں نے اس کو اپنی ماں سے دودھ پلایا ہے اور کھانا بھی کھلایا ہے۔ اس بات کا کسی نے بھی اعتبار نہیں کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ لڑکی جس نے مجنونہ کی ماں کا دودھ پیا ہے، دودھ پلانے والی کے لڑکے کے ساتھ مذکورہ بالا لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ صرف ایک بار پینے کا ذکر ہے۔ اور وہ بھی ایک مجنونہ کا قول ہے، دوسری کوئی گواہی نہیں اور مجنونہ کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔

سائل : محمد عبدالحق، کورنگی، کراچی

الجواب :

رضاعت کا ثبوت بھی اسی طرح دو گواہوں سے ہوتا ہے، جس طرح کہ مال کا ثبوت دو مرد گواہوں یا دو عورتوں اور ایک مرد کی گواہی سے ہوتا ہے۔ صورت مسئولہ میں صرف ایک مجنونہ عورت کی گواہی ہے، جو نا قابل قبول ہے۔ لہٰذا اس لڑکی کا نکاح، اس لڑکے سے جائز ہے۔

ماموں زاد رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ

میری والدہ صاحبہ نے میری ماموں زاد بہن کو دودھ پلایا اور دودھ صرف ایک مرتبہ پلایا۔ اب میرے والد اس لڑکی سے میرے بڑے بھائی کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ وضاحت کے ساتھ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب دیں کہ یہ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ اُسی طرح رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔ صورت مسئولہ میں، جس لڑکی نے آپ کی والدہ کا دودھ پیا ہے، وہ آپ سب بہن بھائیوں کی رضاعی بہن ہو گئی۔ رضاعی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

واخواتکم من الرّضاعة

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۲۳)

(اور تم پر حرام کر دی گئی ہیں) تمھاری رضاعی بہنیں۔

ایک مرتبہ دودھ پلانے سے بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ چاہے تھوڑا پیا ہو یا زیادہ۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نکاح نہیں ہو سکتا۔

خالہ زاد رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب! السلام علیکم

آپکی خدمت میں ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھ کو ٹھوس جواب دے کر میری پریشانی دور کر دیں گے۔

مسئلہ کچھ یوں ہے کہ میری امی نے میری شادی خالہ کی لڑکی سے طے کی ہوئی ہے اور خالہ کے لڑکے نے جو کہ لڑکی کا بڑا بھائی ہے میری ماں کا دودھ پیا ہے، تو ایسی صورت میں میری شادی میری خالہ کی لڑکی سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ شریعت کی رو سے جواب دیجئے۔ آپ کا ممنون ہوں گا۔

سائل: انجم

الجواب:

آپ کی خالہ کا وہ لڑکا جس نے آپ کی والدہ کا دودھ پیا ہے، صرف وہ آپ کے والدین کا رضاعی بیٹا ہو گیا۔ اس کی شادی اپنی رضاعی ماں کی کسی لڑکی سے نہیں ہو سکتی۔ اس لڑکے کے دوسرے بہن بھائی جنھوں نے دودھ نہیں پیا، ان سے رضاعت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ حسب سابق خالہ زاد بہن بھائی ہیں۔ لہٰذا ان کی شادی آپس میں جائز ہے۔

چچازاد رضاعی بہن سے نکاح ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

الاستفتاء:

جناب مفتی وقار الدین صاحب!

شیخ الحدیث و مفتی دار العلوم امجدیہ! کراچی

جناب عالی گذارش یہ ہے کہ میرا لڑکا، جسکی عمر جب تقریباً ڈیڑھ ماہ تھی، اس وقت میری طبعیت انتہائی ناساز ہوئی، جسکی وجہ سے میری بھاوج نے میرے بچے کو چند دن دودھ پلایا۔ اب جبکہ میرا لڑکا جوان ہو گیا ہے، میں نے اپنی بھاوج کی لڑکی سے اسی لڑکے کا نکاح کر دیا ہے۔ نکاح کرنے کے بعد میرے ذھن میں یہ بات آئی کہ میرے لڑکے نے میری بھاوج کا دودھ پیا تھا۔ لہٰذا اب جناب سے گذارش ہے کہ ہم کو اس سلسلے میں آپ اطمینان دلائیں جس پر ہم آپ کے بڑے ممنون ہوں گے۔

سائلہ: کوثر جہاں، کراچی

الجواب:

لڑکے کی والدہ اور لڑکی کی والدہ جس نے لڑکے کو دودھ پلایا تھا اور لڑکی کا والد سب دار العلوم امجدیہ کے دار الافتاء میں آئے اور سب نے حلفیہ بیان دیے کہ اسی لڑکے نے لڑکی کی والدہ کا دودھ پیا تھا۔ یہ نصابِ شہادت ہے۔ ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہیں۔ لہٰذا رضاعت ثابت ہے۔ رضاعی بہن سے نکاح باطل ہے۔ حدیث میں فرمایا۔ اس حدیث کو ابو الحسین امام مسلم بن حجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ نے اپنی صحیح مسلم میں نقل کیا ہے۔ نیز اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الشھادات اور کتاب النکاح، ابن ماجہ نے کتاب النکاح مؤطا امام مالک میں کتاب الرضاع میں بھی نقل کیا ہے:

یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب

(کتاب الرضاع، فصل یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، صفحہ: ۴۶۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی حرام ہے رضاعت سے جو حرام ہے نسب سے۔

اس لئے یہ نکاح فوراً فسخ کر دینا چاہیے۔ ابھی رخصتی نہیں ہوئی ہے، لڑکی کا نکاح جہاں چاہیں کر سکتے ہیں، اس میں عدت نہیں ہے۔

علاتی (باپ جائی) رضاعی بھائی کی بیٹی سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص کی دو بیویاں ہیں۔ اس کی ایک بیوی کا دودھ زید نے پیا۔ کافی عرصہ بعد اس کی دوسری بیوی کا دودھ خالد نے پیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کیا زید کی بیٹی کا نکاح خالد سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

سائل: محمد عبد الخالق، مظفر آباد

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید اور خالد آپس میں ایک دوسرے کے علاتی (باپ ایک، مائیں الگ الگ ہوں) رضاعی بھائی ہو گئے۔ للذا ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے رضاعی بھائی کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ جس طرح نسب میں سگے بھائی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعی بھائی کے بیٹے سے بھی نکاح حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب

(کتاب الرضاع، فصل یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب، صفحہ: ۴۶۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جو نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں۔

جب یہ دونوں عورتیں ایک ہی شخص کے نکاح میں ہیں تو ان میں سے ہر ایک عورت کا دودھ پینے والے، ان دونوں لڑکوں کے درمیان بھی حرمت رضاعت ثابت ہو گئی۔ صاحب ھدایہ شیخ الاسلام برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا:

لبن الفحل یتعلق به التحریم

(اولین، کتاب الرضاع، صفحہ: ۳۵۱، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی حرمت رضاعت کا تعلق اور سببِ حرمت شوہر ہے یعنی اس دودھ کا سبب شوہر ہی ہے۔

رضاعی خالہ زاد سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب!

زید نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے۔ آیا زید کی شادی اس کی خالہ زاد سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

سائل: محمد جاوید، گلشن اقبال، کراچی

الجواب :

زید نے جب اپنی نانی کا دودھ پیا، تو وہ اپنی ماں سمیت تمام ماموں اور خالاؤں کا رضاعی بھائی ہو گیا۔ اور ماموؤں اور خالاؤں کی تمام اولاد اس کے بھتیجے اور بھانجے ہیں۔ بھتیجی و بھانجی جس طرح نسب میں حرام ہیں اسی طرح رضاعت سے بھی حرام ہیں۔ حدیث میں ایسا ہی حکم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

رضاعی بہن کی سوتیلی بہن سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں نے اپنے بیٹے بشیر احمد کی منگنی اسکی ممانی حمیرہ زوجہ غلام محمد کی بیٹی سے کی۔ دو ماہ بعد پتہ چلا کہ بشیر احمد نے حمیرا بی بی کا دودھ پیا ہے۔ جس لڑکی کے ساتھ دودھ پیا ہے، اس کی شادی کسی اور سے ہو گئی ہے۔ لیکن اب ہم غلام محمد کی دوسری زوجہ یعنی عائشہ غلام محمد کی بیٹی سے بشیر احمد کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہمیں بتائیے کہ کیا یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ؟

سائل : محمد بخش، میانوالی، ° ب

الجواب :

بشیر احمد نے جب حمیرہ بی بی کا دودھ پیا تو حمیرہ بی بی اس کی رضاعی ماں اور اسکی تمام اولادیں دودھ پینے سے پہلے کی یا بعد کی اس کے شوہر سے یا دوسرے شوہر سے، سب بشیر احمد کے بھائی بہن ہو گئے۔ لہٰذا حمیرہ کی کسی لڑکی سے بشیر احمد کا نکاح نہیں کیا جا سکتا۔ غلام محمد حمیرہ کا شوہر، بشیر کا رضاعی باپ ہے، اسکی دوسری بیوی سے، جو لڑکی پیدا ہوئی، وہ بشیر کی باپ میں شریک رضاعی بہن ہے، اس سے بھی نکاح حرام ہے۔ جس طرح نسب سے باپ میں شریک یا ماں میں شریک یا دونوں میں شریک تینوں قسم کی بہنیں حرام ہیں۔ اسی طرح دودھ کے رشتہ سے بھی تینوں قسم کی بہنیں حرام ہیں۔ حدیث میں فرمایا :

یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب

(کتاب الرضاعت، فصل یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب ، صفحہ: ۴۶۷، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دادی کا دودھ پینے والوں کے آپس میں نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ہندہ نے اپنے دو حقیقی بیٹوں کی اولاد کو بچپن میں دودھ پلایا۔ دونوں میں سے ایک لڑکا اور دوسری لڑکی ہے۔ اور دودھ پلانے میں چھ سات برس کا وقفہ ہے۔ کیا ان دودھ شریک چچازاد کا نکاح آپس میں ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد یامین قادری

الجواب :

دادی نے اپنے جس پوتے پوتی کو دودھ پلایا ہے، یہ اسکے رضاعی بیٹے اور بیٹی بن گئے اور یہ دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن ہو گئے۔ جس طرح سگے بہن بھائی کا آپس میں نکاح حرام ہے۔ اسی طرح رضاعی بھائی اور بہن کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

والد کی رضاعی بھانجی سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

محترم مفتی صاحب !

السلام علیکم

ہمارے والد نے اپنی بہن کا دودھ پیا ہے۔ اب ہم اپنے بھائی کی شادی اپنی رضاعی دادی کی نواسی سے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: عبدالرشید، موسیٰ لین، کراچی

الجواب:

آپ کے والد نے اپنی جس بہن کا دودھ پیا ہے وہ آپ کے والد کی رضاعی والدہ اور آپ کی رضاعی دادی ہوئیں۔ آپ کی رضاعی دادی کی اولادیں چچا اور پھوپھی ہوئیں تو جس طرح نسبی چچا اور پھوپھی کی اولاد سے نکاح جائز ہے اسی طرح رضاعی چچا اور پھوپھی کی اولاد سے بھی نکاح جائز ہے۔

دودھ شریک کے علاوہ دوسرے بہن بھائیوں سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

زید نے اپنی ممانی کا دودھ پیا ہے اور جس بچی کے ساتھ پیا ہے، اس سے تو نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن کیا زید کا نکاح اسکی رضاعی ماں (ممانی) کی دوسری کسی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ کسی نے فتویٰ دیا ہے کہ جائز ہے۔ اس لئے بہن نے زید کی شادی بھائی کی دوسری بچی کے ساتھ کر دی ہے۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ وضاحت کریں کہ کیا شرعی نقطہ نظر سے یہ شادی جائز ہے یا نہیں؟

سائل: ڈاکٹر محمد شفیع القدر وارثی

الجواب:

جس لڑکے نے اپنی ممانی کا دودھ پیا ہے، اس ماموں اور ممانی کی تمام اولاد دودھ پلانے سے پہلے کی ہوں یا بعد کی، اس شوہر سے ہوں یا دوسرے شوہر سے، وہ سب اس دودھ پینے والے لڑکے کیلئے رضاعی بھائی، بہن ہو گئے۔ ان کی کسی لڑکی کی شادی زید سے نہیں ہو سکتی۔ زید کے دوسرے بہن بھائی جنھوں نے اس ممانی کا دودھ نہیں پیا ہے، اس سے رضاعت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ پہلے کی طرح پھپھیرے ممیرے بہن بھائی ہیں۔ ان کے نکاح آپس میں جائز ہیں۔

رضاعی ماموں سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میرے بھائی کے لڑکے اور میری بہن کی لڑکی دونوں نے میری ماں کا دودھ پیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا نکاح تو ناجائز ہے۔ لیکن کیا بہن کی دوسری لڑکی سے بھائی کے لڑکے کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

سائل: شبیر، کھارادر، کراچی

الجواب:

آپ کے بھائی کے جس لڑکے نے آپ کی ماں کا دودھ پیا ہے، یہ لڑکا اسکا رضاعی بیٹا ہو گیا۔ اور اس دودھ پلانے والی کی تمام اولاد اسکے رضاعی بہن بھائی ہو گئے۔ اور یہ دودھ پینے والا اپنی پھوپھی کی بیٹی اور بیٹیوں کا رضاعی ماموں ہو گیا۔ تو جس طرح سگی بھانجی سے نکاح حرام ہوتا ہے، اسی طرح رضاعی رشتہ کی بھانجی سے بھی نکاح حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے، اور اس حدیث کو استاد المحدثین ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے جامع الترمذی میں نقل کیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ من الرَّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَب

(جلد(۱) ابواب الرضاع، باب ما جاء یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، صفحه: ۱۳۶، فاروقی کتب خانه، ملتان)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیے رضاعت سے وہ (رشتے) جو حرام فرمادیے نسب سے۔

ہمارے والد نے اپنی بہن کا دودھ پیا ہے۔ اب ہم اپنے بھائی کی شادی اپنی رضاعی دادی کی نواسی سے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: عبدالرشید، موسیٰ لین، کراچی

الجواب:

آپ کے والد نے اپنی جس بہن کا دودھ پیا ہے وہ آپ کے والد کی رضاعی والدہ اور آپ کی رضاعی دادی ہوئیں۔ آپ کی رضاعی دادی کی اولادیں چچا اور پھوپھی ہوئیں تو جس طرح نسبی چچا اور پھوپھی کی اولاد سے نکاح جائز ہے اسی طرح رضاعی چچا اور پھوپھی کی اولاد سے بھی نکاح جائز ہے۔

دودھ شریک کے علاوہ دوسرے بہن بھائیوں سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

زید نے اپنی ممانی کا دودھ پیا ہے اور جس بچی کے ساتھ پیا ہے، اس سے تو نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن کیا زید کا نکاح اسکی رضاعی ماں (ممانی) کی دوسری کسی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ کسی نے فتویٰ دیا ہے کہ جائز ہے۔ اس لئے بہن نے زید کی شادی بھائی کی دوسری بچی کے ساتھ کر دی ہے۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ وضاحت کریں کہ کیا شرعی نقطہ نظر سے یہ شادی جائز ہے یا نہیں؟

سائل: ڈاکٹر محمد شفیع القدر وارثی

الجواب:

جس لڑکے نے اپنی ممانی کا دودھ پیا ہے، اس ماموں اور ممانی کی تمام اولاد دودھ پلانے سے پہلے کی ہوں یا بعد کی، اس شوہر سے ہوں یا دوسرے شوہر سے، وہ سب اس دودھ پینے والے لڑکے کیلئے رضاعی بھائی، بہن ہو گئے۔ ان کی کسی لڑکی کی شادی زید سے نہیں ہو سکتی۔ زید کے دوسرے بہن بھائی جنھوں نے اس ممانی کا دودھ نہیں پیا ہے، اس سے رضاعت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ پہلے کی طرح پھپھیرے ممیرے بہن بھائی ہیں۔ ان کے نکاح آپس میں جائز ہیں۔

رضاعی ماموں سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میرے بھائی کے لڑکے اور میری بہن کی لڑکی دونوں نے میری ماں کا دودھ پیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا نکاح تو نا جائز ہے۔ لیکن کیا بہن کی دوسری لڑکی سے بھائی کے لڑکے کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : شبیر، کھارادر، کراچی

الجواب :

آپ کے بھائی کے جس لڑکے نے آپ کی ماں کا دودھ پیا ہے، یہ لڑکا اسکا رضاعی بیٹا ہو گیا۔ اور اس دودھ پلانے والی کی تمام اولاد اسکے رضاعی بہن بھائی ہو گئے۔ اور یہ دودھ پینے والا اپنی پھوپھی کی بیٹی اور بیٹوں کا رضاعی ماموں ہو گیا۔ تو جس طرح سگی بھانجی سے نکاح حرام ہوتا ہے، اسی طرح رضاعی رشتہ کی بھانجی سے بھی نکاح حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے، اور اس حدیث کو استاذ المحدثین ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے جامع الترمذی میں نقل کیا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ منَ الرَّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ

(جلد(۱) ابواب الرضاع، باب ما جاء یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب، صفحہ: ۱۳۶، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیئے رضاعت سے وہ (رشتے) جو حرام فرمادیئے نسب سے۔

بچے کو طویل وقفہ کے بعد دودھ پلانا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک عورت اپنے شیر خوار بچے کو ۲۴ گھنٹے دودھ نہیں پلاتی ، تو کیا اس بچے کیلئے ،ماں کا دودھ حرام ہو جاتا ہے ؟

سائل : محمد ادریس ،بلدیہ ٹاؤن، کراچی

الجواب :

چوبیس گھنٹے بچے کو دودھ نہ پلانے سے اس عورت کا دودھ بچے کیلئے حرام نہیں ہو جاتا، وہ دودھ حلال رہتا ہے۔ لہٰذا وہ بچے کو دودھ پلا سکتی ہے۔

شوہر کا بیوی کو خون دینا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کیا مرد اپنی بیوی کو خون دے سکتا ہے ؟ اس حالت میں جبکہ ڈاکٹری ٹیسٹ میں صرف خاوند ہی کا خون ملتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : محمد مسعود

الجواب :

اگر شوہر اپنی بیوی کو خون دے دے تو اس سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

نوٹ : انتقال خون سے متعلق حکم وقار الفتاوٰی جلد اول "حرام" کی بحث میں دیکھئے۔ (مرتب)

واللہ تعالیٰ اعلم

بھانجے کی رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں اپنے لڑکے کی شادی اپنے بڑے بھائی کی لڑکی سے کرنا چاہتا ہوں۔ ان دونوں میں تو رضاعت کا کوئی رشتہ نہیں لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میرے نواسے نے اپنی نانی کا دودھ پیا اپنی خالہ کے ساتھ اور اسی نواسے نے بڑے بھائی کی بیوی کا بھی دودھ پی لیا ہے۔ اس طرح اس نواسے نے نانی اور دادی دونوں کا دودھ پی لیا ہے۔ تو کیا اس کے دودھ پینے کی وجہ سے میرے لڑکے کی شادی بھائی کی لڑکی کے ساتھ کرنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد زمان، ضلع مانسہرہ، سرحد

الجواب :

صورت مسئولہ میں آپ کے لڑکے کی شادی آپ کے بھائی کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے۔ آپ کے نواسے کا اپنی نانی اور آپ کی بھابھی کا دودھ پینے سے ان دونوں کی شادی میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ جن کے بارے میں آپ نے سوال کیا جبکہ ان دونوں میں سے کسی نے دودھ نہ پیا ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بہن کی رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک لڑکی جس نے اپنی ممانی کا دودھ پیا ہے، اس لڑکی کا بھائی ممانی کی بیٹیوں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

سائل : عبدالشکور ولد عبدالغفور، بہادر آباد، کراچی

الجواب :

جس لڑکی نے ممانی کا دودھ پیا وہ ممانی کی رضاعی بیٹی ہو گئی۔ اور ممانی کی تمام اولاد اس کی رضاعی بہن ہے۔ اس کا نکاح ممانی کے کسی لڑکے سے نہیں ہو سکتا۔ اس لڑکی کے دوسرے بہن بھائی جنہوں نے ممانی کا دودھ نہیں پیا ہے، ان سے رضاعت کا رشتہ ثابت نہیں ہوا۔ ان کی ممانی کی تمام اولاد سے شادی جائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں دودھ پینے والی لڑکی کے بھائی کی شادی ممانی کی سب لڑکیوں سے جائز ہے۔

بیوی کا دودھ پینے والے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کے یہاں بیٹا پیدا ہوا، بچہ اپنی ماں کا دودھ پیتا تھا۔ کچھ روز بعد زید نے بچے کو ماں کا دودھ پلانا چھڑوادیا۔ اور ڈبے کا دودھ پلانا شروع کر دیا۔ زید نے خود اپنی بیوی کا دودھ پینا شروع کر دیا، جس طرح بچہ پیتا ہے۔ زید کے اس عمل اور اس کے نکاح کے بارے میں حکم شرع سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب :

نکاح کی حرمت اس صورت میں ہوتی ہے، جب دودھ پینے والے کی عمر ڈھائی سال سے کم ہو، اور جب ڈھائی سال سے زیادہ ہو جائے تو دودھ پلانا اس وقت ناجائز ہوتا ہے۔ لہٰذا شوہر کا یہ فعل گناہ ہے، اسے اس فعل سے باز رہنا چاہیے۔ مگر اس فعل کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

ماموں زاد رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میرے ماموں نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کی ہیں۔ پہلی والی ممانی کا میں نے دودھ پیا ہے۔ کیا دوسری ممانی کی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جس طرح پہلی ممانی کی لڑکی سے نکاح حرام ہے، اسی طرح دوسری ممانی کی لڑکی سے بھی نکاح حرام ہے۔ اس لئے کہ دوسری ممانی کی لڑکی بھی اس کی رضاعی بہن ہے۔ رضاعت میں شوہر کا اعتبار ہوتا ہے۔ پہلی ممانی کا دودھ پینے کی وجہ سے ماموں اس کا رضاعی باپ ہے۔ اور دوسری ممانی کی لڑکی رضاعی باپ کی بیٹی ہے تو یہ لڑکی رضاعی باپ میں شریک ہوئی۔ جس طرح نسب میں تینوں بہنیں یعنی حقیقی بہن، باپ میں شریک بہن اور ماں میں شریک بہن حرام ہیں اسی طرح رضاعت میں بھی تینوں قسم کی بہنوں سے نکاح حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ولبن الفحل متعلق به التحريم

(اولین، کتاب الرضاع، صفحہ: ۳۵۱، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

یعنی حرمت رضاعت کا تعلق اور سببِ حرمت شوہر ہے یعنی اس دودھ کا سبب شوہر ہی ہے۔

لہٰذا سوتیلی رضاعی بہن سے بھی نکاح نہیں کیا جا سکتا۔

نکاح کا بیان

نکاح سے پہلے کلمہ شریف پڑھانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کیا نکاح صحیح ہونے کیلیے، نکاح سے پہلے کلمہ شریف پڑھانا ضروری ہے یا نہیں ؟

سائل : عبدالرزاق قادری، حیدرآباد

الجواب :

نکاح صحیح ہونے کیلیے یہ شرط نہیں ہے کہ کلمہ بھی پڑھایا جائے۔ لیکن آج کل زبان آزاد ہے اور جو منہ میں آتا ہے انسان بول دیتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کلمہ اور استغفار پڑھا دیا جائے۔ لیکن بغیر پڑھائے بھی نکاح ہو جاتا ہے

مسجد میں نکاح اور دنیاوی باتیں

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل کے بارے میں کہ :

آج کل مساجد میں نکاح کی تقاریب منعقد ہوتی ہیں۔ کیا شریعت کے لحاظ سے نکاح کا مسجد میں منعقد کیا جانا ضروری ہے ؟ یا اس تقریب کو کہیں بھی منعقد کیا جا سکتا ہے ؟

آج کل مساجد میں جو نکاح کی تقریب منعقد ہوتی ہے، اس میں شرکت کرنے والے مسلمان بھائی، بلند آواز کے ساتھ ایک دوسرے سے کاروباری اور مختلف دنیوی موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں اور مذاق بھی کرتے ہیں ،جس سے مساجد کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سلسلہ گفتگو خطبہ نکاح کے دوران بھی جاری رہتا ہے۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات شریعت مطہرہ کی روشنی میں مرحمت فرمائیں۔

(۱) مساجد کو بے حرمتی سے بچانے کیلئے اگر نکاح کی تقریب مساجد سے باہر منعقد کی جائے، تو کیسا ہے ؟

(۲) اگر مسجد میں نکاح کے دوران شرکاء ، مسجد کی بے حرمتی کے مرتکب ہوں ، تو کیا وہ گناہگار ہوں گے اور اگر ایسا ہے تو ان لوگوں کے گناہ کا وبال اس شخص کے سر بھی ہوگا ، جس نے نکاح کی تقریب مسجد میں منعقد کی ؟

سوالات کا مفصل جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

سائل : محمد عارف ، عبد الشکور ، بہاؤالدین منڈی ، پنجاب

الجواب :

(۱) مسجد میں نکاح کی تقریب منعقد کرنا ضروری نہیں ، مستحب ہے۔ شادی ہال یا گھر میں بھی تقریب نکاح منعقد کی جا سکتی ہے۔

(۲) مسجد کے آداب کے خلاف کرنے والے گناہ گار ہوں گے۔ لیکن شرکاء کی ناجائز باتوں کی وجہ سے مسجد میں نکاح کرنے کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ لوگوں کو ناجائز باتوں سے روکا جائے گا۔

بد عقیدہ قاضی سے نکاح پڑھوانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ :

سنی صحیح العقیدہ مسلک اہل سنت وجماعت سے تعلق رکھنے والے لڑکے اور لڑکی کا نکاح کسی دیوبندی، وہابی، نجدی قاضی نے پڑھایا۔ مختار مذھب کے مطابق یہ نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟ بالفرض اگر یہ نکاح صحیح نہ ہو، تو کیا کسی صحیح العقیدہ سنی قاضی سے دوبارہ پڑھوانا ہوگا؟ جواب بالصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

سائل : ابوالزاھد عبدالمصطفیٰ، مری

الجواب :

جو وہابی، نجدی وغیرہ ان توہین آمیز عبارات کو نہیں جانتے ہیں، جن کی وجہ سے، ان عبارات کے لکھنے والوں پر حکم کفر دیا گیا ہے، ایسے قاضی سے نکاح پڑھوایا، جب تو اس نکاح میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اور اگر یہ نکاح پڑھانے والا ان عبارات کو جانتا ہے اور پھر بھی ان کے لکھنے والوں کو مسلمان جانتا ہے تو یہ بھی کافر ہو جائے گا لیکن نکاح پھر بھی صحیح ہوگا۔ اس لئے کہ مرتد کو وکیل بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگرچہ اچھا نہیں ہے کہ کسی ایسے شخص کا کہ جسکے عقیدے میں خرابی ہے احترام کیا جائے اور اس سے نکاح پڑھوایا جائے۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاوی عالمگیری میں لکھا :

وتجوز وكالة المرتد بان وكل مسلم مرتدا وكذا لو كان مسلما وقت التوكيل ثم ارتد فهو على وكالته الا ان يلحق بدار الحرب فتبطل وكالته كذا فى البدائع

(جلد(۳) كتاب الوكالة، الباب الاول، صفحه: ۵۶۳، مكتبه رشيديه ، كوئٹه)

یعنی مرتد کی وکالت جائز ہے کہ جب مسلمان نے مرتد کو وکیل بنایا اور اسی طرح اگر وہ شخص وکالت کے وقت مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا تو بھی وہ اپنی وکالت پر بر قرار رہے گا مگر جب وہ دار الحرب چلا جائے تو اسکی وکالت باطل ہو جائے گی اسی طرح بدائع صنائع میں بھی ہے۔

نکاح حرہ (آزاد عورت) میں اسکے اذن اور عدم اذن کا حکم

الاستفتاء :

میں، محمد اقبال نے تقریباً ڈیڑھ سال قبل اپنے بیٹے محمد الطاف کیلئے مکھن خان ولد محمد ایوب کی بیٹی شاہدہ پروین کا رشتہ مانگا، جس کو مکھن خان نے بخوشی تسلیم کیا اور توثیق نکاح کیلئے میں باقاعدہ جرگہ لیکر گیا، جس میں کافی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ اور روبرو مسلمان گواہان کے سنت نبوی کے مطابق باقاعدہ نکاح ہوا۔ مولوی صاحب نے مکھن خان کو کہا "اس طرح تو نے اپنی بیٹی شاہدہ سب شرائط کے ساتھ محمد اقبال کے بیٹے محمد الطاف کو دیدی"۔ اقبال نے کہا کہ میں نے اپنی بیٹی کیلئے الطاف کو قبول کیا۔ اس طرح باقاعدہ نکاح ہوا۔ اب ڈیڑھ سال بعد محمد مکھن خان نے انکار کر دیا۔ جواب طلب یہ ہے کہ آیا نکاح جسکو فقہاء نے اس انداز میں بیان کیا ہے "النکاح ینعقد بایجاب و قبول و بحضور الشاہدین" یعنی نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول سے منعقد ہو جاتا ہے۔ تو آیا لڑکی بغیر طلاق یا اجازت کے کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے ؟ اگر کر سکتی ہے تو کس رو سے ؟

سائل : محمد صدیق، کریم آباد، کراچی

الجواب :

سوال میں یہ لکھا ہے کہ لڑکی کے باپ مکھن خان سے مولوی صاحب نے کہا کہ "تو نے اپنی بیٹی شاہدہ کو سب شرائط کے ساتھ محمد اقبال کے بیٹے الطاف کو دیدی" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کے باپ سے ایجاب کروایا گیا ہے۔ بالغہ لڑکی کا ایجاب وہ خود کرے گی یا اسکا وکیل۔ ولی یا اجنبی کو کسی بالغہ، عاقلہ کی طرف سے ایجاب کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس طرح یہ نکاح فضولی ہوا۔ نکاح فضولی کا حکم یہ ہے کہ "اس نکاح کے بعد جب لڑکی کو خبر دی جائے کہ تیرا نکاح تیرے باپ نے کر دیا ہے اور وہ اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے تو یہ نکاح جائز

ہو جاتا ہے۔اور رضامندی کا اظہار نہ کرے تو نکاح فسخ ہو جاتا ہے''۔اگر باپ نے لڑکی سے پہلے وکالت حاصل کی تھی تو اس وکالت کا ثبوت لڑکی کے اقرار یا گواہوں سے ہو جائے گا، تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔اب جو صورت ہوگی، اسکا حکم ویسا ہی ہوگا کہ اگر پہلا نکاح صحیح ہو گیا تھا تو دوسرا نکاح باطل ہے اگر پہلا نکاح باطل ہے تو دوسرا نکاح صحیح ہے۔

لڑکی کیلئے اپنی پسند کی شادی کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک نوجوان لڑکی اپنے دوست لڑکے کے ساتھ فرار ہو گئی۔عرصہ پانچ ماہ سے وہ اسکے ساتھ رہ رہی ہے۔اس لڑکی نے اپنے ماں باپ سے صاف کہہ دیا کہ ''میں نے اس سے نکاح کر لیا ہے۔اگر مجھے ہائی کورٹ میں بھی جانا پڑا تو میں عدالت میں کہہ دوں گی کہ میں نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا ہے اور اس کے ساتھ رہوں گی''اس کے والدین اس سے کبھی کبھی ملتے بھی ہیں۔کیا ماں باپ کی بغیر اجازت اور رضامندی کے شرع محمدی میں یہ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد ایوب الرحمان اوکاڑوی، خطیب جامع مسجد صابری، سعید آباد، کراچی

الجواب :

لڑکی کا نکاح اس کے علم اور اجازت سے ہی ہوتا ہے۔لہٰذا وہ اپنی مرضی سے اگر کسی شخص سے گواہوں کے سامنے نکاح کرتی ہے، تو اسکے جائز ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ جس سے وہ نکاح کر رہی ہے، وہ قومیت، مال و دولت اور دینداری میں اس کے برابر ہو۔اگر اپنے سے کم مرتبہ والے سے شادی کرے گی تو پہلے باپ کی اجازت لینا ضروری ہے۔ صحیح مذہب میں بغیر اجازت ولی جو لڑکی اپنے سے کم درجے کے آدمی سے نکاح کرے گی وہ نکاح باطل ہے۔اور کم درجے کا نہیں تو جائز ہے مگر ماں باپ کی عدم رضامندی سے نکاح کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

بالغہ کا والدین کی مرضی کے بغیر نکاح

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :
میں نے اپنے لڑکے کا رشتہ محمد اشرف کی لڑکی سے طے کیا۔ برادری کے متفقہ فیصلے کے مطابق برادری کے سامنے محمد اشرف نے اپنی لڑکی زاہدہ کی اجازت دی کہ میں نے محمد عارف ولد محمد خان کو اپنی لڑکی دے دی۔ لیکن اب لڑکی کا تایا اس رشتہ میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ وہ کسی دوسرے شخص سے زاہدہ کا نکاح کروانا چاہتا ہے جبکہ لڑکی کے والدین اب بھی یہ رشتہ ہمیں دینے کیلئے تیار ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ نکاح والدین کی مرضی کے خلاف ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : محمد خان، باتھ آئی لینڈ

الجواب :

سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ لڑکی کی عمر سولہ سال ہے، تو لڑکی بالغہ ہے۔ بالغہ کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ لہٰذا لڑکی جس جگہ نکاح کرنے پر راضی ہو گئی، اس جگہ نکاح کیا جائے گا۔ مگر باپ نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کیلئے لڑکی کو سمجھا کر اسی جگہ شادی کرنے پر راضی کرنا چاہیئے اور تایا کو باپ کی موجودگی میں کوئی حق حاصل نہیں ہے، اس لئے اسے معاملے میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔

نکاح بالغہ میں اسکی مرضی کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :
عاقلہ بالغہ لڑکی کی رضامندی کے بغیر نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں ؟ اگر نکاح منعقد ہو گیا تو لڑکی کے انکار پر قائم بھی رہا یا ٹوٹ گیا ؟ اگر نکاح منعقد ہی نہیں ہوا یا منعقد تو ہوا مگر لڑکی کے انکار پر ٹوٹ گیا اور ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ لڑکے نے لڑکی کو اپنی بیوی جان کر صحبت کی تو یہ گناہ میں شمار ہو گا یا نہیں ؟ گناہ کی صورت میں لڑکے

پر کیا سزا واجب ہو گی یا مھر مقرر واجب ہو گا ؟اب لڑکی کا والد طلاق اور حق مھر کا مطالبہ کرتا ہے، جو کہ چالیس ہزار روپیہ ہے، جبکہ لڑکے کا والد بھی فوت ہو گیا ہے۔

سائل : عبد الغفور، لیاری، کراچی

الجواب :

کسی بالغہ لڑکی کا نکاح اسکی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے۔ صاحب ھدایہ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا :

لا یجوز للولی اجبار البکر البالغة علی النکاح

(اولین ، کتاب النکاح ، باب فی الاولیاء والاکفاء، صفحه : ۳۱۴، مکتبه شرکت علمیه، ملتان)

یعنی ولی کیلئے بالغہ باکرہ کو نکاح پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ یعنی بالغہ باکرہ عورت کا نکاح ولی زبردستی بغیر اجازت نہیں کر سکتا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جو لکھا ہے، اگر وہ صحیح ہے تو اس لڑکی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تھا، اگر پہلے اس نے انکار کر دیا تھا، جب تو ظاھر ہے۔ اور اگر پہلے انکار نہ کیا تھا، جب بھی باپ کا اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح منعقد کروانا نکاح فضولی تھا۔ نکاح فضولی اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔ جب لڑکی کو بتایا گیا اور اس نے انکار کر دیا تو وہ نکاح ختم ہو گیا۔ اسکے بعد شوہر کے گھر بھیج دینا اور شوہر کا اس سے وطی کرنا حرام اور ظلم ہوا۔ مگر وطی ہونے کے بعد اس پر عدت واجب ہو جائے گی۔ عدت کے بعد یہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے کفو میں نکاح کر سکتی ہے، اور غیر کفو میں ولی کی اجازت سے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

بالغہ کا نکاح اور والدین کی ذمہ داری

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

اگر کوئی لڑکی والدین کے بے حد کوشش کے باوجود شادی سے انکار کرتی ہے۔ جبکہ وہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہے اور اسلامیات میں ایم اے کیا ہے۔ انکار کیلئے جو جواز پیش کرتی ہے وہ یہ ہے کہ "فی زمانہ لوگوں کی ذریعہ آمدنی حلال نہیں ہے اور میں کسی طرح بھی حرام کا لقمہ نہیں کھا سکتی۔ اب اسکے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور والدہ حیات ہیں ۔ان کی یہ کوشش ہے کہ لڑکی عقد کیلئے راضی ہو جائے تاکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکامات کے پیش نظر ہم اپنے فرض سے § وش ہو جائیں۔ آپ سے یہ وضاحت چاہیئے کہ اگر لڑکی شادی نہیں کرتی تو والدین کو قیامت کے دن یا قبر میں کسی قسم کی جواب دہی یا سزا تو نہ ہو گی ؟

سائل : سید محمد علی، شاہ B کالونی، کراچی

الجواب :

بالغہ لڑکی پر کسی کو نکاح کے معاملے میں جبر کرنے کا حق حاصل نہیں رہتا ہے۔ اس کو سمجھا بجھا کر شادی کیلئے آمادہ کیا جائے۔ اگر وہ مان لے تو اسے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنے اور والدین کی فرمانبرداری کا ثواب مل جائے گا اور اس فتنہ کے دور میں غیر شادی شدہ لڑکی کا گناہ میں واقع ہونے سے حفاظت بھی ہو جائے گی۔ اگر سمجھانے پر بھی نہ مانے تو والدین پر کوئی گناہ نہیں ؟

نابالغ اور نابالغہ کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب ! السلام علیکم

بعد سلام عرض ہے کہ زید کی لڑکی، جس کی عمر نو سال ہے اور بکر کا لڑکا، جس کی عمر ۱۳ سال ہے۔ کیا شرعی اعتبار سے ان دونوں کی شادی جائز ہے ؟

سائل : محمد دین پیٹی والا، بنارس کالونی منگا پیر روڈ، کراچی

الجواب :

نکاح کا حکم تو یہ ہے کہ بالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح، ان کی اجازت سے ہوگا۔ ان کی بغیر اجازت نہیں ہو سکتا۔ اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح، ان کے والد، دادا، بڑے بھائی اور چچا جو ولی ہوگا، اس کی اجازت سے ہو سکتا ہے۔ ولی کی اجازت کے بغیر نابالغ اپنا نکاح کرے تو نہیں ہو سکتا۔ بالغ ہونے کی علامتیں یہ ہیں کہ عورت کو حیض آجائے یا حمل قرار پاجائے تو وہ بالغ مانی جاتی ہے اور لڑکے کو احتلام ہو جائے، تو بالغ ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو پندرہ سال کی عمر میں دونوں بالغ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس لڑکے اور لڑکی میں اگر علامات بلوغ پائی گئی ہوں تو ان کی مرضی سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اور اگر علامات بلوغ نہیں پائی گئیں، تو جو ولی قریب تر ہوگا، اسکی اجازت سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اسکی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نابالغ کا بغیر ولی کے نکاح

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

دو بچیوں کی شادی ہوئی، جس میں ایک لڑکی بالغہ تھی جبکہ دوسری نابالغہ تھی۔ لڑکے اور لڑکی سے ایجاب و قبول کروایا گیا۔ جبکہ چھوٹی لڑکی اور لڑکے کے ایجاب و قبول کے وقت لڑکے کے والد موجود تھے اور نہ ہی لڑکی کے والد۔ چھوٹے لڑکے سے قبول کروایا گیا تو لڑکے نے انکار کر دیا اور چھوٹی لڑکی سے بھی ایجاب نہیں کروایا گیا۔ مگر نکاح خواں کہتا ہے کہ "نکاح ہو گیا" نکاح ہونے کے کچھ عرصہ بعد لڑکے کی بہن نے لڑکی والوں کو آکر بتایا کہ میرا بھائی کہتا ہے کہ میرا نکاح نہیں ہوا۔ اس لئے بالغ ہونے پر دوبارہ نکاح کرائیں گے۔ لڑکے کو فارم پر دستخط کرنے کیلئے قلم دیا گیا تھا تو لڑکے نے قلم لینے سے انکار کر دیا اور ہاتھ پیچھے کھینچ لیا تھا۔ لہٰذا معلوم کرنا ہے کہ شریعت محمدی کے تحت یہ نکاح ہوا یا نہیں اور اگر نکاح ہو گیا تھا تو لڑکے کے بعد میں انکار کرنے پر یہ نکاح قائم رہا یا نہیں؟

الجواب :

نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت سے ہی ہو سکتا ہے۔ بغیر اجازت ولی نابالغ کے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔ اگرچہ وہ نابالغ نکاح کی اجازت بھی دے دیں، جب بھی انکا نکاح باطل ہے۔ لہٰذا اگر واقعی ایسا ہی ہوا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا :

ویجوز نکاح الصغیر والصغیرۃ اذا زوجھما الولی بکرا کانت الصغیرۃ او ثیبا

(اولین، کتاب النکاح ، باب فی الاولیاء والاکفاء، صفحہ : ۳۱۶، مکتبہ شرکت علمیہ ، ملتان)

یعنی نابالغ لڑکے اور نابالغہ لڑکی کا نکاح جائز ہے جبکہ انکا نکاح انکے ولی نے کیا ہو۔ خواہ وہ نابالغہ باکرہ (کنواری) ہو یا ثیبہ (شادی شدہ)

بلوغ کے بعد فسخ نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ :

نابالغہ لڑکی کا نکاح اگر باپ یا دادا کر دیں، بعد میں اسکو اگر فسخ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

سائل : بندہ خدا

الجواب :

شریعت میں، باپ، دادا اگر نابالغہ لڑکی کا نکاح کروا دیں تو وہ لازم ہو جاتا ہے۔ لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اسکے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا :

فان زوجهما الاب او الجد يعني الصغير و الصغيرة فلا خيار لهما بعد بلوغهما

(اولين، كتاب النكاح ، باب في الاولياء والاكفاء، صفحه : ٣١٧، مكتبه شركت علميه ، ملتان)

یعنی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح جب باپ دادا نے کروادیا تو انھیں بالغ ہونے کے بعد (نکاح کو فسخ کرنے کا) اختیار نہیں رہتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مطلقہ کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

برائے کرم حسب ذیل مسائل پر فتویٰ صادر فرمایئے :

زید کی منکوحہ ہندہ سخت بیمار تھی۔ اس نے زید کو ترغیب دی کہ وہ اس کی سگی بہن زینب سے نکاح کرلے ۔ زید نے ہندہ کی زندگی میں ہی اس کو طلاق دے کر اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہی زینب سے نکاح کرلیا۔ زینب سے نکاح کے چھ ماہ بعد ہندہ کا انتقال ہوگیا۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ دیجئے کہ کیا زید کا نکاح زینب سے جائز ہے ؟ اگر زینب سے بچہ پیدا ہوا تو وہ ولد الحرام کہلائے گا یا نہیں ؟ اگر بچے کا عقیقہ کیا جائے تو صحیح ہے یا غلط ؟ اس بچے کے عقیقہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر زینب کا نکاح صحیح نہیں ہے تو چونکہ اب ہندہ مرچکی ہے، کیا اب دوبارہ نکاح کرلیا جائے ؟

سائل : مختار احمد، منگھو پیر کالونی، کراچی

الجواب :

زید کا اپنی بیوی کی سگی بہن سے بیوی کو طلاق دینے کے بعد عدت میں نکاح فاسد تھا۔اب دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔نکاح فاسد میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے،وہ ثابت النسب ہو جاتی ہے۔لہٰذا اس کا عقیقہ بھی صحیح ہے اور اس عقیقہ میں گوشت کھانا بھی جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم با h اب

متعلقاتِ نکاح

دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی کی رضامندی

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

ایک شخص نے ایک شادی کی ہے، اب وہ دوسری شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔ اگر اس کی پہلی بیوی اسے نکاح ثانی کی اجازت نہ دے تو شریعت کی رو سے وہ دوسرا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

سائل : سید عبدالقادر، جوڑیا بازار، کراچی

الجواب :

قرآن کریم نے آزاد مرد کو چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔

(سورۃ (۴) النساء، آیت : ۳)

اس میں پہلی بیوی کی رضامندی یا عدم رضامندی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ہاں یہ تاکید فرمائی ہے کہ جب چند بیویاں ہوں توان میں عدل کرے گا۔سب کے ساتھ یکساں برتاؤاور بود وباش رکھے گااور اگر برابری نہیں کرے گا تواس پر حدیثوں میں سخت وعیدیں ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دلال کے ذریعہ عورت خرید کر نکاح کرنا

الاستفتاء :

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ :

ہمارے ہاں ایک حاجی صاحب ہیں۔انھوں نے تربیلا ڈیم کے قرب وجوار میں چند حضرات سے واقفیت بنارکھی ہے،ان کا کام یہ ہے کہ شادی کے خواہشمند حضرات کے رشتے وغیرہ طے کرواتا۔لیکن وہ عورت قیمت لیکر دلواتے ہیں۔اور پیسے پوچھ لیتے ہیں کہ : تمھیں کتنی رقم تک کی عورت چاہیئے مثلاً دس ہزار،بیس ہزاریا پچاس ہزار۔پھر حاجی صاحب شادی کے خواہشمند کا شناختی کارڈاور نقدا ایک ہزار لیکر تربیلا ڈیم کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں وہاں کے واقف کارلوگوں کو شناختی کارڈاورایک ہزارروپیہ پہلی قسط دیکر ساتھ ہی ساتھ شادی کے خواہشمند آدمی کے ساتھ طے شدہ رقم بھی بتلادیتے ہیں مثلاً ہمیں بیس ہزار روپے تک کی عورت چاہیئے۔اس کے بعد وہاں کے لوگ عورت کی تلاش کرتے ہیں،عورت مل جانے پر حاجی صاحب کواطلاع دی جاتی ہے کہ آپ شادی کے خواہشمند آدمی کو ہمراہ لائیں اور عورت کولیجائیں۔اطلاع ملنے پر حاجی صاحب شادی کے خواہشمند آدمی کو ہمراہ لے کر وہاں جاتے ہیں اور رقم اداکرکے عورت اپنے ساتھ لے آتے ہیں۔

اب کوئی ثبوت نہیں کہ یہ عورت بیوہ ہے،خاوند زندہ ہے یا اغواہ شدہ ہے صرف اور صرف قیمت اداکی اور عورت حاصل کی،بعد میں اپنے گھر آکر نکاح کرلیا جاتا ہے۔

براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیل سے وضاحت فرمادیں کہ آیا شرعی احکام کی رو سے ان صاحب کا فعل جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : حاجی راجوی ولد عبدالمجید مرحوم،مکوٹ ڈاک خانہ ملوک براستہ سگھوی،ضلع جہلم

الجواب :

حرہ یعنی آزاد عورت محل بیع نہیں ہے کہ دور غلامی ختم ہو چکا ہے۔ عورت کے بھائی کیلئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن کا نکاح کرنے کیلئے شوہر سے یا اسکے والد سے کسی قسم کی رقم کا مطالبہ کرے جب بھائی کیلئے جائز نہیں ہے تو کسی اجنبی کیلئے تو یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا ہے :

لو خطب امراة فی بیت اخیها فابی الاخ الا ان یدفع الیه دراهم فدفع ثم تزوج کان للزوج ان یسترد ما دفع له

اور اسکے حاشیہ میں لکھا :

ای قائما او هالکا لانه رشوة

(جلد (۳) کتاب النکاح ، باب المهر ، صفحه:۱۸۶، مکتبه رشیدیه ، کوئٹه)

ترجمہ : اگر کسی خاتون کو اس کے بھائی کے گھر میں پیغام نکاح دیا گیا اور بھائی نے عقد دینے سے انکار کر دیا مگر یہ کہ اس کو کچھ رقم دی جائے تو بہنوئی کو حق ہے کہ اپنے (سالے) سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کرے۔

یعنی اگرچہ وہ رقم اسکے پاس رہی ہو یا ضائع ہو گئی ہو (وہ واپس کرنی ہے) کیونکہ وہ رشوت تھی۔

لہٰذا اس سلسلہ میں جتنی رقم لوگوں سے لی گئی ہے اسکا انھیں لوگوں کی طرف لوٹا دینا واجب ہے اور آئندہ اس مذموم فعل کو ترک کر دینا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرنی چاہیئے۔ اسلام میں اس طرح کے فعل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

عدم نکاح کی صورت میں مال دینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ :

زید نے اپنے لڑکے گوہر خان کا نکاح مسماۃ عزیزہ بیگم بنت شیر خان سے اس شرط پر کیا تھا کہ میں اپنی لڑکی

بی بی آمنہ کا نکاح بالغ ہونے کے بعد منور خان بن شیر خان سے کروں گا بصورت عدم ایفاء عہد مبلغ ۳۰۰۰ روپے ادا کروں گا، جسکی باقاعدہ تحریر موجود ہے اور میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں یہ حلفیہ بیان ہے یعنی اس میں کسی قسم کی کمی و زیادتی نہیں ہو گی۔ اب حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ عزیزہ بیگم کو طلاق ہو چکی ہے اور منور خان کا نکاح بھی دوسری جگہ ہو چکا ہے اور بی بی آمنہ بھی وہاں نکاح کرنے میں راضی نہیں۔ لہٰذا دوسری شرط مبلغ ۳۰۰۰ روپے کے متعلق زید پر ازروئے شرع کیا حکم ہے ؟

علاوہ ازیں زید نے عزیزہ بیگم کی شادی کے وقت عزیزہ بیگم کے والد شیر خان کو مبلغ ۶۰۰ روپے نقد، ڈیڑھ تولہ سونا اور مبلغ ۵۰۰ روپے کھانے وغیرہ کیلئے دیئے۔ اس شرط پر کہ بی بی آمنہ کے نکاح کے وقت یہ چیزیں شیر خان واپس کرے گا۔ تسلی بخش جواب سے مطمئن فرمائیں۔

الجواب :

بی بی آمنہ کا نکاح منور خان ولد شیر خان کے ساتھ نہ کرنے کی صورت میں تین ہزار روپے دینے کی شرط باطل ہے۔ اس لئے کہ مال، مال کے نقصان کے بدلے میں لازم ہوتا ہے۔ یہاں یہ صورت نہیں ہے تو اب اگر آمنہ بی بی کا نکاح مذکورہ شخص سے نہ کیا گیا تو مال دینا لازم نہیں ہو گا۔ یعنی زید پر تین ہزار روپے دینا لازم نہیں۔

عزیزہ بیگم کی شادی کے وقت جو مال دیا گیا تھا، اس کا لوٹانا اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ آمنہ بی بی کی شادی کے وقت لوٹایا جائے گا۔ جب آمنہ بی بی کی شادی منور خان ولد شیر خان سے نہ کی گئی تو شرط نہ پائی گئی۔ لہٰذا اس مال کا لوٹانا بھی واجب نہ ہو گا۔

عدم عمل زوجیت اور فسخ نکاح کا حکم

الاستفتاء :

محترم مفتی صاحب !

میری شادی میرے والدین نے بچپن میں ہی کر دی تھی۔ دو سال قبل رخصتی ہوئی۔ اسکے کچھ ہی عرصہ

بعد میری بیوی نے مجھ سے ناراضگی کے سبب خودکشی کی کوشش کی، جسے اللہ کے کرم سے بچالیا گیا۔ مگر اسکے اس عمل سے میری، میرے والدین اور میرے خاندان کی سخت تذلیل ہوئی۔ میں نے اپنی بیوی سے اپنی ناراضگی کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا کہ تقریباً دس ماہ تک اس سے کلام نہیں کیا اور نہ ہی حق زوجیت ادا کیا۔ مگر والدین کے سمجھانے پر میں نے اپنی روش چھوڑ دی۔

اب آپ سے سوال یہ ہے کہ میں نے دس ماہ تک جو حق زوجیت سے کنارہ کئے رکھا، کیا میرا یہ عمل کسی طرح بھی نکاح میں رکاوٹ کا سبب ہے؟ اور میرے نکاح میں کسی قسم کا فرق پیدا ہو گیا ہے۔ مجھے آپ سے رجوع کرنے کا خیال اس لئے آیا کہ پچھلے دنوں اخبار میں آیا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ فیصلہ جاری کیا ہے کہ مخصوص مدت کیلئے قیدیوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اگر تین ماہ تک کوئی شخص بلا عذر حق زوجیت ادا نہ کرے تو خود بخود اسکا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو میرے مسئلے پر روشنی ڈالئے۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں نکاح میں شرعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ اگر قسم کھا کر بیوی سے یہ کہا جاتا کہ "میں چار مہینے تک تمھارے قریب نہیں ہوں گا" تو اس صورت میں یہ "ایلاء" ہوتا۔ قرآن کریم میں ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ

(سورة (۲) البقرة، آیت: ۲۲۶)

ترجمہ: وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی انھیں چار مہینے کی مہلت ہے۔

جسکا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر، ان چار مہینوں میں کسی دن بھی قربت نہ کرے تو قسم کی یہ مدت پوری ہونے پر بیوی کو طلاق بائنہ ہو جاتی ہے۔ چونکہ صورت مسئولہ میں ایسا کوئی امر نہیں۔ لہٰذا نکاح باقی ہے۔ اس میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا۔ تین ماہ تک حق زوجیت ادا نہ کرنے کی صورت میں نکاح ٹوٹ جانے کی بات درست نہیں ہے۔

خنثٰی (ہیجڑے) کے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص نامرد ہے۔ اسے شادی کرنی چاہیئے یا نہیں؟ اور اگر شادی کرلی ہے تو کیا عورت پابند ہے کہ اسکے نکاح میں رہے یا طلاق لینے کا حق رکھتی ہے؟

الجواب :

شوہر جب اس قابل نہیں ہے کہ وہ جماع کر سکے، تو اسکا حکم یہ ہے کہ عورت قاضی کے پاس دعوی کرے تو قاضی شوہر سے دریافت کرے گا۔ اگر وہ اپنے نامرد ہونے کا اقرار کرے تو قاضی ایک سال کی مہلت دے دیگا کہ وہ اپنا علاج کرائے۔ اس ایک سال میں بیوی اسکے پاس رہے گی، اگر اس نے اس ایک سال میں جماع کر لیا تو عورت کا دعوی ساقط ہو جائے گا اور اگر جماع نہ کیا اور عورت جدائی کی خواستگار ہے تو قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے۔ اگر وہ طلاق دیدے تو اچھا ہے اور طلاق نہ دے تو قاضی تفریق کر دے گا۔ مگر تفریق کے مطالبے کا حق عاقلہ، بالغہ، آزاد لڑکی کو ہے۔ اسکے اولیاء کو یہ حق نہیں ہے۔ اگر لڑکی نابالغہ ہو جب بھی اسکے اولیاء کو حق نہ ہوگا، بلکہ لڑکی کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا ہے :

فرق الحاکم بطلبها لو حرة بالغة

اس پر شامی نے لکھا

فلو صغیرة انتظر بلوغها

(جلد (۲) کتاب الطلاق، باب العنین وغیرہ، صفحہ:۶۴۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اگر بالغہ عورت خلع کا مطالبہ کرے تو قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے گا بلکہ تفریق کروادے گا اور اگر نابالغہ ہے تو اسکے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائیگا۔

لہذا اگر لڑکی راضی ہے تو کوئی دوسرا تفریق نہیں کرواسکتا ہے لیکن حالات کو دیکھتے ہوئے لڑکے کے والدین لڑکے کو سمجھا کر طلاق دلوادیں تا کہ لڑکی دوسری شادی کر کے اپنی زندگی گذار سکے۔

زنا سے حاملہ کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے ایک غیر شادی شدہ لڑکی سے معاشقہ شروع کیا۔ ہر دو کے والدین نے دونوں کا طبعی میلان دیکھ کر انکی منگنی کر دی۔ منگنی کے بعد زید لڑکی کے گھر آتا جاتا رہا۔ لڑکی کے اہل خانہ نے شرعی پردے کو ملحوظ نہ رکھا، اسی دوران لڑکی زید سے حاملہ ہو گئی۔ لڑکی کی ماں کے علم میں یہ بات آئی تو اس نے زید کے والدین سے اس کو اخفاء رکھتے ہوئے، ان پر شادی کیلئے دباؤ اور زور ڈالا۔ زید کے والدین نے زید کی اسی لڑکی سے دھوم دھام سے شادی کر دی۔ مناکحت کو تین ماہ ہوئے ہیں اور لڑکی پورے دنوں سے ہے۔ اب قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا حکم ہے ؟ کیا نکاح درست تھا؟ پیدا ہونے والے اس بچہ کو زید اور اسکی منکوحہ کے پاس رہائش اور پرورش کا حق ہو گا ؟ مدلل جواب سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب :

زنا سے حاملہ عورت کا نکاح جائز ہے۔ اگر زانی سے ہی نکاح ہوا تو اسے وطی کرنا بھی جائز ہے اور اگر غیر زانی سے نکاح ہوا تو نکاح جائز ہے مگر پیدا ہونے والے بچے تک وہ وطی نہیں کر سکتا ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے درمختار میں لکھا :

صح نکاح حبلى من زنا لا حبلى من غيره اى الزنا وان حرم وطيها ودواعيه حتى تضع

اور آگے لکھا :

لو نكحها الزانى حل له وطيها اتفاقا

(بر حاشیہ شامی، جلد (۲) کتاب النکاح، مطلب مهم فى وطى السرارى، صفحہ : ۳۱۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی زنا سے حاملہ کا نکاح جائز ہے اگر غیر زانی سے ہوا تو وضع حمل تک وطی اور وطی کی طرف رغبت دلانے والی باتیں حرام ہیں۔ اور اگر خود زانی نے اس سے نکاح کر لیا تو وہ اس سے وطی بھی کر سکتا ہے۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

پیدا ہونے والا بچہ ولد الزنا ہوگا، اسکا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوگا، مگر جس ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا، اس کا بچہ تو بہر حال ہے۔ اس بچہ کی پرورش اور رہائش ماں کے ساتھ ہوگی۔

مطلقہ ممانی سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

جناب عالی مفتی صاحب!

عرض خدمت یہ ہے کہ کیا ازروئے شریعت سگے ماموں کی مطلقہ (طلاق شدہ) یعنی سابقہ ممانی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

سائل: یوسف خان، کراچی

الجواب:

ممانی سے طلاق یا ماموں کی موت کے بعد نکاح جائز ہے۔ قرآن کریم نے محرمات کو گنتی کرنے کے بعد فرمایا:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذَالِكُمْ

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۲۴)

یعنی جن کا حرام ہونا پہلے بیان کیا گیا، ان کے سوا تمھارے لئے حلال ہیں۔ اور محرمات میں ممانی کو شمار نہیں کیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نانا کے سگے بھتیجے سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ھندہ! کا نکاح اس کے سگے نانا کے سگے بھائی کے بیٹے سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حقیقی نانا کا بھائی نانا نہیں ہے۔ اور اس کے بیٹے حقیقی ماموں نہیں۔ لہٰذا ان سے نکاح جائز ہے۔ قرآن کریم میں محرمات کو بیان کر دینے کے بعد فرمایا:

وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذَالِکُمۡ

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۲۴)

یعنی تمھارے لئے ان محرمات کے علاوہ دوسری تمام عورتیں حلال ہیں۔

پھوپھی زاد کی بیٹی سے نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید کی ایک بھتیجی اور بھانجا آپس میں میاں بیوی ہیں۔ ان کی لڑکی سے زید کے لڑکے کی شادی جائز ہے یا نہیں؟

سائل: عادل محمود حسن قریشی، جیکب لائن، کراچی

الجواب :

زید کے لڑکے کی شادی اس کے بھانجے اور بھتیجی کی لڑکی سے جائز ہے۔ چچازاد اور پھوپھی زاد بہنوں سے نکاح جائز ہے۔ یہ لڑکی تو ان سے بھی نیچے ہے۔ قرآن کریم میں حرام عورتوں کو بیان کر کے فرمایا :

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰالِکُمْ

(سورۃ (۴) النساء، آیت : ۲۴)

اور ان محرمات کے سوا تمھارے لئے حرام ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

پھوپھی زاد بھائی کی بیٹی سے نکاح

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ :

میرے والدین میرا نکاح میرے پھوپھی زاد بھائی کی بیٹی سے کر دینا چاہتے ہیں جبکہ لڑکی کی ماں بھی میری دوسری پھوپھی کی بیٹی ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ "یہ لڑکی تمھاری بھتیجی ہے۔ لہٰذا اس سے تمھارا نکاح صحیح نہیں"۔ صحیح جواب سے سرفراز فرمائیں۔

سائل : محمود علی، لیاقت آباد

الجواب :

صورت مسئولہ میں جس لڑکی سے، والدین آپ کی شادی کروانا چاہتے ہیں یہ لڑکی آپ کیلئے محرمات میں سے نہیں ہے۔ قرآن کریم میں محرمات کا ذکر کئے جانے کے بعد فرمایا گیا :

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰالِکُمْ

(سورۃ (۴) النساء، آیت : ۲۴)

یعنی وہ محرمات جن کا ذکر ہوا ان کے علاوہ عورتیں تمھارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔

لہٰذا یہ شادی ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں پھوپھی کی بیٹی سے بھی شادی ہو سکتی ہے۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ یہ لڑکی آپ کے رشتہ کی سگی بھتیجی نہیں۔ ہاں سگی بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔

لڑکی کا رشتہ دینے پر لڑکے سے روپے لینے کا حکم

الاستفتاء :

علمائے دین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں ؟

ایک لڑکی اور لڑکے کی شادی کا بندوبست ہوا اور لڑکی کی عمر تقریباً ۲۰ سال ہے اور شادی پر لڑکی راضی ہے۔ اسکے باپ نے لڑکے سے ۳۰ ہزار روپیہ مانگا۔ اس نے ۳۰ ہزار دے دیا پھر بہانہ کیا کہ چالیس ہزار روپیہ چاہیئے۔ اس نے چالیس ہزار روپیہ بھی دے دیا۔ پھر بولا گھر بنوا دو، گھر بھی بنوا دیا اور ابھی اس سے مزید ۵۰ ہزار روپیہ لینا چاہتا ہے۔ شریعت میں یہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں لڑکی کے باپ کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی لڑکی سے نکاح کرنے کیلئے شوہر سے یا اسکے والد سے کسی قسم کی رقم کا مطالبہ کرے۔ اس سلسلہ میں جتنا روپیہ لیا ہے اسکو لوٹا دینا واجب ہے۔ علامہ شیخ زین الدین المعروف ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا :

لو خطب امرأة فی بیت اخیها فابی الاخ الا ان یدفع الیه دراهم فدفع ثم تزوج کان للزوج ان یسترد ما دفع له

اور اسکے حاشیہ میں تحریر فرمایا گیا ہے :

ای قائما او هالکا لانه رشوة

(جلد (۳) کتاب النکاح، باب المهر، صفحہ: ۱۸۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اگر کوئی عورت اپنے بھائی کے گھر میں ہے اور اسکو نکاح کا پیغام دیا گیا اور بھائی نے انکار کر دیا مگر یہ کہ اسکو کچھ رقم دی جائے (ہونے والے شوہر نے) رقم دی پھر نکاح ہوا شوہر کو حق ہے کہ وہ دی گئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ اس پر محشی نے لکھا۔ یعنی چاہے وہ رقم اسکے پاس باقی ہو یا ختم ہو گئی ہو (وہ واپس کرے گا) کیونکہ وہ رشوت ہے۔

غیر مسلم زوجین میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کے بعد نکاح کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک عیسائی عورت نسرین جسکی شادی ۱۹۸۰ء میں اسحاق گل مسیح سے ہوئی، جسکے چار بچے ہیں۔ مسماۃ نسرین اپنے خاوند کو بتلائے بغیر ایک مسلم شخص محمد صالح عرف سلیم کے ساتھ چلی گئی اور اپنے ساتھ ایک چار ماہ کی بچی بھی لے گئی۔ بعد میں نسرین نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا اور محمد صالح عرف سلیم نے عدالت کی اجازت پر نکاح کر لیا۔ مسلمان ہونے یا نکاح ثانی سے متعلق اسحاق گل کو قطعی بے خبر رکھا اور اب یہ دونوں سلیم اور نسرین میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے لگے۔ جناب سے گذارش ہے کہ درج بالا صورت پر اسلامی رو سے روشنی ڈالیں۔

گورنمنٹ کورٹ، پاکستان

الجواب:

کافر میاں بیوی سے اگر ایک مسلمان ہو جائے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ اور اسے مسلمان ہونے کی ترغیب دی جائے گی۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو وہ پہلے نکاح پر رہیں گے۔ جبکہ انکے مذہب کی بناء پر نکاح صحیح ہوا تھا اور اگر اسلام لانے سے انکار کر دے تو قاضی تفریق کر دے گا۔ اگر عورت مسلمان ہوئی تھی اور شوہر نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو قاضی کی تفریق ایک طلاق بائن کے حکم میں ہو گی۔ اگر دونوں میں نکاح کے بعد

مجامعت بھی پائی گئی تو عورت تین ماہواری عدت گذارنے کے بعد کسی مسلمان سے نکاح کر سکے گی اور اگر حاملہ ہو گی تو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکاح کر سکے گی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

واذا اسلم احد الزوجين المجوسيين او امرأة الكتابى عرض الاسلام على الاٰخر وان اسلم فبها وا لا با ن ابى او سكت فرق بينهما اس کے بعد لکھا۔ و التفريق بينهما طلاق ينقص العدد لو ابى لا لو ابت

اس پر علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا :

قال فى البحر واشار بالطلاق الى وجوب العدة عليها ان كان دخل بها

(جلد (۲) كتاب النكاح ، باب نكاح الكافر ، صفحه : ۴۲۲، مكتبه رشيديه ، كوئٹه)

یعنی مجوسی زوجین میں سے ایک مسلمان ہو جائے یا کتابی کی بیوی مسلمان ہو جائے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اسلام لے آئے تو اچھا ہے اور اگر انکار کرے یا خاموش رہے تو دونوں میں جدائی کر دی جائے گی اور ان دونوں کی جدائی اس صورت میں طلاق مانی جائے گی جب بیوی مسلمان ہوئی اور شوہر نے انکار کیا اور اگر بیوی نے انکار کیا اور شوہر مسلمان ہوا تو یہ تفریق طلاق نہیں ہو گی اس پر شامی میں ہے کہ بحر میں فرمایا کہ تفریق کو طلاق کہنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عدت واجب ہو جائے گی اگر صحبت ہو چکی تھی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی کا مسلمان ہونا تو صحیح تھا جب اس کے چند دن کے بعد شوہر نے مقدمہ دائر کر دیا تو اسکا مقصد یہ ہے کہ وہ مسلمان ہونے کو تیار ہے۔ نہیں تو بیوی کو جج کے پاس درخواست دیکر تفریق کروانا چاہیئے تھی جب تفریق ہو جاتی، اس کے بعد عدت گذارنے کے بعد کسی مسلمان سے نکاح کر سکتی تھی۔ یہاں تفریق کا حکم جج نے دیا نہ بیوی نے عدت گذاری بلکہ بیس بائیس دن کے بعد نکاح کر لیا۔ لہٰذا یہ نکاح باطل ہے۔ لیکن بیوی کا مسلمان ہونا صحیح ہے۔ اس لئے جج سے تفریق کا آرڈر کروانے کے بعد عدت گذار کر دوبارہ نکاح کرنا ہو گا۔

کافر سے مسلمان ہونے والے کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک عیسائی عورت اسلام لے آئی لیکن اسکا شوہر ابھی عیسائی ہے۔ تو کیا یہ عورت جو مسلمان ہو گئی ہے کسی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا حکیم امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہ نے بہار شریعت حصہ ہفتم، صفحہ ۲۲ پر مسئلہ لکھا ہے :

"مرد اور عورت کافر تھے دونوں مسلمان ہوئے تو وہی نکاح سابق باقی ہے۔ جدید نکاح کی حاجت نہیں اور اگر صرف مرد مسلمان ہوا تو عورت پر اسلام پیش کریں اگر مسلمان ہو گئی تو فبھا ورنہ تفریق کر دیں۔ یوں ہی اگر عورت مسلمان ہوئی تو مرد پر اسلام پیش کریں گے اگر تین حیض آنے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو نکاح باقی ہے ورنہ بعد کو جس سے چاہے نکاح کرے، کوئی اسے منع نہیں کر سکتا"۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر عورت نے مرد پر اسلام پیش نہیں کیا اور عورت کو تین حیض بھی آگئے اب کیا وہ عورت دوسری جگہ کسی مسلمان سے نکاح کر سکے گی یا نہیں ؟ جواب با صواب سے مشرف فرمائیں۔

سائل : محمد نور عالم، جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد

الجواب :

بہار شریعت میں جو مسئلہ لکھا ہے، وہ صحیح ہے۔ اگر مسلمان ہونے والی عورت سے مجامعت (صحبت) ہو چکی تھی تو اسکی عدت تین ماہواری ہو گی۔ جب بیوی مسلمان ہو جائے تو شوہر پر اسلام پیش کیا جائیگا جیسا کہ بہار شریعت میں لکھا ہے، جب وہ مسلمان ہونے سے انکار کر دے گا تو تفریق کی جائے گی اور تفریق کے بعد تین ماہواری عدت گذارنا ہو گی۔ تفریق سے پہلے کے حیض عدت میں شمار نہیں ہوں گے۔ عدت ختم ہونے کے بعد وہ عورت کسی مسلمان سے شادی کر سکے گی۔ اسلام کون پیش کرے گا ؟ یہ کام قاضی کا ہے۔ وہ شوہر کو طلب کر کے اسے بتائے گا کہ تیری بیوی مسلمان ہو گئی تو مسلمان ہو جائے گا تو یہ بیوی تیری زوجیت میں رہے گی۔ ورنہ جدائی کر دی جائے گی۔ لہٰذا اب قاضی نہ ہونے کی صورت میں عورت جج کے پاس درخواست دے، کہ وہ یہ کام کر دے۔

شادی شدہ عورت کا گھر سے غائب ہونا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل صورت حال کے بارے میں کہ :

ھندہ کا نکاح زید سے فقہ حنفی کی روشنی میں کر دیا گیا۔ لیکن ھندہ اپنے گھر میں مطمئن نہیں رہی شوہر اور ساس وغیرہ کی طرف سے جارحیت اور طعنہ و تشنیع ہوتی رہی اور جانبین کی طرف سے تعلقات کی بہتری کی کوششیں ہوتی رہیں لیکن بارآور ثابت نہ ہو سکیں۔ آخر کار ھندہ ان حالات سے تنگ آکر نامعلوم منزل کی طرف نکل گئی۔ اب ۱۴ سال کے عرصہ کے بعد وہ بذات خود ہی لوٹ آئی۔ اس سے استفسار کیا گیا کہ اتنا عرصہ وہ کہاں رہی ؟ تو اس نے بتایا کہ میں ریل میں سوار ہوئی اس نے پشاور پہنچادیا۔ چونکہ کسی خاص منزل کا تصور نہ تھا اور دماغی حالت بھی صحیح نہ تھی۔ للہذا پشاور اترنے پر قناعت کی۔ پشاور میں ایک تبلیغی جماعت کے گروہ نے مجھے اجنبی سمجھ کر پوچھا کہ کون ہو کہاں جاؤ گی ؟ چونکہ میں صحیح جواب نہ دے سکی للہذا ازراہ ہمدردی و مدد اپنے گروہ میں شامل کر لیا اور گھریلو کام سپرد کر دیا۔ یہ گھر پردہ دار تھا اور میرے ساتھ دو اور مستورات بھی خدمت پر معمور تھیں۔ خوراک اور کپڑوں کے علاوہ ۳۰۰ روپے ماہوار ملتے تھے۔

ایک روز میں بہت اداسی میں گریہ وزاری کر رہی تھی، میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ماں باپ بہت یاد آرہے ہیں، میں جانا چاہتی ہوں اگر نہیں ملیں گے تو واپس آجاؤں گی۔ جماعت کو سکھر تبلیغی دورے پر جانا تھا۔ للہذا انھوں نے میرے لئے بھی بذریعہ سڑک کراچی کا ٹکٹ لیا۔ جب سکھر آیا تو میں نے کہا کہ "یہاں میرے ماموں رہتے ہیں، میں بھی اتروں گی" تو انہوں نے جواب دیا کہ "ہم نے تمھارا ٹکٹ کراچی کا لیا ہے، تم کراچی جاؤ۔ اگر تمھارے ماں باپ مل جائیں تو اطلاع دے دینا"۔

کراچی اترنے پر وہ سب سے پہلے ماں باپ کے پتہ پر پہنچی، لیکن وہ اس جگہ کو چھوڑ چکے تھے پھر وہ شوہر کے پتہ پر گئی، وہ بھی جگہ چھوڑ چکا تھا، آخر کار میں اپنے دادا کے پتہ پر پہنچی۔ دادا کا معلوم کیا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ انتقال کر گئے ہیں۔ ان کے نواسے یہاں رہتے ہیں۔ آخر وہ ان سے ملی اور ایک دوسرے کو پہچان گئے۔ پھر دیگر سب رشتہ داروں سے ملاقات ہو گئی۔ ان حالات کے تحت جناب سے فتویٰ پوچھنا ہے کہ آیا یہ نکاح بغیر کسی فسق و فجور کے

قائم ہے یا طلاق واقع ہو گئی ہے۔

سائل :اقبال حسین ولد افضل حسین، کورنگی، کراچی

الجواب :

عورت !کا اس طرح شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے چلا جانا حرام ہے۔اور وہ عورت سخت گناہ گار ہے۔ مگر اس سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا۔ نکاح باقی ہے شوہر چاہے تو اسے رکھ سکتا ہے اور نہ رکھنا چاہے تو طلاق دے سکتا ہے مگر بغیر طلاق وہ عورت کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی۔ تعجب —— جماعت پر ہے۔اس واقعہ سے ان کے باطنی کردار کی قلعی کھل جاتی ہے کہ اجنبی عورت کو اتنے زمانے تک رکھا، جو کہ سخت گناہ ہے۔اور حدیثوں میں فرمایا کہ "جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں جمع ہو تا ہے تو تیسرا شیطان ہو تا ہے"۔

(ترمذی ، حصہ دوم ،ابواب الفتن ، باب فی لزوم الجماعة ، صفحہ: ۳۹، فاروقی کتب خانہ ، ملتان)

تبلیغیوں کی اس حرکت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کے —— دورے دھوکے کیلئے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

باندی سے بغیر نکاح مباشرت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ :

کنیز (لونڈی) کے ساتھ بغیر نکاح مباشرت (وطی) جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : عبدالرحمٰن، کورنگی، کراچی

الجواب :

جب اسلامی جہاد ہو تا تھا، اس میں جو کافر عورتیں قید کی جاتیں تھیں ان کو جہاد کرنے والوں میں تقسیم

کردیا جاتا تھا، وہ ان کے مالک ہو جاتے تھے۔ ان سے بغیر نکاح وطی کرنا جائز تھا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اس کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلاَّ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۳)

پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو۔ (کنزالایمان)

نکاح میں بیوی پر شوہر کو ذات کی ملکیت حاصل نہ تھی، صرف منفعت کی ملکیت حاصل تھی، اسلئے اس سے صحبت جائز تھی باندیوں پر باندیوں کی ذات پر بھی ملکیت ان کے مولا (مالک) کو حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا الطریق اولیٰ ان سے صحبت جائز ہے۔ اب زمانہ دراز سے جہاد اسلامی دنیا میں نہیں ہے۔ لہٰذا باندی اور غلام بھی نہیں ہیں۔ اب بعض عرب ممالک میں بعض عورتوں کو باندی کہہ کر فروخت کیا جاتا ہے، وہ بھگائی ہوئی عورتیں ہوتی ہیں۔ ان کو خریدنا اور ان سے وطی کرنا ناجائز ہے۔

شادی بیاہ اور فضول خرچی

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اسلام نے غیر شادی شدہ شخص کے بارے میں کیا حل پیش کیا ہے کہ وہ اپنی جنسی خواہش کو کس طرح پورا کرے کہ گناہ نہ ہو۔ قرآن کریم میں ہے کہ :

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلاَّ عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذَالِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ

(سورۃ (۲۳) المومنون، آیات : ۷،۶،۵)

اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر، جو انکے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) یہ کہ اپنی ازواج کے پاس آدمی جب جائے گا تو اس سے گناہ لازم نہیں آئے گا۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر شرعی لونڈیوں کے پاس جائے گا تو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

اس سے ہٹ کر تمام طریقے ناجائز ہیں۔ مثلاً

(۱) ہاتھ سے اپنی حاجت کو پورا کرنا (۲) لواطت کرنا (۳) زنا کرنا۔

یہ وہ ذرائع ہیں، جن سے انسان اپنی خواہش کو پورا کر سکتا ہے لیکن یہ تمام ذرائع حرام ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''جو استطاعت رکھے وہ نکاح کرے اور جو نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے'' تو اب سوال یہ ہے کہ اس دور حاضر میں آپ جانتے ہیں جب تک انسان کے پاس اچھی خاصی رقم نہ ہو تب تک وہ نکاح نہیں کر سکتا۔ لہٰذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: نور محمد شاہ جہاں پوری، ملتان

الجواب:

نکاح کیلئے شرعاً کثیر رقم ضروری نہیں۔ لوگوں کی حرص اور غیر ضروری اشیاء کی مانگ نے یہ صورت حال پیدا کی ہے۔ نکاح کیلئے استطاعت چاہئے اور شریعت میں استطاعت سے مراد یہ ہے کہ نکاح کرنے والا مہر اور نان و نفقہ ادا کر سکتا ہو۔ یعنی کم از کم یہ اخراجات پوری کرنے کی حد تک کما سکے۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابو عبد اللہ محمد اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے صحیح بخاری میں نقل کیا:

مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَآئَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَآءٌ"

(جلد (۱) کتاب الصوم، باب الصوم لمن خاف علی نفسه العزوبة، صفحه: ۲۵۵، قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی تم میں سے جو شخص نان و نفقہ کی قدرت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے کیونکہ یہ آنکھوں کیلئے پردہ اور شرمگاہ کی حفاظت ہے۔ اور جس میں یہ استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ کسی حد تک شہوت نفسانیہ کو کم کرتا ہے۔

معصیت و برائی سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے اندر خوف خدا بھی پیدا کیا جائے اور تقویٰ اختیار کیا

جائے۔ لہٰذا مسلمان اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کریں۔ معاشرے میں موجود خرابیوں، فضول خرچیوں، واہیات رسوم اور نام و نمود سے اجتناب کرتے ہوئے سنت کے مطابق عقد کریں۔ اور ناجائز حرکات کر کے جہنم کے عذاب کے سزاوار نہ بنیں۔

دو بہنوں کے دولہے بدلنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

○ ب کے ایک علاقہ میں دو بہنوں کا ایک ساتھ عقد ہوا اور غلطی سے دونوں اپنے مخالف دولھا کے پاس چلی گئیں۔ چنانچہ یہ مسئلہ اخبارات کا موضوع بھی بنا رہا۔ درج بالا مسئلے کا دارالعلوم کورنگی کراچی والوں نے درج ذیل فتویٰ صادر کیا ہے۔ آپ کے فتوے کی بھی اشد ضرورت ہے۔

دارالعلوم کراچی کا فتویٰ درج ذیل ہے:

الجواب:

اس طرح سے ایک دلہن غلطی سے دوسرے کے گھر چلے جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر خلوت (دونوں میاں بیوی کا تنہائی میں جمع ہونا) ہو چکی تھی تو زید کے پاس جو عورت (بکر کی بیوی) گئی ہے، وہ تین حیض عدت گذارے گی۔ لیکن اگر حمل ٹھہر گیا ہے تو وضع حمل تک عدت گذارے گی۔ اور "دوران عدت کا نفقہ بکر کے ذمہ ہوگا"۔ عدت کے بعد وہ عورت بکر کیلئے حلال ہو جائے گی۔ اسی طرح جو عورت یعنی زید کی بیوی بکر کے پاس گئی ہے وہ بھی اسی طرح عدت گذارے گی پھر زید کیلئے حلال ہو جائے گی۔

دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ زید و بکر دونوں اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دیں یا نصف مہر پر خلع کر لیں اور ہر ایک اس عورت سے شرعی قاعدے کے مطابق نکاح کرے جو اس کے پاس آئی ہے۔ اس صورت میں عدت گذارنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ عدت کے اندر بھی نکاح ہو سکتا ہے۔

دار العلوم امجدیہ کا جواب :

الجواب :

مذکورہ سوال کی دو صورتیں ہیں۔ دونوں شوہر ان میں سے جو صورت چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ جو شوہر، جس عورت کے ساتھ شب گذار چکا ہے، اسی کو اختیار کر لے، تو دونوں شوہر اپنی منکوحہ بیویوں کو طلاق دے دیں۔ اب چونکہ ہر لڑکی جسکی منکوحہ تھی اسکے ساتھ وطی نہ ہوئی اور نہ ہی خلوت صحیحہ (نکاح کے بعد میاں بیوی کا ایک ساتھ تنہائی میں جمع ہونا) اس صورت میں ان پر طلاق کی عدت واجب نہیں اس لئے طلاق کے بعد فوراً ہر ایک اس لڑکی سے نکاح کرلے جس کے ساتھ رات گذار چکا ہے۔ اس صورت میں آدھا مہر شوہر پر لازم ہوگا۔ قبل وطی طلاق دینے کا یہی حکم ہے۔ یا وہ دونوں لڑکیاں مہر معاف کردیں یا نصف مہر پر خلع کرلیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہر ایک اپنی منکوحہ بیوی کو ہی رکھنا چاہتا ہے تو اس صورت میں یہ دونوں غلطی سے جس کے پاس شب گذار چکے ہیں فوراً اس سے جدا ہو جائیں اور اس صورت میں ہر ایک لڑکی کو اگر حمل نہ ٹھہرا ہو تو تین حیض عدت گذارنا ہوگی اور اگر حمل ہو تو بچہ ہونے تک عدت گذارنا ہوگی۔ عدت ختم ہونے کے بعد شوہر اپنی منکوحہ بیوی کے ساتھ زندگی گذارے گا لیکن اس عدت کے زمانے کا نان نفقہ ان عورتوں کو نہیں ملے گا۔ دار العلوم کورنگی والوں نے نفقہ دینے کا حکم اصل شوہر پر یعنی جو جسکی منکوحہ تھی، لکھا ہے وہ غلط ہے۔

اصل شوہر پر نفقہ طلاق کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ یہاں شوہر نے نہ طلاق دی ہے نہ زمانہ عدت میں اپنے پاس رکھ سکتا ہے تو نفقہ کس بناء پر ہوگا؟ اور جسکے پاس عورت نے شب گذاری، اس پر بھی عدت کا نفقہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وطی بالشبہ میں عدت کا نفقہ واجب نہیں ہوتا ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوٰی شامی میں لکھا :

فی الخلاصة کل من وطئت بشبهة فلا نفقة لها لان زوجها ممنوع عنها بمعنی من جهتها

(جلد (۲) کتاب الطلاق، باب النفقة، صفحه :۷۰۲، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی خلاصۃ ا 2ذی میں ہے کہ جس عورت سے شبہ میں وطی کی گئی، وہ نفقہ کی مستحق نہیں کیونکہ اس کے شوہر کو رکاوٹ اس کی طرف سے ہوئی ہے۔

سگے خالو سے اپنی بیٹی کا نکاح کروانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ :

زید اپنی بیٹی کا نکاح، اپنی سگی خالہ کے شوہر یعنی خالو سے کروانا چاہتا ہے، خالہ زندہ ہے۔ بکر نے اعتراض کیا کہ جس طرح زید کی خالہ زید پر حرام ہے، اس طرح زید کی بیٹی زید کے خالو کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ زید کی ماں چاہتی ہے کہ میری بہن کی کوئی اولاد نہیں ہے، اس لئے میں اپنی پوتی کا نکاح بہنوئی سے کردوں تاکہ اولاد ہو جائے، قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ آیا بیوی کی موجودگی میں اس کی بھتیجی سے نکاح جائز ہے ؟

سائل : فضل احمد گلشن

الجواب :

صورت مسئولہ میں زید اپنی بیٹی کا نکاح سگی خالہ کی موجودگی میں اپنے خالو سے نہیں کرواسکتا۔ البتہ خالہ کے انتقال یا طلاق اور اسکی عدت کے بعد کرواسکتا ہے۔

(اس حکم کو سمجھنے کیلئے ایک آسان اصول یہ ہے کہ کوئی بھی شخص ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کرلیا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح ناجائز ہو)

(مرتب)

گمشدہ شوہر کی بیوی کے عقد ثانی کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

میری بہن رخسانہ بیگم کی شادی بنگلہ دیش میں عبدالکریم ولد محمد یلیین کے ساتھ ہوئی تھی۔ شادی کے

صرف چار دن کے بعد محمد یٰسین میری بہن کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ ہم لوگوں نے اسکو بنگلہ دیش کے تمام شہروں میں تلاش کیا۔ حتی کے ہندوستان اور پاکستان میں بھی اس کا کھوج لگایا، مگر آج تقریباً نو سال کا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ چونکہ وہ لڑکا تنہا تھا۔ اسکے والدین ۱۹۷۱ء کے ہنگاموں میں مارے گئے تھے، اس لئے شادی کے موقع پر ایک صاحب اسکے سرپرست بنے تھے، ان سے معلوم کیا کہ وہ کہاں ہے تو انھوں نے شرم کے ساتھ کہا کہ "میری لڑکی بھی اسکے ساتھ فرار ہو گئی ہے" پھر بھی ہم نے اسکو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن آج تک اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔

اس وقت میری بہن میرے پاس رہتی ہے، نان و نفقہ کا ذاتی کوئی انتظام نہیں ہے، میری مالی حالت بھی مستحکم نہیں ہے۔ میری بہن بھی جوان ہے۔ عرصہ نو سال سے اکیلی رہتی ہے۔ اس پر فتن معاشرے میں بغیر خاوند رہنا بھی مشکل ہے۔ اس لئے براہ کرم مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں فقہ حنفیہ کے مطابق دوسری شادی (نکاح) سے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔ جبکہ میں نے اپنی بہن سے یہ دریافت کیا کہ آیا وہ دوسری شادی کرنا چاہتی ہے یا نہیں؟ تو اس نے دوسری شادی کیلئے رضامندی کا اظہار کیا ہے۔

سائل: محمد زبیر خان، کورنگی، کراچی

الجواب:

حنفیہ کے مختار مذھب پر بیوی زوج مفقود کا اس وقت تک انتظار کرے گی، جب تک اسکے شوہر کے ہم عمر، ہم وطن میں سے کوئی بھی زندہ رہے گا تو جب اسکے ہم عمر سب انتقال کر جائیں گے تو اس مفقود (@ہ) کی موت کا بھی حکم دے دیا جائیگا۔ صاحب فتح القدیر نے اس کیلئے ستر سال کی عمر مقرر کی ہے۔ یعنی جب شوہر کی عمر ستر سال ہو جائے گی تو اس کی موت کا غالب گمان ہو جائے گا اور اسکی موت کا حکم دے دیا جائے گا۔ اس سے پہلے مفقود کی بیوی کسی سے نکاح نہیں کر سکتی ہے۔ موت کا حکم ہونے کے بعد موت کی عدت گذارے گی جو کہ چار مہینے دس دن ہے۔ اور پھر عدت ختم ہونے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔

بیوی کا شوہر کی داڑھی مونڈ دینا اور نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں نے داڑھی رکھی تھی اور ڈیوٹی کے سلسلہ میں آزاد کشمیر چلا گیا واپسی تقریبا ۲ سال بعد ہوئی میری اہلیہ نے داڑھی کی شرعی حیثیت اور اہمیت سے لاعلمی کی بناء پر ریزر کے ذریعہ داڑھی کا کچھ حصہ مونڈ دیا۔ جس پر میں نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور دل میں خیال کیا کہ اسے طلاق دے دوں۔ لیکن دوستوں نے اس سے منع کیا۔ جنوری 1989ء کے "اخبار جہاں" میں داڑھی مونڈنے کے متعلق ایک جواب میری اہلیہ کی نظر سے گذرا کہ داڑھی مونڈنے کا فعل، قبیح ہے۔ توبہ اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ اس مسئلے سے سائل بھی لاعلم تھا اس لئے ۱۹۷۶ سے ۱۹۸۹ تک عمل زوجیت بھی ہوتا رہا۔ اب آپ ارشاد فرمائیں کہ کیا بیوی کے اس عمل سے ہمارا نکاح ختم ہو گیا تھا یا نہیں؟ تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

الجواب :

کسی سنت کی توہین کرنا کفر ہے، یہ تو مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ لیکن بیوی کا داڑھی مونڈ دینا، جبکہ اسکے ساتھ کوئی اور توہین کا قول نہ ہو تو اسکو توہین نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ فسق اور گناہ ہے۔ جسطرح جو شوہر خود اپنی داڑھی مونڈتے یا منڈواتے ہیں، وہ گناہ گار ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی کو توبہ کرنی چاہیے۔ تجدید نکاح ضروری نہیں۔

"نیوتا" کی شرعی حیثیت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

دور حاضر میں بے شمار غیر شرعی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جو مختلف برادریوں اور طبقوں میں رچ بس گئی ہیں۔ زید کی شادی ہوئی اور شادی میں کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ بکر نے طعام میں شرکت کی اور بطور "نیوتا" (شادی بیاہ کی تقریبات میں نقدی دینے کی رسم) زید کو ۲۵ روپے ادا کئے اور جب بکر کے گھر شادی ہوئی اور کھانے کا اہتمام ہوا اور زید نے شرکت کی تو اس نے ۲۵ روپے اپنا قرض یعنی اصل ادا کر کے مزید ۵ روپے زیادہ ادا کر دیئے۔ اس طرح کئی سالوں سے ہماری برادری میں اصل رقم سے زیادہ دینے کا رواج ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ جو رقم زیادہ دی گئی، قرآن و حدیث کی روشنی میں کہیں وہ سود کی شکل تو نہیں ہے، کیا شادی کی تقریبات اصل رقم سے زیادہ دینا جائز ہے یا نہیں یا جتنا روپیہ بطور نیوتا دیا اتنا واپس لیا جائے؟

سائل: شوکت علی، پیر کالونی، کراچی

الجواب:

جن لوگوں میں برادری نظام ہے، ان میں "نیوتا" قرض ہی شمار کیا جاتا ہے۔ وہ لکھ کر رکھتے ہیں۔ کس نے کتنا دیا ہے، اس کے یہاں شادی ہونے کی صورت میں اتنا ہی واپس کرتے ہیں۔ ان برادریوں میں نیوتا قرض ہی سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا کم یا زیادہ نہیں کر سکتے اصل سے زیادہ دیں گے تو وہ زیادتی سود شمار ہوگی۔ اور جن برادریوں میں ایسا کوئی برادری کا قانون نہیں ہے یا غیر برادری کے لوگ دوستی، تعلقات اور عقیدت کی وجہ سے شادی میں کچھ دیتے ہیں وہ "ہدیہ" ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

شادی میں لڑکی والوں کا لڑکے والوں سے خرچ لینا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

شادی کے موقع پر لڑکی والے، لڑکے والوں سے روپے لے کر شادی کے اخراجات وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

سائل: عبدالرشید رضوی، کلفٹن، کراچی

الجواب :

شریعت میں شادی کا مقصد یہ نہیں ہے، جو آجکل ہم نے اپنا معمول بنالیا ہے۔ مثلاً آرائش وزیبائش، کھانا، جہیز، کپڑے اور زیورات وغیرہ کا جب تک انتظام نہ ہو، شادی نہیں ہوتی۔ ان رسم ورواج کی پابندی نے معاشرے میں، یہ خرابی پیدا کردی کہ غریبوں کی لڑکیاں بیٹھی رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو تو کوشش یہ کرنی چاہیے کہ معاشرے کی ان خرابیوں کے خلاف جدوجہد کریں اور سادگی کو اپنائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود شادیاں کیں اور اپنی بیٹیوں کی شادیاں کیں۔ مسلمانوں کیلئے شریعت کا طریقہ باعث نجات ہے۔ لہٰذا یہ مجبوری، مجبوری کی تعریف میں نہیں ہے کہ ہم اتنا پیسہ تو خرچ نہیں کرسکتے ہیں لڑکے والوں سے لے لیں۔ شریعت میں اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ لڑکی کا مہر شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے، وہ وقت نکاح میں طے ہوتا ہے اور مطالبے کا حق شادی کے بعد یا تفریق کے بعد ہوتا ہے۔ سوال میں جو صورت آپ نے لکھی ہے، یہ بالکل حرام ہے اور رشوت ہے۔ الشیخ زین الدین المشہور ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا:

لو خطب امرأة فی بیت اخیها فابی الاخ الا ان یدفع الیه دراهم فدفع ثم تزوجها کان للزوج ان یسترد ما دفع له

(جلد (۳) کتاب النکاح، باب المهر، صفحه: ۱۸۲، مطبوعه مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

- یعنی اگر کسی عورت کو شادی کا پیغام دیا جو اپنے بھائی کے گھر رہتی تھی بھائی نے شادی سے انکار کیا مگر یہ کہ شوہر اس کو کچھ روپے دے شوہر نے روپے دے دیئے تو شادی کے بعد شوہر وہ روپے لے لے گا۔

بحر الرائق کے حاشیہ میں منحۃ الخالق میں اس جگہ پر لکھا کہ "یہ رشوت ہے" اور اسی قول کو صاحب محیط کا مختار بتایا۔ لہٰذا یہ روپیہ لینا حرام ہے۔ اور اگر لے لیا تو واپس کرنا واجب ہے۔

سالی سے زنا کرنے والے کے نکاح کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) سلیمہ اور کلیمہ دو بہنیں ہیں۔ سلیمہ کی شادی سلیم الدین سے اور کلیمہ کی شادی کلیم الدین سے ہوئی ہے۔ لیکن سلیم الدین اپنی سالی کلیمہ سے بھی زنا کا مرتکب ہوتا رہا۔ اب سلیم کو گناہ کا احساس ہوا تو توبہ واستغفار کرتا ہے۔ براہ کرم فتویٰ دیجئے کہ سلیم الدین کا نکاح سلیمہ سے برقرار رہا یا منسوخ ہو گیا۔

(۲) اگر نکاح منسوخ ہو گیا تو کیا سلیمہ کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کیلئے حلالہ کی ضرورت پڑے گی یا ایسے ہی تجدید نکاح ہو جائے گا ؟

(۳) اسی طرح کلیم کا نکاح برقرار رہا یا اسے بھی تجدید نکاح کرنا پڑے گا ؟

الجواب :

زنا حرام ہے۔ زنا کرنے والا سخت گناہ گار ہے۔ مگر سالی سے زنا کرنے کی وجہ سے زانی کا نکاح جاتا ہے اور نہ سالی کا۔ دونوں کو توبہ کرنی چاہیئے، نکاح دونوں کے باقی ہیں۔ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جنت کی ازدواجی زندگی

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) خاوند کے جہنمی ہونے کی صورت میں جنتی بیوی کو کیا نعم البدل ملے گا ؟

(۲) دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہونے والے جوڑے یعنی میاں بیوی کی جنت میں کیا حیثیت ہو گی ؟

(۳) دنیا میں ایک سے زیادہ خاوند ہونے کی صورت میں، جنتی عورت کس خاوند کو ملے گی۔ بشرطیکہ تمام خاوند جنتی ہوں۔

سائل : محمد شفیع الدین، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب :

(۱) خاوند اگر ابدی جہنمی ہوگا، تو اس کی بیوی ایسے شوہر کو دے دی جائے گی، جس کی بیوی ابدی جہنمی ہوگی۔

(۲) وہاں دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہیں گے۔ اور اس بیوی کو حوروں سے زیادہ خوبصورت کردیا جائے گا۔

(۳) سب سے آخر میں جس کی بیوی تھی، اس کو ملے گی۔

بغیر شب زفاف ولیمہ کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ:
کسی لڑکی کا نکاح ایام حیض میں ہوا ابھی وہ پاک نہیں ہوئی تھی کہ ولیمہ کردیا گیا پھر جب پاک ہوئی تو لڑکے والوں نے دوبارہ مختصر دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اب لڑکے والے لڑکی والوں سے یہ کہتے ہیں کہ پہلی دعوت ولیمہ کا خرچ تم ادا کرو۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ لڑکے والوں کا مطالبہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

حالت حیض میں نکاح جائز ہے، اگر ایسا ہوگیا تو زوجین تنہائی میں کچھ وقت گذارلیں اگرچہ حقوق زوجیت ادا نہ کریں، تو ولیمہ بھی ہوجائے گا، ولیمہ کو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہ تھی، اسکے خرچہ کا مطالبہ لڑکی والوں سے کسی طرح نہیں کیا جاسکتا ہے۔

شوہر کا نکاح سے انکار

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے اپنی بیوی کو لکھا کہ "آپ میری منکوحہ نہیں ہیں" اور زید کے وکیل نے بھی نوٹس دیا کہ زید نے طلاق دیدی۔ صورت بالا میں کیا طلاق ہوگئی ؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : ذوالفقار، کراچی

الجواب :

شوہر نے اپنی بیوی کو یہ جملہ لکھا کہ "آپ میری منکوحہ نہیں ہیں اور وکیل نے طلاق کا نوٹس بھی دیا، تو یہ کنایہ ہے۔ اور اس سے طلاق بائن واقع ہوگئی، عدت کے اندر وہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ عدت گذرنے کے بعد بیوی شوہر سابق سے بھی اور اسکے علاوہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

ضبطِ تولید (برتھ کنٹرول)

مانع حمل ادویات فروخت کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ :
مانع حمل ادویات کا فروخت کرنا اور استعمال کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا ناجائز ؟

سائل : رفیق احمد، کراچی

الجواب :

مانع حمل دواؤں کو فروخت کرنا جائز ہے۔ لیکن دواؤں کا استعمال کرنا، اس صورت میں جائز ہے کہ جب بیوی کی صحت اچھی نہ ہو۔ جلدی جلدی حمل ہونے سے اسکی صحت خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسکو حمل روکنے والی دوائیں استعمال کرائی جاسکتی ہیں۔ اس قصد سے کہ آبادی کی کثرت ہونے کی صورت میں غذا کی کمی واقع ہوگی تو

ایسی صورت میں، ان دواؤں کا استعمال ناجائز ہے۔ حدیثوں میں ارشاد فرمایا کہ تم ایسی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنے والی ہوں اور زیادہ بچے جننے والی ہوں، اس لئے کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔

مانع حمل ادویات استعمال کرنے کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

جناب عالی!

آپ کی خدمت میں ایک استفتاء پیش خدمت ہے۔ امید ہے کہ اس کا جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں گے۔ یہ بات تو تقریباً ہر مسلمان جانتا ہے کہ بچوں کی پیدائش کو روکنا اسلام میں ناجائز اور حرام ہے۔ سوال یہ ہے کہ عورت کو حمل ٹھہرنے کے بعد اگر اسقاط حمل کی گولیاں وغیرہ استعمال کرائی جائیں، تو وہ صریحاً ایک جان کا قتل ہوگا۔ لیکن اگر حمل سے پہلے یا یوں سمجھ لیجئے کہ زوجہ سے ہمبستری سے پہلے ہی "برتھ کنٹرول" گولیاں استعمال کی جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے کسی بھی طرح سے بچے کی پیدائش کو نہیں روکا ہے۔ لیکن ایک سوال ذھن میں رہتا ہے اس لئے احتیاطاً معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

سائل: بندہ خدا، سعودی عرب

الجواب:

برتھ کنٹرول! کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ حمل ہونے کو روکا جائے نہ یہ کہ حمل قرار پانے کے بعد ساقط کیا جائے۔ برتھ کنٹرول کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) آپریشن کرکے حمل کی صلاحیت کو ضائع کر دیا جائے۔ یہ ناجائز و حرام ہے اور "مثلہ" کے حکم میں ہے۔ مثلہ کے معنی یہ ہیں کہ کسی عضو کو ضائع کر دینا۔ اس میں بھی رحم کو ضائع کر دیا جاتا ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایسی ادوایات استعمال کی جائیں کہ جب تک دوا کا استعمال جاری رہے گا،

حمل قرار نہیں پائے گا۔ اور جب دوا کا استعمال بند کر دیا جائے گا، تو حمل قرار پا سکتا ہے۔ اس میں اگر کوئی معقول وجہ ہے مثلاً پہلا بچہ چھوٹا ہے دوبارہ حمل ہونے سے اس کی صحت خراب ہو گی یا بیوی کی صحت اچھی نہیں ہے کہ جلدی جلدی بچے کی پیدائش سے اس کی صحت اور خراب ہو جائے گی تو ان دواؤں کا استعمال جائز ہے۔ اور یہ بالکل ''عزل'' کے حکم میں ہے۔ جس کا تذکرہ احادیث میں ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی میں لکھا:

يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء

(جلد (۲) كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مطلب فی حكم اسقاط الحمل، صفحه: ۴۱۲، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

یعنی اس کیلئے رحم کا منہ بند کرنا جائز ہے جیسے عورتیں کیا کرتی ہیں۔

لیکن حکومتیں جو برتھ کنٹرول پر روپیہ خرچ کر رہی ہیں اور لوگوں کو منصوبہ بندی کی ترغیب دلا رہی ہیں، ان کا منشاء یہ ہے کہ دنیا کی آبادی بڑھنے سے خوراک میں کمی واقع ہو جائیگی۔ اس قصد (ارادے) سے ان دواؤں کا استعمال ناجائز ہے۔ رزق کی ذمہ داری خالق کائنات نے اپنے ذمہ رکھی ہے، حکومتیں رازق نہیں ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

عدم استقرار حمل کیلئے چھلا وغیرہ استعمال کرنا

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب! مندرجہ ذیل مسئلے میں آپ کی رہنمائی درکار ہے۔

اگست ۱۹۸۳ کو بچے کی ولادت کے چند ماہ قبل میری اہلیہ کے ہاں اسقاط (حمل ضائع) ہو گیا۔ بچے دانی کو صاف کروایا گیا۔ ڈاکٹری ہدایت یہ تھی کہ ایک سال تک حمل قرار نہیں پانا چاہئے۔ اگر اس سے پہلے ایسا ہو گیا تو دوبارہ اسقاط ہونے کا خطرہ ہے۔ بطور احتیاط رحم کے منہ پر ''چھلا'' (رِنگ) لگا دیا گیا۔ سال کے پورا ہونے پر میں نے اہلیہ سے کہا چھلا نکلوا دو! لیکن بار بار کہنے کے باوجود دو سال اور ایک ماہ اوپر ہو رہا ہے۔ وہ اس کیلئے تیار نہیں ہے۔ اس

صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ :

(۱) ڈاکٹری ہدایت سے ہٹ کر جو زیادہ عرصہ گذر گیا، اس میں جو وظیفہ زوجیت ادا کیا گیا کیا وہ گناہ میں شمار ہوگا ؟

(۲) آئندہ شوہر اور بیوی کے درمیان وظیفہ زوجیت کے تعلقات قائم ہونے چاہئیں یا نہیں ؟

الجواب :

(۱) صورت مذکورہ میں کوئی گناہ نہیں اور گناہ کی کسی قسم سے اسکا تعلق نہیں۔

(۲) عمل زوجیت کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ یہ جو عورت کے رحم کے ساتھ کیا گیا ہے اگر مصلحت کی وجہ سے ایسا کیا۔ مثلاً بیوی کی صحت اچھی نہ تھی یا دوبارہ حمل ساقط ہونے سے، اس کی جان کو خطرہ تھا، تو یہ فعل بھی جائز ہے اور اگر اس کی کوئی وجہ نہیں تھی، تو یہ فعل ناجائز ہے۔ یعنی چھلا لگائے رکھنا۔

تنگی رزق کے خوف سے منصوبہ بندی کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

دین اسلام میں موجودہ حالات کے پیش نظر، خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :

جس ضرورت کے پیش نظر خاندانی منصوبہ بندی کرانے کا اعلان کیا جاتا ہے اور بے دریغ روپیہ اس پر خرچ کیا جاتا ہے وہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا

(سورة (۱۱) هود، آیت : ٦)

ترجمہ :اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔ (کنزالایمان)

اس خوف سے کہ رزق میں کمی ہو جائے گی، خاندانی منصوبہ بندی کرنا ان کافروں کے نظریہ کے مطابق ہے جن کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ

(سورة(۱۷) بنی اسرائیل، آیت: ۳۱)

ترجمہ : اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے۔ ہم انھیں بھی روزی دیں گے اور تمھیں بھی۔ (کنزالایمان)

لہٰذا اس نظریہ سے خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کرنا حرام ہے اور اگر واقعی کوئی مجبوری ہے تو اسکی دو صورتیں ہیں۔

(۱) آپریشن کر کے حمل کی صلاحیت کو ضائع کر دیا جائے تو یہ بھی ناجائز و حرام ہے اور مثلہ کے حکم میں ہے۔ مثلہ کے معنٰی یہ ہیں کہ کسی عضو کو ضائع کر دینا۔ اس میں بھی رحم کو ضائع کر دیا جاتا ہے، جو عضو کے ضائع کرنے کے حکم میں ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایسی دوائیں استعمال کی جائیں کہ جب تک دوا کا استعمال جاری رہے، حمل قرار نہیں پائے گا۔ اور جب دوا کا استعمال بند کر دیا جائے، تو حمل قرار پا سکتا ہے۔ اس میں اگر کوئی معقول وجہ ہے مثلا پہلا بچہ چھوٹا ہے فوراً دوبارہ حمل ہونے سے اس کی صحت خراب ہو گی یا بیوی کی صحت اچھی نہیں ہے کہ جلدی جلدی بچے کی پیدائش سے اس کی صحت اور خراب ہو جائے گی تو ان دواؤں کا استعمال جائز ہے۔ اور یہ بالکل "عزل" (شوہر مادہ منویہ کو باہر خارج کرے) کے حکم میں ہے۔ اور یہ جائز ہے۔ مسلمانوں کو بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ نے امت کو حکم دیا ہے کہ "ایسی عورتوں سے شادی کرو جو شوہروں سے محبت کرنے والی ہوں اور جن سے اولاد زیادہ ہو۔ اس لئے کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا"۔ یعنی امت کی تعداد بڑھاؤ۔

(ابو داؤد، حصہ اول، کتاب النکاح، باب فی تزویج الابکار، صفحہ: ۲۸۷، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یہ غیر مسلم حکومتوں کا فریب ہے اور وہ خاندانی منصوبہ بندی کیلئے مسلمان ممالک میں اس مقصد کیلئے زیادہ روپیہ خرچ کر رہی ہیں اور بالخصوص عیسائی برادری کو یہ خوف ہے کہ مسلمان آبادی کے اعتبار سے کہیں ہم سے زیادہ نہ ہو جائیں۔ ان کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے نہ پائے۔

کثرتِ آبادی کی وجہ سے نس بندی کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) آیا مذھب اسلام میں ضبط تولید جائز ہے ؟

(۲) ایک ایسا شخص جس کی معاشی حالت مزید اولاد کا بوجھ برداشت نہ کرسکتی ہو آیا وہ ضبط تولید کی راہ اختیار کرسکتا ہے ؟

(۳) کچھ ایسی بیماریاں جو طبی نقطہ نظر سے والدین سے اولاد میں منتقل ہوسکتی ہیں، آیا ایسی صورت میں ہمارے مذھب میں ضبط تولید جائز ہے یا نہیں ؟

آپ سے درخواست ہے کہ تمام جوابات کیلئے حوالے ضرور استعمال کریں تاکہ کسی سے گفتگو میں ان کتب کا حوالہ دیا جاسکے۔ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ ہم جس مادیت پرستی کے دور سے گذر رہے ہیں، اس میں دلیل بہت ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے مسائل کا حل ہمارے دین میں موجود ہے کیونکہ ہمارا مذھب کامل ہے۔

سائل : زاھد محبوب، سراج الدولہ روڈ، کراچی

الجواب :

آجکل "ضبط تولید" کی جو مصلحت اور وجہ بیان کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا کی آبادی بڑھ رہی ہے، خوراک کم ہورہی ہے۔ اس لئے ضبط تولید کیا جائے۔ یہ وجہ تو قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے اور اس قصد سے ضبط تولید ناجائز ہے۔ اس لئے کہ "رزاق" اللہ تعالیٰ ہے اور رزق پہنچانا اس نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ باقی کسی عذر کی وجہ سے مثلاً ماں بچوں کو دودھ نہیں پلاسکتی یا باپ دودھ پلانے کا خرچہ نہیں پورا کرسکتا۔ حدیثوں میں مذکور ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۰ھ نے حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں لکھا :

یباح لها ان تسد فم الرحم لئلا تحبل

(جلد (۲) کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق، صفحہ : ۷۷، مکتبۃ العربیہ، کوئٹہ)

یعنی حرہ بیوی کیلئے یہ جائز ہے کہ رحم کے منہ کو بند کردے تاکہ حمل نہ ہو۔

اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوٰی شامی میں لکھا:

ومن الاعذار ان ینقطع لبنها بعد ظهور الحمل ولیس لابی الصبی ما یستاجر به الظئر ویخاف هلاکه

(جلد (۲)، کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق، مطلب فی اسقاط الحمل، صفحه: ۴۱۲، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی عذر کی صورت یہ بھی ہے کہ عورت کا دودھ منقطع ہو جاتا ہے حمل ظاہر ہونے سے اور بچے کیلئے باپ کے پاس اتنے پیسے نہیں کہ دودھ پلانے والی کو اجرت پر رکھے اور بچے کے ھلاک ہونے سے ڈرتا ہے۔

رسوماتِ شادی

دولہا دلہن کے لئے اسٹیج بنانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

شادی کے دن دولھا اور دلہن کیلئے اسٹیج بنایا جاتا ہے۔ کیا یہ شریعت میں جائز ہے ؟

سائل : محمد کریم موتی والا، طارق روڈ، کراچی

الجواب :

دولہا، دولہن کیلئے اعزازی نشست بنادینے میں کوئی حرج نہیں۔ للذا اسٹیج تو بنا سکتے ہیں، مگر اسراف (ناجائز خرچ) ناجائز ہے، اس سے بچیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سہرابندی کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

سہرا باندھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بعض علمائے دیوبند سہرا باندھنے کو حرام اور ناجائز قرار دیتے ہیں۔

سائلین : جمعیت القریش، کراچی

الجواب :

شادی میں پھولوں کا سہرا باندھنا جائز ہے ، شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" یعنی اشیاء میں اصل اباحت (جواز) ہے۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں جب تک کسی چیز کی ممانعت نہ ہو اس وقت تک وہ جائز ہے۔ ممانعت ہونے کے بعد وہ ناجائز ہو جاتی ہے۔ یہ اصول فقہ حنفیہ کی کتابوں میں متعدد جگہ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین (شامی) متوفی ۱۲۵۲ھ نے اس بات کو ثابت کرنے کیلئے ایک عنوان مقرر فرمایا

الاصل فی الاشیاء الاباحۃ

(جلد(۱) کتاب الطہارۃ، مطلب المختار ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ، صفحہ : ۷۷، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

بلکہ حدیث میں بھی یہ بات ہے اور اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب متوفی : ۷۴۲ھ نے نقل کی :

فَمَا اَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفُوٌ

(مشکوٰۃ المصابیح ، باب ما یحل اکلہ وما یحرم ، الفصل الثالث ، صفحہ: ۳۶۲، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جس چیز کے بارے میں سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔

لہٰذا جب سہرے کی ممانعت قرآن وحدیث اور فقہ میں بھی نہیں ہے تو اس کو حرام کہنا شریعت میں زیادتی

ہے اور شریعت پر افتراء (جھوٹ) بھی۔ دیوبندی علماء کا یہ کہنا کہ "سہرا باندھنا کافرانہ رسم ہے جو حرام ہے" غلط ہے۔ وہ کوئی دلیل اس بات پر بیان کریں کہ کافر پہلے سہرا باندھا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کی نقل شروع کر دی ہے۔ جب تک اس فعل کا ثبوت پیش نہ کریں اس وقت تک یہ دعوی بلا دلیل ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ہندوستان پر صدیوں تک مسلمانوں نے حکومت کی۔ اس زمانے میں بہت سے کام ہندؤں نے مسلمانوں کی نقل کرتے ہوئے شروع کر دیئے، یہی زیادہ ظاہر ہے۔ بہر حال سہرے کو حرام کہنے والے قرآن کریم کی ایسی نص قطعی دکھلائیں، جس سے سہرے کی حرمت ثابت ہو یا ہندؤں کی نقل کرنے کی دلیل بیان کریں اور یہ بھی بیان کریں کہ یہ ہندؤں کے شعائر میں سے ہے تو مشابہت حرام ہوگی۔ اور اگر شعائر سے ثابت نہ ہو تو ہر مشابہت حرام نہیں ہوتی۔ لہٰذا سہرا باندھنے کو کافرانہ رسم کہنا اور اسے حرام بتلانا صحیح نہیں ہے۔

نکاح کے موقع پر سہرا اور گانے باجے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

شادی بیاہ کے موقع پر سہرا باندھنا، ڈھول، باجا بجانا اور عورتوں کا گانا گانا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

سائل: صوبیدار علی حسین، ضلع پونچھ، آزاد کشمیر

الجواب:

سہرا باندھنا جائز ہے مگر گانا گانا اور باجا بجانا ہر صورت میں ناجائز ہے۔ خصوصاً شادی میں عورتوں کا اس طرح گانا گانا کہ ان کی آواز باہر غیر مردوں تک پہنچے۔ شادی کے متعلق شریعت کا منشاء یہ ہے کہ بالاعلان ہو۔ اگر چھپ کر کسی عورت سے شادی کر کے لائے گا تو لوگوں میں بدگمانی پیدا ہوگی۔ اور کوئی تہمت لگادے گا کہ عورت کو بھگا کر لایا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے، اس حدیث کو حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی متوفی ۲۷۳ھ نے اپنی سنن میں نقل کیا:

أَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالْغِرْبَالِ

(سنن ابن ماجه، ابواب النكاح، باب اعلان النكاح، صفحه: ١٣٦، قديمى كتب خانه، كراچى)

یعنی تم نکاح کا اعلان کرواگرچہ یہ اعلان دف بجا کر ہی ہو۔

لیکن اب لائٹ لگائی جاتی ہے، کارڈ چھپوائے جاتے ہیں، شامیانے لگائے جاتے ہیں اور لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے، یہ باتیں اعلان کیلئے کافی ہیں۔ دف بجانے کی حاجت نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

شادی بیاہ میں شرکت کی شرائط

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

عام لوگوں کی طرح میرے پاس بھی شادی کارڈ آتے ہیں، ان شادیوں میں شرکت کرنے کے نتیجے میں جو چیز سامنے آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلامی رسموں کے ساتھ نئی غیر اسلامی رسموں میں اضافہ ہوتا جارہاہے۔ مگر الحمدللہ آج بھی ایسی شادیاں ہورہی ہیں جو قرآن وحدیث کے میزان پر پوری اترتی ہیں۔ تاہم مجھے آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ جب شادی، ولیمہ یا کسی اور تقریب کا کارڈ آئے تو کیا اس کے جواب میں مندرجہ ذیل باتیں داعی (دعوت دینے والا) کے گوش گذار کردی جائیں کہ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ میں آپ کی دعوت میں شرکت کرسکتا ہوں اور اگر ان شرائط پر عمل نہیں ہوگا تو میں شرکت نہیں کروں گا۔

(۱) فوٹو گرافی، وڈیو فلم، گانوں کی ریکارڈنگ اور میوزک تمام چیزوں سے مکمل اجتناب ہوگا۔

(۲) کسی قسم کے ناچ اور فلم کا اہتمام نہیں ہوگا۔

(۳) مقام دعوت پر اگر مردوں اور عورتوں دونوں کی شرکت کا اہتمام کیا گیا ہے تو اسلام کے بتائے ہوئے پردے کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے الگ الگ انتظام کیا جائیگا۔

(۴) جہاں عورتوں کا الگ انتظام کیا گیا ہو وہاں عورتوں کے درمیان انتظامی امور سرانجام دینے کی ذمہ

داری بھی خواتین کے ذمہ ہو، جس کیلئے خواتین مقرر اور متعین کی جائیں۔

(۵) جو رسمیں اسلام کے خلاف ہوں خواہ وہ پرانی ہوں یا نئی، ان سب سے اجتناب کیا جائے گا۔

(۶) نکاح اور کھانے سے فراغت کے بعد دولہا اور اس کے مرد ساتھی عورتوں کی تقریب گاہ میں نہیں جائیں گے۔

(۷) وہ خواتین جو پردے کی پابند ہیں اور اسلام کی بتائی ہوئی حدود کی پوری پابندی کرتی ہیں ان کا، ان خواتین سے بھی پردے کا انتظام کیا جائے، جو پردہ نہیں کرتی ہیں۔

(۸) پروگرام کیلئے ایسا وقت مقرر کیا جائے جس کا نماز کے اوقات سے ٹکراؤ نہ ہو۔

(۹) کارڈ پر لکھے ہوئے وقت کے بجائے وہ وقت بتایا جائے، جس وقت پروگرام عملاً شروع ہوگا تاکہ خواہ مخواہ وقت ضائع نہ ہو۔

(۱۰) برات کے آنے اور جانے میں بینڈ باجے کا استعمال نہ ہوگا۔

(۱۱) آتش بازی، ہوائی فائرنگ اور اس طرح کی دوسری چیزیں نہیں ہوں گی۔

(۱۲) مردوں اور عورتوں کی تقریب گاہوں میں بیٹھ کر کھانے کا انتظام کیا جائیگا۔

مذکور شرائطِ شرکت اگر داعی قبول نہ کرے تو کیا دعوت قبول کرنی چاہیئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مذکورہ شرائط شرعاً داعی (دعوت دینے والے) کو بتائی جاسکتی ہیں۔

(۲) مذکورہ شرائط پر اگر داعی عمل نہ کرے تو اس کی دعوت میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔

منگنی میں لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنانے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
منگنی کی رسم میں لڑکا لڑکی کو انگوٹھی پہناتا ہے۔ کیا یہ شریعت میں جائز ہے؟

سائل: محمد فیصل صغیر، نارتھ کراچی

الجواب :

نکاح سے پہلے لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کیلئے اجنبی اور غیر محرم ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کے جسم کو چھونا ناجائز ہے۔ لہٰذا لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو خود انگوٹھی نہیں پہنا سکتے۔

لڑکی والوں سے سامان جہیز کا مطالبہ کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میمنوں میں ایک جماعت ہے، جس کے یہاں شادی کے موقع پر یہ رواج ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے مکان، فرنیچر اور دیگر سامان جہیز وغیرہ کا تقاضہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اس مکان اور دیگر سامان کی مالکہ لڑکی ہی رہتی ہے۔ اور اگر لڑکا لڑکی کو طلاق دے دے یا لڑکے کا انتقال ہو جائے ان دونوں صورتوں میں مکان اور سامان وغیرہ لڑکی کو مل جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا از روئے شرع لڑکے والوں کا یہ مطالبہ کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ اور جو لڑکا اس فعل کا مرتکب ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب :

لڑکے والوں کا لڑکی والوں سے اس قسم کا مطالبہ کرنا، ناجائز ہے۔ لیکن مکان فرنیچر وغیرہ سب جدائی اور عدم جدائی کی صورت میں لڑکی ہی کی ملکیت میں رہتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ شوہر یا شوہر کے گھر والوں نے یہ مال نہیں لیا ہے۔ صرف یہ مطالبہ کیا ہے کہ تم اپنی لڑکی کو یہ چیزیں دے دو تو یہ لوگ پگڑی لینے والے نہ ہوئے (لڑکی کی حیثیت کے مطابق جہیز کی قیمت کا تعین کرنا پگڑی کہلاتا ہے) انھیں یہ مطالبہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ البتہ ایسے شخص کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کثرتِ جہیز، سونے کی انگوٹھی، بینڈ، رت جگا اور مہندی کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) شرع میں کوئی جہیز کی حد مقرر ہے ؟ ہماری قریش برادری میں یہ رائج ہے کہ بعض متمول (دولت مند) حضرات اپنی بیٹیوں کو پچاس ہزار سے لے کر پانچ لاکھ تک کا جہیز دیتے ہیں اور اس برادری میں بہت سے غریب اپنی بیٹیوں کو اس قدر جہیز نہیں دے سکتے۔ اس لئے ان لڑکیوں سے برادری میں کوئی رشتہ کرنے کو تیار نہیں۔ کیا متمول حضرات کا اس طرح کرنا جائز ہے ؟

(۲) کیا شادی کے موقع پر جو دولہا کو سونے کی انگوٹھی پہنائی جاتی ہے تو کیا یہ رسم شریعت کی رو سے جائز ہے ؟ اور کیا دولہا اور دلہن کا سہرا باندھنا جائز ہے ؟

(۳) بارات میں بینڈ باجا، ناچ گانے کا اور آتش بازی کا استعمال جائز ہے یا ناجائز ؟

(۴) شادی بیاہ میں رت جگا اور مہندی کی رسم کے بارے میں بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ جمعیت القریش کراچی آپ کی شکر گذار ہوگی۔

سائلین : حاجی عبدالعزیز، کورنگی، کراچی
: شمس الدین، لیاقت آباد، کراچی
: بشیر احمد، لیاقت آباد، کراچی
: حاجی چراغ دین، لیاقت آباد، کراچی

الجواب :

(۱) یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ کثرت جہیز نے، ایسی تکلیف دہ صورت حال اختیار کرلی ہے کہ جس کی وجہ سے بہت سے والدین کیلئے اپنی لڑکیوں کا رشتہ کرنا ناممکن ہوتا جارہا ہے، ان کے دن کا چین اور رات کا سکون چھن گیا۔ محض اس وجہ سے کہ وہ رشتہ کرنے والوں کی طرف سے منہ مانگا جہیز نہیں دے سکتے۔ ان کی زندگی اجیرن ہوگئی ہے۔ اسلامی معاشرے میں اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں ان لوگوں کو خاص طور پر پہلے قدم اٹھانا چاہیئے جو بے تحاشا جہیز دیتے ہیں۔ وہ آگے آئیں اور اس برائی کو ختم کرنے میں تعاون کریں اور وہ جہیز کی مقدار اتنی کم رکھیں کہ جو غریب لوگ بھی دے سکیں۔

(۲) مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی حرام ہے، البتہ سہرا باندھنا جائز ہے۔

(۳) بینڈ باجے، گانے اور آتش بازی خواہ کسی موقع پر بھی ہوں، حرام ہیں۔

(۴) رت جگا جس میں تمام رات عورتیں گانے گاتی ہیں، حرام ہے۔ مہندی کی رسم اگر گانے بجانے وغیرہ خلاف شرع امور سے خالی ہو، تو جائز ہے۔

لڑکی کی شادی میں دعوت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

آج کل شادیوں میں بڑی بڑی دعوتیں ہوتی ہیں، قِسم قِسم کے کھانے پکائے جاتے ہیں۔ خواتین و حضرات کی کافی تعداد موجود ہوتی ہے۔ جہیز کا سامان بھی زیادہ اور قیمتی ہوتا ہے۔ ازروئے شرع کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ جواب سے نوازیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل : محمد کاشف انصاری، لانڈھی، کراچی

الجواب :

شادی میں اپنی استطاعت کے مطابق جہیز اور دعوت وغیرہ کا اہتمام کرنا، اس شرط سے جائز تو ہے کہ ریا کاری، فخر اور بڑائی کے اظہار کیلئے نہ ہو۔ لیکن ہر جائز کام کو کرنے کیلئے دوسری مصلحتیں بھی ملحوظ رکھنی چاہئیں۔ سرمایہ داروں نے شادیوں پر بے دریغ روپیہ خرچ کرکے غریبوں کیلئے مشکلات پیدا کردی ہیں۔ اب ہر لڑکا اس قسم کا مطالبہ کرتا ہے یا خواہش رکھتا ہے کہ مجھے بھی ایسا ہی جہیز ملے، اس لئے غرباء کی لڑکیاں بیٹھی رہتی ہیں اور ان کی شادیاں نہیں ہوپاتیں۔ سرمایہ دار فضول خرچیاں بند کردیں تو غرباء کیلئے بہت سہولت ہو جائے۔

ولیمے کی شرعی حیثیت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
شادی کے ایک ہفتے یا ایک مہینے بعد ولیمہ کیا جائے تو ازروئے شرع یہ ولیمہ درست ہوگا یا نہیں ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

سائل : محمد فاروق حسن

الجواب :

دعوت ولیمہ سنت ہے اور اس میں عظیم ثواب ہے۔ جبکہ ولیمہ ادا کرنے والے کا مقصد ادائے سنت ہو۔ ولیمہ وہ دعوت ہے جو "شب زفاف کی صبح کو اپنے دوست واحباب، عزیز واقارب اور محلے کے لوگوں کیلئے اپنی استطاعت کے مطابق کی جائے"۔ اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے دن بھی یعنی دو دن تک اس دعوت کو ولیمہ کہا جاسکتا ہے۔ دو دن بعد اس دعوت پر ولیمہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا :

وتسمية العرس سنة وفيها مثوبة عظيمةوهي اذا بنى الرجل بامرأته انه ينبغي ان يدعو الجيران والاقرباء والاصدقاء ويذبح لهم ويصنع لهم طعاماً

یعنی دعوت ولیمہ سنت ہے اور اس میں ثواب عظیم ہے۔ اور دعوت ولیمہ یہ ہے کہ جب یہ شخص اپنی عورت سے زفاف کرے تو اس کیلئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں، عزیز واقارب اور دوست واحباب کیلئے دعوت کرے اور مہمانوں کیلئے جانور ذبح کرے اور کھانے تیار کرے۔ اس کے بعد فرمایا :

ولا باس بان يدعو يومئذمن الغدو و بعد الغدو ثم ينقطع العرس والوليمة
(جلد(۵) كتاب الكراهية ، الباب الثانى عشرفى الهدايا والضيافات، صفحه: ۳۴۳، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

یعنی اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ ولیمہ اگلے روز کرے یا اگلے سے اگلے روز۔ اس کے بعد اس دعوت کو ولیمہ نہیں کہا جائے گا۔

عقیقہ کا گوشت ولیمہ کے کھانے میں مکس کرنا

الاستفتاء:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
اگر کوئی شخص ولیمہ کے کھانے میں عقیقہ کا گوشت ملا کر مہمانوں کو کھلائے، توازروئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

عقیقہ کے گوشت کا وہی حکم ہے، جو قربانی کے گوشت کا حکم ہے۔ قربانی اور عقیقہ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔ گوشت عقیقہ اور قربانی کرنے والے کی ملکیت ہوتا ہے، اسے فروخت نہیں کر سکتا اور نہ کسی کام کے معاوضہ میں دے سکتا ہے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے، غریب و مالدار جس کو چاہے دے۔ فقہاء نے قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کو مستحب لکھا ہے واجب کسی نے نہیں لکھا اور قربانی اور عقیقہ کا حکم ایک ہے لہٰذا ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت شامل کرنا اور کھلانا جائز ہے۔

کھڑے کھڑے کھانے پینے کا حکم

الاستفتاء:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
ایک شخص کھڑے ہو کر کھاتا پیتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ "ایسا کرنا جائز ہے۔ میں نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا تھا تو انہوں نے اسکو جائز قرار دیا تھا" قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب:

حدیث میں ہے اور اس حدیث کو عساکر الملت والدین ابو الحسین امام مسلم بن الحجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ نے صحیح مسلم میں نقل کیا:

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ نَھٰی اَنْ یَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا قَالَ قَتَادَۃُ فَقُلْنَا فَالْاَ کْلُ فَقَالَ ذَاکَ اَشَرُّ وَاَخْبَثُ

(جلد (۲) کتاب الاشربۃ ، باب فی الشرب قائما، صفحہ: ۱۷۳، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا حضرت قتادہ کہتے ہیں ہم نے عرض کی کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے ؟ تو ارشاد فرمایا : وہ اور زیادہ سخت ناپسندیدہ اور برا ہے۔

عقیقہ کے حصوں اور گوشت کے استعمال کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید اپنے لڑکوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکے کیلئے دو بکرے ہونا لازمی ہیں یا ایک بکرے سے بھی کام چل جائے گا ؟ اور ماں باپ، نانا، نانی اور دادا، دادی بھی عقیقہ کا گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟

سائل : انوار احمد، کراچی

الجواب :

عقیقہ کرنا سنت ہے۔ لڑکے کیلئے دو بکرے اور لڑکی کیلئے ایک بکری مستحب ہے۔ اگر لڑکے کیلئے بھی ایک بکرا ذبح کردے تو عقیقہ ہو جائے گا۔ اور لڑکے کیلئے بکری اور لڑکی کیلئے بکرا ذبح کرنا بھی جائز ہے اور گائے میں دو حصے لڑکے کیلئے اور ایک حصہ لڑکی کیلئے مستحب ہے۔ اور اگر سب کیلئے ایک ایک حصہ کرے گا جب بھی جائز ہے۔ اور عقیقہ کے گوشت کا وہی حکم ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے۔ بچے کے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی سب کھا سکتے ہیں۔

عقیقہ کے گوشت سے ولیمہ اور تحائف کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

ایک شخص اپنی دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے۔ اور ساتھ ہی لڑکے کی ختنہ بھی۔ کیا عقیقہ کا گوشت پکاکر سب دعوت میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ عقیقہ کے گوشت کا صحیح مصرف کیا ہے ؟ وضاحت فرمائیں۔ نیز جس طرح شادی بیاہ میں تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں۔ کیا عقیقہ اور ختنہ کے موقع پر بھی دیئے اور لئے جاسکتے ہیں ؟ جبکہ شادی میں جو نقدی، روپے دولہا والوں کو ملتے ہیں وہ دینے والوں کی شادی بیاہ میں واپس بھی کئے جاتے ہیں۔

سائل : حافظ عبدالرحمٰن، شاہجہاں مسجد، پیر کالونی، کراچی

الجواب :

عقیقے میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور ذبح کردینے سے سنت ادا ہوجاتی ہے۔ گوشت عقیقہ کرنے والے کی ملکیت ہے۔ مستحب یہ ہے کہ قربانی کی طرح اس کے بھی تین حصے کئے جائیں ایک حصہ غرباء کو، ایک حصہ رشتہ داروں کو اور ایک حصہ خود کھانے کیلئے رکھ لیں۔ اور اگر سارا گوشت تقسیم کردیں یا سارا گوشت خود پکاکر کھالیں جب بھی عقیقہ ہوجائے گا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر وہ عقیقہ کے گوشت کو پکاکر رشتہ داروں کو کھلائے تو جائز ہے۔ مگر اس دعوت میں کچھ نہ کچھ غرباء کو بھی شریک کرلے۔

شادی میں جس طرح لوگ نقدی، کپڑے یا دوسری چیزیں دیتے ہیں، وہ لینا جائز ہے، اسی طرح عقیقہ اور ختنہ میں بھی لینا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

پردے کابیان

احکامِ پردہ

الاستفتاء :

کیافرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ :

اسلام میں عورت کیلیئے پردے کا کیا حکم ہے، پردہ نہ کرنے کی کہاں تک رعایت ہے ؟ معزز مہمانوں کی آمد پر رقص کی صورت میں خوش آمدید وغیرہ کہنا کیسا ہے ؟اور مردوں کیلیئے غیر محرم کو دیکھنے کا کیا حکم ہے ؟ عورتوں کا سنگھار کر کے گھروں سے باہر نکلنا کیسا ہے ؟اس ضمن میں حاکمِ وقت اور متعلقہ حکام کی کیا ذمہ داریاں ہیں ؟ درخواست کی جاتی ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب باصواب عنایت فرمائیں۔آپ کی نوازش ہوگی۔

سائل : سلطان محمود مغل، مصطفیٰ آباد، کراچی

الجواب :

قرآن کریم میں ہے :

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ o

(سورۃ (۲۴) النور، آیت: ۳۰)

یعنی مسلمان مردوں کو حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کیلئے بہت ستھرا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ (کنزالایمان)

اسکے بعد والی آیت مبارکہ میں ایمان والی عورتوں کو حکم ہوا :

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ وہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنھیں عورتوں کی شرمگاہ کی چیزوں کی خبر نہیں، اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگھار۔ اور اللہ کی طرف توبہ کرو، اے مسلمانو! سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا :

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(سورۃ (۳۳) الاحزاب، آیت : ۵۹)

یعنی اے نبی ﷺ اپنی ازواج اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنزالایمان)

ترمذی اور ابو داؤد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ یہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ عبد اللہ ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا کہ پردہ کرلو! کہتی ہیں: میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ وہ تو نابینا ہیں ہمیں نہیں دیکھیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں اندھی ہو؟ کیا تم انھیں نہیں دیکھو گی؟ بیہقی میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھنے والے پر اور اس پر جس کی طرف نظر کی گئی اللہ کی لعنت۔ یعنی دیکھنے والا جب بلا عذر قصداً دیکھے اور دوسرا اپنے آپ کو بلا عذر دکھائے۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی: ۲۰۹ھ نے جامع ترمذی میں نقل کیا ہے:

اَلْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطٰنُ

(حصہ اول، ابواب الرضاع، صفحہ: ۱۴۰، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

یعنی عورت پر پردہ ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے۔

حدیث میں ہے، اس حدیث کو امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے سنن نسائی میں نقل کیا:

اَیَّتُکُنَّ خَرَجَتْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا تَقْرَبَنَّ طِیْبًا

(حصہ دوم، کتاب الزینۃ، باب النھی للمرأۃ عن تشھد الصلوٰۃ اذا اصابت من البخور، صفحہ: ۲۷۷، مکتبہ سلفیہ، لاھور)

یعنی جب تم عورتوں میں سے کوئی عورت مسجد جائے تو وہ خوشبو لگا کر نہ جائے۔

عورتوں کے گھر سے نکلنے کے بارے میں اور پردے سے متعلق قرآن کریم کی یہ آیتیں اور چند احادیث جو اوپر لکھی گئی ہیں، ان سے ہر مسلمان، جس کے دل میں قرآن و حدیث کی عظمت اور اللہ اور اسکے رسول کی فرمانبرداری کا جذبہ ہو تو وہ سمجھ لے گا کہ اللہ اور رسول کا منشاء فتنہ کے دروازے کو بند کرنا ہے۔ اور فتنہ کی ابتداء نظر سے ہوتی ہے اسی لئے اجنبی عورت کو دیکھنے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں، جو اوپر گذریں۔ اور مساجد میں جانے کیلئے یہ پابندی لگائی کہ خوشبو لگا کر اور زینت کر کے گھر سے نہ نکلیں اور مسجد نبوی میں مردوں پر یہ پابندی لگائی کہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو بیٹھے رہو۔ جب عورتیں پیچھے سے اٹھ کر چلی جائیں تو منہ موڑیں۔

ان احکام کی موجودگی میں عورتوں کا بن سنور کر گھروں سے نکلنا، بازاروں میں گھومنا اور قوم کی بچیوں کو اسکولوں اور کالجوں سے دوسرے ممالک کے سربراہان کے استقبال کیلئے لے جانا اور انتہاء یہ کہ رقص وغیرہ کے

مظاہرے کروانا مسلمانوں کیلئے باعث شرم وحیا ہے۔ اور تعجب ان والدین کی غیرت پر ہے جو اپنی لڑکیوں کو اس حالت میں دیکھ کر حکومت سے احتجاج نہیں کرتے کہ ہم نے اپنی لڑکیوں کو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے کیلئے بھیجا ہے تاکہ بے حیائی وبے غیرتی کا سرٹیفیکیٹ حاصل کرنے کیلئے۔ قرآن کریم میں حکومت کی ذمہ داری یہ بیان فرمائی کہ :

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهُ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ o اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُو الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

(سورة (۲۲) الحج ، آیت : ۴۰،۴۱)

یعنی اور البتہ ضرور اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا اسکی جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد فرمائے گا بے شک ضرور قوت والا غالب ہے۔ وہ لوگ کہ ہم انھیں زمین میں قابو دیں وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

اس آیت میں چار باتوں کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے، لہٰذا حکومت کو اپنی ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے اور اس پر عمل کرتے ہوئے ہر برے فعل کی ممانعت کر دینی چاہیئے۔

شرعی پردے کی کیفیت

الاستفتاء :

قبلہ مفتی صاحب!

قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ سے یہ دریافت کرنا ہے، تفصیل سے بتایئے کہ :

عورت شریعت کے مطابق چادر کا استعمال کس طرح کرے، جبکہ اسے غیر محرم مردوں سے پردہ کرنا مطلوب ہے۔

سائل : محمد عارف، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب :

چادر! جس سے پردہ مطلوب ہوتا ہے، اسکو اس طرح اوڑھنا چاہیئے کہ جس سے تمام جسم چھپ جائے اور جسم کی کوئی ہیئت اس سے ظاہر نہ ہو۔

چہرے کے پردے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

علمائے دین کا بے پردہ عورتوں کے اجتماع سے خطاب کرنا شریعت کے رو سے جائز ہے یا نہیں ؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ نیز عورت کا چہرہ، پردہ میں شامل ہے یا نہیں ؟

سائل : اشتیاق احمد سلطانی

الجواب :

عورتوں سے بلا حجاب مرد کو خطاب کرنا، ناجائز ہے اور اگر درمیان میں پردہ ڈال دیا جائے تو جائز ہے۔
احکام نماز میں جن اعضاء کو چھپانا فرض ہے، اس میں چہرہ داخل نہیں ہے، مگر خوف فتنہ کی وجہ سے قرآن کریم میں عورتوں کو حکم دیا :

يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ

(سورة (۳۳) الاحزاب، آیت: ۵۹)

یعنی عورتیں اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں۔
اصل فتنہ عورتوں کو دیکھنے سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں فرمایا :

اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ

(مسند الامام احمد بن حنبل، جلد ۴۱۲/۱، مطبوعه دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی آنکھیں زنا کرتی ہیں۔

اس لئے اجنبی عورت کے چہرے کی طرف نظر کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے۔ فرمایا:

قال رسول الله ﷺ من نظر الی محاسن امرأة اجنبية فيذاب فی عينيه الآنک

یعنی جو شخص کسی اجنبیہ عورت کے حسن وجمال کو دیکھے گا اسکی آنکھوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔

لہٰذا بے پردہ عورتوں سے اجتناب ضروری ہے۔

بوڑھی عورت کیلئے پردے کا حکم

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب! مندرجہ ذیل مسئلے میں رہنمائی فرمائیں کہ:

عورت جب بوڑھی ہو جائے تو کیا وہ پردہ ترک کر سکتی ہے؟

الجواب:

بوڑھی عورت بھی پردہ کرے گی۔ مگر چہرہ کھول سکتی ہے، جبکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔

پردے کی نیت سے موزے، دستانے اور چشمہ پہننے کا حکم

الاستفتاء:

محترم مفتی صاحب!

مندرجہ ذیل امر میں آپ کی رہنمائی قرآن وحدیث کی روشنی میں مطلوب ہے۔

اگرچہ شریعت میں عورت کے ہاتھ اور پاؤں غیر محرم کے سامنے کھلے رہنے میں، کوئی مضائقہ نہیں۔

لیکن عورت اگر تقوٰی پر عمل کرتے ہوئے دستانے اور جرابیں پہن کر اور اپنی آنکھوں کو رنگین چشمہ لگا کر چھپائے تو شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب:

ایسا کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اچھا ہے۔

پردے کیلئے برقعہ پہننا

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب! مندرجہ ذیل امور میں آپ کی رہنمائی قرآن وحدیث کی روشنی میں مطلوب ہے:

(۱) کیا مروجہ کالے رنگ کا برقعہ جو عام طور پر خواتین استعمال کرتی ہیں، شریعت کے میزان پر پورا اترتا ہے؟

(۲) سفید برقعہ جو عام طور پر بڑی عمر کی خواتین پہنتی ہیں اور بہت کم نوجوان عورتیں استعمال کرتی ہیں کیا شریعت کے میزان پر پورا اترتا ہے؟

(۳) آپ کی نظر میں کوئی تیسرا برقعہ ہے، جس میں سفید برقعہ کی خوبیاں موجود ہوں اور کالے برقعہ کے نقائص موجود نہ ہوں۔

الجواب:

(۱) برقعہ سے مطلوب ستر پوشی ہے، خواہ وہ کسی بھی رنگ کا ہو، اگر اس سے شرعی تقاضے پورے نہ ہوتے ہوں تو اس کا استعمال ممنوع ہے، خود برقعہ بھی ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو اپنی طرف متوجہ کرے۔

(۲) سوال میں مذکورہ برقعہ شریعت کے مطابق ہے۔

(۳) کوئی بھی ایسی چادر یا برقعہ جس سے شرعی تقاضے کے مطابق ستر پوشی ہو جائے، وہ شرعی پردہ یا برقعہ ہے۔

عورتوں کا دوکاندار سے بے پردہ چیز خریدنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
جو آدمی گھر میں بیٹھے رہتے ہیں یا ملازمت کرتے ہیں، انکی عورتیں بغیر پردے کے بازاروں میں خرید و فروخت کرتی ہیں۔ ایسی عورتوں اور ان کے شوہروں کیلئے کیا گناہ ہے؟ نیز دوکانداروں کا ان بے پردہ عورتوں کے ساتھ خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟

سائل : محمد عبداللہ قادری، میرپور خاص

الجواب :

بے حجابانہ طور پر عورتوں کا نکلنا ناجائز و حرام ہے۔ اور ان کیلئے سخت وعید ہے۔ ان کے مرد، ان کی اس حرکت پر مطلع ہونے کے باوجود منع نہیں کرتے اور اس پر راضی بھی ہیں تو وہ بھی اس جرم، گناہ اور وعید میں برابر کے شریک ہیں۔ اور ان مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو پردے کا پابند کریں۔ دوکانداروں کا ان کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز ہے، مگر ان کے چہروں کی طرف قصداً نگاہ کرنا گناہ ہے۔

منگیتر سے پردہ کا حکم

الاستفتاء :

جناب مفتی صاحب! چند مسائل در پیش ہیں قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔
منگنی کے بعد منگیتر سے بات کرنا، پردہ نہ کرنا اور اکیلے میں ملنا کیسا ہے؟

سائل : عقیل احمد، کیماڑی، کراچی

الجواب:

رشتہ جوڑنے کے بعد بھی غیر محرم شخص کے احکام باقی رہیں گے نہ اس سے بات کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ تنہائی میں جمع ہو سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

گھر میں دوپٹے کا استعمال

الاستفتاء:

قبلہ مفتی صاحب! مندرجہ ذیل امور میں آپ کی رہنمائی درکار ہے:

(۱) اتنا باریک دوپٹہ، جس میں سے عورت کے بال اور گردن نظر آئیں تو کیا ایسا باریک دوپٹہ گھر کی حدود میں محرموں کے سامنے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) گردن کو دوپٹے اور چادر وغیرہ سے ڈھانپنا چاہیے؟ یا ایسی قمیض پہننی چاہیے جس سے گردن ڈھنپ جائے؟ آپ کی نظر میں زیادہ بہتر صورت کیا ہے؟

(۳) حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں صحابیات کا طرز عمل کیا تھا؟

سائل: محمد شیراز، گلشن بہار، کراچی

الجواب:

(۱) ایسا باریک دوپٹہ گھر کے اندر محرم کے سامنے مذکورہ صورت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۲) مقصود چھپانا ہے، چاہے قمیض سے ہو یا چادر سے۔

(۳) صحابیات چادر استعمال کرتی تھیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سالی کو بہنوئی سے پردے کا حکم

الاستفتاء :

جناب مفتی صاحب! مندرجہ ذیل مسئلے میں آپ کی رہنمائی درکار ہے۔

کیا سالی کو اپنے بہنوئی سے پردہ کرنا چاہیے ؟

سائل : محمد صادق قریشی، فیروزآباد، کراچی

الجواب :

سالی پر اپنے بہنوئی سے پردہ کرنا لازمی ہے۔

قریبی نامحرم رشتہ داروں سے پردے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

شریعت مطہرہ میں عورت کو نامحرموں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جہاں تک اجنبی نامحرموں کا تعلق ہے تو اس پر عمل کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن قریبی رشتہ داروں سے جو نامحرم بھی ہوں، ان سے موجودہ دور میں پردہ کرنے کی کیا عملی صورت ہو سکتی ہے۔ آیا چہرے کا پردہ ہونا بھی ضروری ہے۔ یا صرف زیب و زینت کا پردہ ضروری ہے۔ کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ شرع پر بھی عمل ہو جائے اور رشتہ داروں سے تعلقات بھی خراب نہ ہوں۔

اس کے علاوہ شہری زندگی میں بعض اوقات مرد کی غیر موجودگی میں عورت کو ضروریاتِ زندگی کے سلسلے میں گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ اس کی شرعی طور پر کیا عملی صورت ہوگی۔ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔

سائل : کیپٹن زوار حسین عباسی، اسلام آباد

الجواب :

صورت مسئولہ میں ان رشتہ داروں سے جو نا محرم ہیں، چہرہ، ہتھیلی، گٹے، قدم اور ٹخنوں کے علاوہ ستر (پردہ) کرنا ضروری ہے۔ زینت، بناؤ سنگھار بھی، ان کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے۔ مجبوری کے تحت باپردہ ہو کر عورت اشیائے ضرورت خریدنے کیلئے بازار جا سکتی ہے۔

اجنبیہ کو بری نیت سے دیکھنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :
کسی اجنبیہ عورت کو بغور دیکھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے ؟ اور برے خیالات ووسوسات بھی گناہ میں شمار ہوتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :

شریعت نے اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے پر پابندی لگائی ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا :
من نظر الی محاسن امرأة اجنبية فيذاب فی عينه الآنک
یعنی جو کوئی اجنبیہ عورت کے حسن و جمال کو دیکھے گا قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر اسکی آنکھوں میں ڈالا جائے گا۔

اتفاقاً غیر ارادی طور پر نظر پڑ جانے پر مؤاخذہ نہیں ہے مگر اس نظر کو باقی رکھنے پر مؤاخذہ (پوچھ گچھ) ہے۔ لہٰذا نہ نظر کرے گا نہ برے خیالات پیدا ہوں گے۔ فاسد خیالات گناہ کا باعث بن سکتے ہیں۔ لہٰذا برے خیالات سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے۔ لیکن جب تک ان خیالات پر بالعزم ارادہ نہ کیا ہو یا ان پر عمل نہ کیا، اس وقت تک گناہ کا اطلاق ان پر نہ ہوگا۔

بے پردہ محافل میں شرکت کا حکم

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب!

رشتہ داروں میں ایسے نکاح یا ولیمہ وغیرہ کی تقریب، جس میں فوٹو گرافی اور وڈیو فلم ہو، عورتوں اور مردوں کے درمیان پردے کا کوئی انتظام نہ ہو اور شرکت کرنے والی خواتین کی اکثریت بے پردہ ہو۔ تو کیا ایسی محافل میں شرکت کرنا شریعت کے نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

سائل: عبدالرشید مارفانی، کھارادر، کراچی

الجواب:

جہاں غیر شرعی افعال کا ارتکاب ہو، وہاں شرعاً شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔

اختلاط مرد و عورت والی محافل میں شرکت

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب! مندرجہ ذیل مسئلے میں آپ کی رہنمائی قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلوب ہے:

میری شادی ایک ایسے گھر میں ہوئی جہاں پردے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اپنے گھر میں بیوی کو میں نے شرعی پردے کے مطابق رکھا ہوا ہے۔ لیکن جب کبھی اس کے بھائی یا بہن کی شادی ہوتی ہے تو وہی حالت ہوتی ہے جو عام طور پر شادی کے موقع پر ہوا کرتی ہے۔ یعنی عورتوں اور مردوں کے درمیان اختلاط۔ اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ بیوی خود بھی اس ماحول میں جاکر پردہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اور نہ ہی وہ وہاں پردہ کرنا چاہتی ہے۔ مجھے بتایا جائے کہ کیا مجھے ایسے حالات میں اپنی بیوی کو شادی کے موقع پر بھیجنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب :

جہاں عورتوں کے درمیان نامحرم مردوں کا اختلاط ہو، اور پردے کا کوئی لحاظ نہ ہو اور بیوی بھی اس غیر شرعی صورت میں اجتناب نہ کرے، تو ایسی صورت میں بیوی کو نہ بھیجیں۔

حالتِ نماز میں عورت کیلئے لباس کی حدود

الاستفتاء :

جناب مفتی صاحب!

قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل میں آپ کی رہنمائی درکار ہے :

(۱) عورت جب اپنے گھر میں نماز ادا کر رہی ہو، تو ہاتھ پاؤں اور چہرے کے کھلے رکھنے کی حدود کیا ہیں ؟

(۲) عورت جب مسجد میں نماز ادا کر رہی ہو، تو ہاتھ پاؤں اور چہرے کے کھلے رکھنے کی حدود کیا ہیں ؟

(۳) عورت جب کسی دوسرے کے گھر میں نماز ادا کر رہی ہو اور دوسرا گھر بے پردہ مسلمانوں کا ہو، تو ایسی حالت میں ہاتھ پاؤں اور چہرے کے کھلے رہنے کی حدود کیا ہے ؟

الجواب :

عورت! اپنے گھر، مسجد یا کسی دوسرے کے گھر میں نماز ادا کرے، ہر جگہ "ستر عورت" کا ایک ہی حکم ہے۔ عورت کیلئے ستر عورت کی حدود یہ ہیں کہ منہ کی ٹکلی، ہاتھوں کے گٹوں سے ذرا آگے (ہاتھ کی طرف) اور پاؤں کے ٹخنوں سے ذرا نیچے کے علاوہ تمام بدن کا چھپانا فرض ہے۔

محلے میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر عورتوں کا میلاد اور نعت خوانی کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

عورتوں کا لاؤڈ اسپیکر پر میلاد پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : صدیق پٹیل، جہانگیر روڈ، کراچی

الجواب :

عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اجنبی آدمی کو بلا ضرورتِ شرعی اپنی آواز نہیں سنا سکتی ہے۔ ضرورت شرعی کا مطلب یہ ہے کہ شہادت وغیرہ میں اپنی آواز سنا سکے گی۔ لہٰذا عورتوں کے میلاد کا طریقہ جو یہاں رائج ہے وہ جائز نہیں ہے۔ بہت بڑا مکان ہو، اس میں عورتیں میلاد پڑھیں یا نعت خوانی کریں اور اس کی آواز باہر نہ جائے تو پھر جائز ہے۔ اور مائیک سے پڑھنا اور آواز باہر کے لوگوں کو سنانا جائز نہیں ہے۔

لے پالک اور داماد کے محرم ہونے کا بیان

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک عورت نے ایک بچے کو گود لے کر حقیقی بیٹے کی طرح پرورش کی۔ اور جب وہ بالغ ہو گیا تو اسکی شادی کر دی۔ اسکے بچے بھی ہوئے۔ کیا یہ پالک لڑکا ماں کے انتقال کے بعد اسکا چہرہ دیکھ سکتا ہے ؟ کیا داماد اپنی ساس کے انتقال پر اس کا چہرہ دU کا شرعی حقدار ہے یا نہیں ؟

الجواب :

مرنے کے بعد عورت کا چہرہ، ہر وہ شخص دیکھ سکتا تھا، جو اسکی زندگی میں دیکھ سکتا ہے۔ اور زندگی میں

ذی رحم محرم یعنی وہ شخص جس سے ہمیشہ کیلئے نکاح حرام ہے دیکھ سکتا ہے۔پالا ہوا بیٹا ذی رحم محرم نہیں ہے، للہذا وہ چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ داماد ذی رحم محرم ہے۔ للہذا وہ اپنی ساس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

عورتوں کا تعویزات کیلئے ائمہ اور پیروں کے پاس بے پردہ جانا

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد وقار الدین صاحب!

مندرجہ ذیل مسئلہ پر قرآن وحدیث کی روشنی میں فتوی جاری فرمائیں تاکہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آسکے اور کئی لوگوں کی مشکل حل ہو جائے۔

ایک شخص اپنے آپ کو عالم بھی ظاہر کرے اور تعویذ دھاگے سے روحانی علاج اجرت لیکر کرے۔ دن بھر اسکے پاس عورتوں کا ہجوم رہتا ہو۔ جوان اور ادھیڑ عمر کی عورتیں آتی ہیں۔ وہ ان سے بے تکلف ہنس ہنس کر گفتگو بھی کرے۔ اگر کوئی اعتراض کرے تو یہ کہہ دے کہ "ڈاکٹر کے پاس بھی تو عورتیں جاتی ہیں، میرے پاس آگئیں تو کیا ہو گیا؟ میں بھی طبیب ہوں۔ یعنی روحانی علاج کرتا ہوں"۔ اس طرح بے حجاب عورتوں کا کسی بھی شخص کے پاس جانا جائز ہے یا نہیں اور اگر ایسے شخص کو امام بنایا جائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہو گی یا نہیں؟ تفصیل سے ارشاد فرمائیں۔

سائل: محمد ایاز، کورنگی

الجواب:

عالم ہو یا پیر، کسی کے سامنے غیر محرم عورتوں کا بے پردہ جانا جائز نہیں ہے۔ اور جو شخص بے حجاب عورتوں کے آنے پر راضی ہے، وہ گناہ گار ہے۔ اس کو امام بنانا بھی ناجائز ہے۔ ڈاکٹروں کے پاس جانے کی اجازت اس صورت میں ہے، جب کوئی ڈاکٹر نہ ملے اور اجازت بھی بے پردہ جانیکی نہیں ہے۔ عورت پردے کے ساتھ جائے گی۔ للہذا پردہ نہ کرنے کیلئے سوال میں مذکور استدلال غلط ہے۔

عورت کا شوہر اور تقریبات کیلئے میک اپ کرنے کا حکم

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب! مندرجہ ذیل مسائل میں رہنمائی فرمائیں کہ:

(۱) بیوی کا بناؤ سنگھار کیا صرف شوہر کیلئے ہے؟

(۲) شادی اور دوسری تقریبات کے موقع پر بیوی کا بناؤ سنگھار ازروئے شرع کیسا ہے؟

(۳) کیا غیر شادی شدہ بالغہ یا نابالغہ لڑکی کو سنگھار کرنا چاہیئے؟

الجواب:

(۱) عورت کا بناؤ سنگھار اور اسکی زینت شوہر کیلئے ہے۔ اپنی زینت مندرجہ ذیل افراد کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں کرے گی۔ قرآن کریم میں ہے:

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ

(سورۃ (۲۴) النور، آیت: ۳۱)

اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں یا وہ بچے جنھیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں۔ (کنزالایمان)

ان کے علاوہ دادا، پر دادا اور چچا ماموں وغیرہ تمام محارم بھی مندرجہ بالا افراد کی طرح ہیں کہ ان پر اپنا سنگھار ظاہر کرنا ممنوع نہیں ہے۔

اعضاء سنگھار سے یہاں مراد آنکھوں کا سرمہ کاجل اور ہاتھ کی انگوٹھیاں وغیرہ مراد ہیں۔

(۲) عورت کیلئے زینت کرنا جائز ہے۔ لیکن ایسی شادی بیاہ کی جگہوں پر، جہاں غیر محارم کی آمد ورفت ہو وہاں ان کو پردہ کرنا چاہیے اور غیر محارم کے سامنے بغیر زینت کے بھی جانا ناجائز ہے۔ زینت کے ساتھ جانا شدید ناجائز ہے۔

(۳) اپنے گھروں میں غیر شادی شدہ لڑکیاں بھی زینت کرسکتی ہیں تاکہ آنے والی عورتیں، انھیں دیکھ کر شادی کا پیغام دیں، غیر محرم افراد کے سامنے ان کا آنا جانا ناجائز ہے۔

منہ بولے بھائی سے پردے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میرے ایک دوست کا انتقال ہوا، اس کی بیوہ نے عدت اپنے شوہر مرحوم کے گھر میں گذاری۔ مسئلہ یہ ہے کہ بیوہ عدت ختم ہونے کے بعد اپنے منہ بولے بھائی کے یہاں جاکر کچھ دن قیام کرسکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ بیوہ کا اس بھری دنیا میں ماں کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور ماں بھی بیوہ اور بے سہارا ہے۔ ایک عرصہ سے بیٹی کے یہاں رہتی ہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عدت میں عورت صبح سے شام تک گھر سے باہر رہ سکتی ہے اور مغرب تک اپنے گھر واپس آجائے۔ رات اپنے گھر میں بسر کرے اور بیوہ اس بات پر اصرار کررہی ہے کہ عدت کے بعد وہ آزاد ہے جہاں چاہے وہ رہے اور جہاں چاہے رات بسر کرے۔ برائے کرم قرآن وسنت کی روشنی میں تفصیل سے جواب دیں۔ (بیوہ کی عمر پینتیس سے چالیس سال کے درمیان ہے)

سائل: محمد فاروق خان، ماڈل کالونی، کراچی

الجواب:

موت کی عدت میں بیوی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اسکے پاس گذراوقات کیلئے پیسہ نہ ہوں تو وہ دن میں محنت مزدوری کرکے روپیہ کمانے جاسکتی ہے۔ رات اس گھر میں گذارے گی، جس میں عدت گذار رہی ہے۔ عورت بلاضرورت دن میں بھی گھر سے باہر نہیں جاسکتی۔ منہ بولا بھائی شریعت میں غیر محرم ہے، اس کے ساتھ تنہائی میں جمع ہونا حرام ہے۔ اس کے ساتھ غیر محرم جیسا برتاؤ کریگی۔

عدت اور غیر عدت میں پردے کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب! دار العلوم امجدیہ، کراچی،

السلام علیکم!

عورت عدت میں ہو تو کن لوگوں سے پردہ کرنا چاہیئے ؟ گھر کے دروازے پر کھڑا ہونا یا غیر مرد سے بات کرنا کیسا ہے ؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں آگاہ کریں۔ عین نوازش ہو گی۔

سائل : غلام وارث، لیاقت آباد، کراچی

الجواب :

عدت اور غیر عدت میں پردہ کے احکامات میں کوئی فرق نہیں۔ قبل عدت جن لوگوں سے پردہ فرض ہے، دوران عدت بھی، ان سے پردہ کرنا فرض ہے۔ ضرورت اور مجبوری کے بغیر دروازے پر کھڑا ہونا، نا محرم سے گفتگو کرنا سخت گناہ ہے۔

عورت کا غیر محرم سے ہاتھ ملانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کیا ایک جوان مسلمان لڑکی، بہنوئی سے، ملاقات کے وقت، اس سے ہاتھ ملا سکتی ہے یا نہیں ؟ بہنوئی سے پردہ ہے یا نہیں ؟ اگر عورت یہ حکم نہیں مانتی، تو کیا اس کو طلاق دینا جائز ہے ؟

الجواب :

شرعاً بہنوئی سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ اس سے ہاتھ ملانا حرام ہے۔ اگر بیوی ان احکام پر عمل نہیں کرتی ہے اور شوہر کے سمجھانے کے باوجود نہیں مانتی، تو اس کو طلاق دینا جائز ہے۔

طلاقِ رجعی اور بائن کا بیان

طلاق بائن پر بائن کے مرتب ہونے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید اپنی بیوی کو کردار کی خرابی پر گذشتہ چھ مہینوں سے سمجھاتا رہا۔ لیکن بیوی نے کوئی بات نہیں مانی۔ تنگ آکر زید نے کہا "میں اس کو شرع کے حساب سے اپنے نکاح سے آزاد کرتا ہوں اب میرا اس سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے، میں بچوں کو لے جارہا ہوں، اس کا بچوں سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہے" مہر کی رقم ۵۰۰۰ روپے ہوتی ہے، جو اس نے معاف کردی ہے۔ یہ تحریر لکھ کر بیوی کو دیدی۔ وضاحت فرمائیں کہ اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی طلاق واقع ہوئی؟

سائل : عبدالرحمٰن

الجواب :

صورت مسئولہ میں سائل کے تحریر کردہ الفاظ کہ "میں شرع کے اعتبار سے اپنی بیوی کو نکاح سے آزاد

کر رہا ہوں۔ اب میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں"۔ یہ الفاظ کنایہ کے ہیں۔ ان سے ایک طلاق بائن واقع ہو گی۔ اس نے پھر آگے چل کر کہا کہ "میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، میں اسکو چھوڑ کر اور بچوں کو لے کر جا رہا ہوں" اس جملے سے دوبارہ طلاق واقع نہ ہو گی، اس لئے کہ بائن کو بائن ملحق نہیں ہوتی ہے۔ یعنی ایک مرتبہ جب طلاق بائن دی تو پھر دوبارہ طلاق بائن اس کو نہیں ہو گی۔ جب تک کہ کوئی ایسا لفظ نہ بولے جس سے نئی طلاق ہونے کا پتہ چلتا ہو، ورنہ بعد کا لفظ پہلے والے کی ہی تاکید مانا جائے گا اس لئے صرف ایک ہی طلاق بائن واقع ہوئی ہے۔ اب یہ دونوں میاں بیوی اگر چاہیں تو عدت کے اندر یا عدت کے بعد دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، حلالے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

طلاقِ بائن کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص نے اپنی بیوی کے متعلق یہ الفاظ لکھے کہ "میں اسکو طلاق دیتا ہوں، اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں، آج کے بعد وہ آزاد ہے، طلاق مؤثر کے بعد جہاں چاہے نکاح ثانی کرے مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا"۔ اب اس عورت پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ بینوا وتوجروا

سائل: محمد مختار احمد، فیصل آباد

الجواب:

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہو گئیں، پہلی طلاق، طلاق دیتا ہوں سے ہوئی۔ اس کے بعد اس نے لکھا کہ اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں، اس سے طلاق بائن ہوئی اس لئے پہلی طلاق بھی بائن ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے لکھا آج کے بعد وہ آزاد ہے یہ ان دو طلاقوں پر حکم مرتب ہے۔ لہٰذا اس سے تیسری طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اور دو طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ "اگر یہ دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں دوران عدت اور عدت گذارنے کے بعد بھی" حلالہ کی ضرورت نہیں۔

رجوع کرنے کا طریقہ

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

عبد الرحمٰن کچھ باتوں پر اپنے چھوٹے بھائی سے ناراض تھا اس ناراضگی کے وقت میں نے اس سے کہا تھا کہ "اگر میں نے (محمد مراد) سے فیصلہ کئے بغیر یعنی اپنا حق لینے کے سوا بات کی تو میری عورت پر طلاق "اب قدرت کا کرنا یہ ہوا کہ محمد مراد بیمار ہو گیا اور عبد الرحمٰن کو لوگ مراد کے پاس لے گئے اب یہ دونوں بھائی آپس میں خوشی خوشی رہتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ "عبد الرحمٰن نے کہا تھا کہ میں نے مراد سے بات کی تو عورت کو طلاق واقع ہو گی "کیا طلاق واقع ہو گئی یا نہیں ؟ مہربانی فرما کر مطلع فرمائیں۔

الجواب :

عبد الرحمٰن نے اپنے بھائی سے بات نہ کرنے پر طلاق کو معلق کیا تھا اور بھائی سے بات کر لی، تو شرط کے مطابق اس کی بیوی کو ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی، اس سے رجوع کرنا شوہر کیلئے جائز ہے۔

رجوع زبان سے بھی ہوتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو آدمیوں کے سامنے یہ کہے کہ میں اپنی طلاق واپس لیتا ہوں اور اس بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھتا ہوں۔ اور رجوع عمل سے بھی ہوتا ہے اس بیوی کے ساتھ اگر زوجیت کے تعلقات قائم کئے، تب بھی رجعت ہو جائے گی۔ نکاح جدید کی بہر حال ضرورت نہیں ہے۔

طلاق رجعی میں مطلقہ کیلئے زیب وزینت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں نے اپنی بیوی کو جو کہ ۵ ماہ کی حاملہ تھی، اس کو ایک طلاق دے دی۔ جس کے بعد رجوع نہیں کیا۔ اب جبکہ ولادت ہو چکی ہے، تو رجوع کرنے کی کیا صورت ہو گی ؟ کیا دوبارہ نکاح کی ضرورت ہے ؟ نکاح ثانی کی صورت میں مہر جدید کی ضرورت ہو گی۔ حاملہ عورت اگر ایک طلاق کے بعد عدت نہ گذارے تو کیا کفارہ ادا کرنا پڑے گا ؟

الجواب :

اگر واقعی ایک طلاق دی تھی، تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی۔ طلاق حاملہ کو بھی ہو جاتی ہے۔ بچہ پیدا ہونے سے عدت ختم ہو گئی۔ اب نکاح ثانی نئے مہر کے ساتھ دوبارہ کرنا ہوگا۔ حلالہ کی ضرورت نہیں۔ بیوی نے اگر عدت نہیں گذاری تو طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ اس میں بیوی بناؤ سنگھار ترک نہیں کرتی ہے۔ بلکہ یہ سب کام کرتی ہے تاکہ شوہر کو اس بیوی سے رغبت ہو اور شوہر طلاق سے رجوع کرلے۔

رجوع کے بعد تین طلاقوں کے مالک ہونے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی ہو، پھر عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیا تو یہ طلاق زندگی بھر قائم رہے گی یا اس کی حیثیت ختم ہو جائے گی ؟

زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، عدت سے پہلے رجوع کر لیا، کچھ عرصہ بعد ایک نئی طلاق دی، پھر عدت سے پہلے رجوع کر لیا، چند سال بعد پھر ایک طلاق دی اور عدت گذارنے سے پہلے رجوع کر لیا۔ اس طرح بار بار طلاق دینے سے کون سی طلاق واقع ہوئی ؟ اور کیا اس طرح زید کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

سائل : اشتیاق سلطانی، نارتھ ناظم آباد، کراچی

الجواب :

شوہر کو اپنی زندگی میں بیوی کو صرف تین طلاق دینے کا حق حاصل ہے اور دو طلاق رجعی میں اسے رجوع کا بھی حق حاصل ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ

(سورۃ(۲)البقرۃ،آیت : ۲۲۹)

یہ طلاق دوبار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا اچھائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

(کنزالایمان)

رجوع کر لینے کے بعد بھی یہ طلاق شمار ہوتی ہے اور اس کی حیثیت ختم نہیں ہوتی، باقی رہتی ہے۔ لہٰذا ان کے بعد اگر طلاق دے گا تو اب رجوع نہیں کر سکتا۔ صورت مسئولہ میں زید نے دو مرتبہ طلاق رجعی دی اور رجوع کر لیا۔ پھر طلاق دی، جس سے زید کی بیوی پر تین مغلظ طلاقیں واقع ہو گئیں اور زید پر یہ بیوی حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو گئی۔ اب ان دونوں کا نکاح بغیر حلالہ شرعی کے نہیں ہو سکتا۔

اپنی بیوی سے کہنا کہ تو میرے لئے حرام ہے

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ "اگر میں تمھارے ساتھ صحبت کروں تو اپنی بیٹی سے کروں، تو میرے لئے حرام ہے" یہ الفاظ ایک ہی بار کہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کی بیوی پر طلاق بائن ہو گئی۔ یعنی یہ بیوی اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہو گئی، اب شوہر چاہے تو عدت کے اندر اور عدت کے بعد بھی مہر جدید کے ساتھ، نکاح جدید کر سکتا ہے۔ حلالہ کی اس میں ضرورت نہیں۔

طلاق ثلاثہ کا بیان

ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کا شرعی حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ مسلک احناف کے علماء نے شرعی حکم بتلادیا کہ تین طلاق پڑ گئی ہیں۔ اب تیری بیوی تیرے لئے بغیر حلالہ کے جائز نہیں۔ مگر اس شخص نے اہلحدیث حضرات سے فتوٰی لے کر بیوی کو الگ نہیں کیا۔ ایسے شخص کے ساتھ رشتے داروں کو ملنا چاہئے یا نہیں اور یہ شخص کس درجے کا گناہ گار ہے ؟

(۲) اگر مذکورہ بالا شخص دو تین ماہ بعد لوگوں کے سمجھانے سے بیوی کو الگ کر دیتا ہے اور اب وہ بغیر حلالہ کے اس کو نکاح میں نہیں لاتا تو وہ جو درمیانی عرصہ میں اہل حدیث کے فتوے پر عمل کرتے ہوئے مطلقہ کو بیوی سمجھ کر رکھا تو شریعت میں اس کی تلافی کی کیا صورت ہے ؟ تاکہ آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔

الجواب :

(۱) ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رضی اللہ عنھم اجمعین کے نزدیک تین طلاق ایک مجلس میں دینے سے بھی تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں۔ غیر مقلدین غلط فتوٰی دیتے ہیں۔ تین طلاق دینے کے بعد بیوی سے بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جس شخص نے مطلقہ ثلاثہ کو اپنے پاس رکھا ہے وہ حرام کاری میں مبتلا ہوا۔ اہل محلّہ اور رشتہ داروں کو اس سے ملنا جلنا ناجائز و گناہ تھا جب تک وہ اس عورت کو اپنے سے جدا نہ کردے اور بالاعلان توبہ نہ کرے۔

(۲) بغیر حلالہ اور بغیر نکاح جتنے دن بیوی اور شوہر ایک ساتھ رہے، گناہ کرتے رہے اور اگر انہوں نے حقوق زوجیت ادا کئے تو حرام کاری میں مبتلا رہے، انھیں بالاعلان جدا ہونے کے بعد توبہ کرنی چاہیئے۔

غیر مدخولہ پر طلاق ثلاثہ واقع ہونے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے حالت بلوغ میں بالغہ عورت ہندہ سے نکاح کیا۔ ایک سال بعد رخصتی ہونا تھی۔ لیکن ہندہ کے گھر والوں نے طلاق کا مطالبہ کیا اور زید نے حواس کی درستگی کے ساتھ تین طلاقیں دی دیں۔ بلکہ تحریراً لکھ کر دیا اور لکھا کہ ہندہ مجھ پر حرام ہے، میرا اس سے رشتہ ازدواج باقی نہیں ہے۔ بلکہ مسماۃ کو حق ہے کہ وہ جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح ثانی کرلے۔ ہندہ رخصت ہو کے زید کے گھر نہیں گئی اور نہ ہی زید اور ہندہ میں کوئی تعلق زن و شوہر ہوا تھا۔ آیا زید دوبارہ ہندہ سے بغیر حلالہ نکاح کر سکتا ہے ؟

سائل : مظفر علی خان، مظفر گڑھ

الجواب :

جو بیوی اپنے شوہر کے ساتھ کبھی تنہائی میں جمع نہیں ہوئی، شوہر نے اس کو تین طلاقیں تین لفظوں سے دی ہیں۔ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ لہٰذا پہلے لفظ سے بیوی پر غیر مدخولہ (وہ بیوی جس سے عمل زوجیت نہ کیا گیا

ہو) ہونے کی وجہ سے ایک طلاق بائن واقع ہو گئی۔ بائن کو بائن لاحق نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا بعد کے الفاظ سے اور طلاق نہیں ہو گی۔ یہ شوہر اس بیوی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں۔ مگر پہلے والے نکاح میں جو مہر مقرر ہوا تھا، اس میں قبل صحبت طلاق دینے کی وجہ سے آدھا مہر شوہر پر دینا واجب ہو گا۔

غیر مدخولہ پر طلاق ثلاثہ واقع ہونے کی دو صورتیں

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے شادی کے تین ماہ بعد اپنے سسر اور چار گواہوں کے سامنے اولاً زبانی ثانیاً لکھ کر اپنے دستخط کے ساتھ صریح الفاظ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ اور بعد میں علمائے دین سے فتویٰ لایا۔ اس میں علمائے دین نے کہا کہ ازدواجی حیثیت باقی نہیں رہی، نکاح بالکل ختم ہو گیا۔ لیکن چند دن بعد زید نے بیوی سے بغیر حلالہ کے ازدواجی حیثیت قائم کر لی۔ اب جب زید سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا میں نے تین ماہ کے اندر تین طلاقیں دیں اس بیوی سے مجامعت نہیں کی تھی۔ لہٰذا حلالہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس بارے میں آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ :

(۱) کسی نے شادی کے بعد مجامعت سے پہلے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ تو کیا حلالہ کئے بغیر دوبارہ تجدید نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) اس کے ساتھ معاشرتی زندگی میں بیٹھنا اٹھنا کیسا ہے ؟

(۳) اگر وہ شخص امام ہو تو اس کے پیچھے اقتدا صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر صحیح نہیں تو جو نمازیں اسکی اقتداء میں اسکے اس عمل کے بعد پڑھیں، ان کو دہرانے کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ جواب سے نوازیں۔

سائل : احمد شکور، چاٹگام، بنگلہ دیش

الجواب :

نکاح کے بعد اگر شوہر نے وطی نہیں کی اور خلوت صحیحہ (دونوں میاں بیوی کا تنہائی میں جمع ہونا) بھی نہیں ہوئی ہے، تو طلاق دینے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ایک لفظ میں تین طلاقیں دیں۔ مثلاً یہ کہا کہ تجھے تین طلاق تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اس صورت میں بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ ان کا نکاح جائز نہ ہو گا۔ اور اگر تین مرتبہ الگ

الگ تین طلاقیں دیں۔ مثلاً یہ کہا کہ تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق تو پہلی طلاق سے ہی نکاح ختم ہو جائے گا اور دوسری دو طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔ اس لئے کہ غیر مدخولہ (جس کے ساتھ وطی نہ کی گئی ہو) کو طلاق رجعی نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک طلاق دینے سے بھی طلاق بائن ہوتی ہے اور طلاق بائن کے بعد وہ عورت محل طلاق نہیں رہتی۔ اس لئے طلاق کے دوسرے الفاظ لغو ہو جاتے ہیں۔

اس صورت میں یہ شوہر دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں عدت نہیں۔ اور اگر وطی کر چکا تھا تو دونوں صورتوں میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ خواہ ایک لفظ سے دے یا جدا جدا تین الفاظ کے ساتھ دے۔ دونوں صورتوں میں یہ شوہر بغیر حلالہ دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ اگر زید بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد بغیر حلالے کے ساتھ رکھے ہوئے ہے، تو وہ فاسق ہے۔ تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب تک یہ شخص اس بیوی کو جدا کر کے بالاعلان توبہ نہ کرے، اس وقت تک اس سے قطع تعلق کر لیں اور اس سے ملنا جلنا بند کر دیں۔ اگر یہ لوگ قطع تعلق نہیں کرتے تو یہ بھی اس گناہ کے عذاب میں شریک ہوں گے۔

اور اگر غیر مدخولہ بیوی تھی اور اس سے بغیر حلالہ نکاح کر لیا تھا، جبکہ طلاق تین الفاظ کے ساتھ یعنی تین مرتبہ میں دی تھی، تو یہ نکاح جائز تھا اور اگر بغیر نکاح ثانی رکھے ہوئے ہے، جب بھی حرام کار ہے اور اس کا وہی حکم ہے جو اوپر لکھ دیا گیا ہے۔

ایک ہی لفظ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

بیوی سے تنازع کے دوران حالت غصہ میں، میں نے اپنی بیوی مسماۃ فرزانہ کو ایک ہی سانس میں تین بار طلاق طلاق طلاق کہا اور پھر کہا تو میری ماں بہن ہے۔ اب ہم دونوں پشیمان اور نادم ہیں اور ہمارا ایک شیر خوار بچہ ہے۔ اگر ہمارے درمیان بغیر حلالہ شرعی کے میاں بیوی کی حیثیت قائم ہو سکتی ہو تو برائے مہربانی اس کی وضاحت فرمائیں۔ جناب کی عین نوازش ہو گی۔

سائل: صادق خان،

الجواب :

یہ سوال خود شوہر دار الافتاء میں لے کر آیا اور اس نے یہ بیان کیا کہ "میں نے تین بار کہا طلاق دی طلاق دی طلاق دی"۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اور یہ بیوی حرمت مغلظہ سے حرام ہو گئی۔ دونوں کا دوبارہ نکاح بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکتا اس استفتاء کے ساتھ جو فتوٰی سائل نے منسلک کیا ہے، وہ غلط اور باطل ہے۔ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ چاروں ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے اگرچہ ایک ہی لفظ سے ہوں، تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ شیخ الاسلام محی الدین ابی زکریا یحیٰی بن شرف النووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ نے شرح مسلم میں لکھا :

قال الشافعي ومالک وابو حنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلٰث

(برحاشيه مسلم شريف، جلد(١) كتاب الطلاق، باب وجوب الكفارة، صفحه : ٤٧٨، قديمي كتب خانه، كراچی)

یعنی امام شافعی و مالک و ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے علاوہ جمہور علماء سلف و خلف کا یہی قول ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک بار تین طلاقیں دینے سے نہ صرف حنفیہ کے نزدیک بلکہ باجماعِ ائمہ اربعہ طلاق مغلظہ واقع ہو جاتی ہے۔ شیخ الاسلام کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن ہمام متوفی ٦٨١ھ نے فتح القدیر میں لکھا :

ذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعده من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلث

(جلد(٣) كتاب الطلاق، صفحه : ٣٣٠، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

یعنی جمہور صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد ائمہ مسلمین کا یہی مذہب ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تین واقع ہوتی ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ نہ صرف فقہاء بلکہ جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مسلمین کا بھی یہی مذہب ہے جو

مذکور ہوا۔ استفتاء سے منسلک جواب کسی غیر مقلد کا ہے جو علم سے عاری ہے اور جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں ہو جانے پر، صحابہ، تابعین اور جمہور ائمہ مسلمین رضی اللہ e اجمعین کا اجماع ہے۔ لہٰذا غیر مقلد کے د Ø ہوئے فتوی پر ہرگز عمل نہیں کیا جائے گا۔

حدیثِ رکانہ اور طلاق ثلاثہ

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

برائے کرم مندرجہ ذیل حدیث کی وضاحت فرمائیں کہ ”حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ مجلس واحد میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیکر سخت پریشان ہوئے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیسے طلاق دی تھی؟ جواب دیا تین۔ فرمایا: کیا ایک ہی مجلس میں؟ جواب دیا جی ہاں! فرمایا: پھر تو وہ ایک ہی شمار ہوگی۔ اگر رجوع کرنا چاہتے ہو تو کرلو! انھوں نے رجوع کرلیا“۔ وضاحت کا طلبگار ہوں۔

سائل: ثروت خان، کراچی

الجواب:

حضرت رکانہ کے واقعہ کو صحیح سند کے ساتھ ترمذی، ابو داؤد، دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی: ۲۷۵ھ کے الفاظ یہ ہیں:

ان رکانة ابن عبد یزید طلق امرأته سهیمة البتة فاخبر النبی ﷺ بذالک وقال والله ما اردت الا واحدة فقال رسول الله ﷺ والله ما اردت الا واحدة فقال رکانة والله ما اردت الا واحدة فردها الیه رسول الله ﷺ فطلقها الثانیة فی زمان عمر والثالثة فی زمان عثمان

(ابو داؤد، حصه اول، کتاب الطلاق، باب فی البتة، صفحه: ۳۰۷، مکتبه حقانیه، ملتان)

بے شک رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی نبی کریم ﷺ کو اس بارے میں بتایا گیا اور حضرت رکانہ نے قسم اٹھا کر کہا کہ میرا ایک طلاق کا ہی ارادہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر حلفیہ پوچھا کہ کیا تمھارا ایک ہی کا ارادہ تھا تو حضرت رکانہ نے کہا کہ قسم بخدا میں نے نہیں ارادہ کیا مگر ایک کا پس رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کی طرف پھیر دیا۔ پھر حضرت رکانہ نے حضرت عمر کے دور خلافت میں دوسری طلاق دی اور حضرت Cن کے دور خلافت میں تیسری طلاق دی۔

ابو داؤد میں اسی رکانہ کی حدیث کے بارے میں اس باب سے تین باب پہلے لکھا:

ان رکانة انما طلق امرأته البتة فجعلها النبی ﷺ واحدة

بیشک حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاقِ البتہ دی تو نبی کریم ﷺ نے اس کو ایک قرار دیا۔

تو صحیح واقعہ یہ ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے طلاق "البتہ" دی تھی۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا تو انھوں نے حلفیہ ایک طلاق کا اقرار کیا تو حضور ﷺ نے ان کی بیوی کو انکی طرف لوٹا دیا۔ جن لوگوں نے حضرت رکانہ کے تین طلاق دینے کی روایت کی، وہ روایت سند کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے۔ شیخ الاسلام محی الدین ابی زکریا یحییٰ بن شرف النووی دمشقی شافعی متوفی ٦٧٦ھ المعروف علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا:

واما الروایة التی رواها المخالفون ان الرکانة طلق ثلاثا فجعلها واحدة فروایة ضعیفة عن قوم مجهولین وانما الصحیح منها ما قدمنا انه طلقها البتة ولفظ البتة محتمل للواحدة والثلاث ولعل صاحب هذه الروایة الضعیفة اعتقد ان لفظ البتة یقتضی الثلاث فررواه بالمعنی الذی فهمه وغلط فی ذالک

(مسلم شریف، جلد(۱) کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارة، صفحہ: ۴۷۸، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

بہر حال وہ روایت جس کو مخالفین نے روایت کیا کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں اور اس کو ایک قرار دیا گیا پس یہ روایت کمزور ہے۔ کیونکہ راویان غیر معروف ہیں اور صحیح وہ ہے جو ہم نے اوپر لکھ دیا کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور لفظ البتہ میں ایک اور تین دونوں کا احتمال ہے شاید روایت ضعیفہ کے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ لفظ البتہ تین پر بولا جاتا ہے پس اپنی سمجھ میں آنے والے معنی کی روایت کر دی اور اس میں غلطی کی۔

لہٰذا صحیح یہی ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں نہیں دی تھیں بلکہ طلاق البتہ دی تھی

راوی نے اپنی روایت میں البتہ کے معنی تین سمجھ کر ثلاث کا لفظ بڑھا دیا کیونکہ البتہ کا لفظ ایک اور تین دونوں کا " تھا لیکن حضور علیہ السلام نے حضرت رکانہ سے پوچھا تو انھوں نے عرض کیا کہ میری نیت ایک کی ہے جیسا کہ اوپر صحیح روایت میں نقل کیا گیا۔

طلاق مغلظہ

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میاں بیوی میں بچوں کی وجہ سے جھگڑا شروع ہوا۔ نوبت مار پیٹ تک پہنچ گئی۔ عورت نے پٹائی کی وجہ سے شور مچایا۔ پڑوسی جمع ہو گئے۔ پڑوسیوں نے ان کو چھڑایا بعد میں شوہر نے چارپائی پر بیٹھ کر اپنی بیوی کو کہا "میں نے آپ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی"۔ پڑوسیوں نے اسکو سمجھایا مگر اسکے باوجود اس نے دوبارہ کہا کہ میں نے طلاق دی ،طلاق دی، طلاق دی۔

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور و ممنون فرمائیں۔

سائل : محمد جمیل، مہاجر کیمپ، سعید آباد، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔ اب ان دونوں کا نکاح بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکتا ہے۔ حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے شوہر کی عدت ختم ہونے کے بعد یہ عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کرلے اور ان دونوں میں زوجیت کے تعلقات قائم ہوں۔ پھر جب وہ شوہر طلاق دے دے یا مر جائے تو شوہر ثانی کی عدت گذارنے کے بعد اس عورت کا نکاح شوہر اول سے ہو سکے گا۔

طلاق ثلاثہ کے بعد ایک ساتھ رہنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر میکے چلی گئی۔ اس کے شوہر نے غصہ میں آکر، اس کو ایک خط تحریر کیا، جس میں اس نے یہ لکھا کہ ”اگر تم فوراً واپس نہیں آؤ گی تو میں تمھیں طلاق دے دوں گا، مگر تنبیہاً ابھی صرف ایک طلاق لکھ کر بھیج رہا ہوں“۔ اس کو پڑھتے ہی عورت فوراً واپس آگئی اور ان کی ازدواجی زندگی پھر سے ہنسی خوشی گذرنے لگی۔ مگر ایک یا ڈیڑھ سال بعد اس شخص نے ایک اور شادی کر لی۔ کافی عرصہ بعد جب اس کی پہلی بیوی کو خبر ہوئی کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے، تو وہ بہت ناراض ہوئی۔ لہٰذا گھر میں خوب لڑائی جھگڑا ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے شوہر نے غصہ میں آکر دو مرتبہ طلاق، طلاق کا لفظ استعمال کیا۔ مگر اب بھی وہ لوگ ساتھ رہتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد اس شخص نے اپنی دوسری بیوی کو بھی طلاق دے دی اور پہلی بیوی کے ساتھ اب بھی زندگی بسر کر رہا ہے۔

آپ یہ بتائیے کہ اس مسئلے کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا وہ بیوی اب بھی اس کے نکاح میں ہے یا نہیں؟

سائل: اظہار الدین، پی آئی بی کالونی، کراچی

الجواب:

شوہر کو عمر بھر میں تین طلاقیں دینے کا اختیار ہے۔ اگر متفرق اوقات میں طلاقیں دیتا رہے، اور رجعت بھی کرتا رہے، تو یہ طلاقیں شمار میں باقی رہتی ہیں۔ جس دن تیسری طلاق دے گا پہلی طلاقوں کے ساتھ ملکر یہ طلاق بیوی کو حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام کر دے گی۔ اور پھر ان کا نکاح بھی بغیر حلالے کے نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں پہلے جو ایک طلاق دی تھی، اس کے بعد شوہر کو دو طلاقوں کا حق رہ گیا تھا۔ اب اس نے جس دن دو طلاقیں دیں، وہ پہلی طلاق کے ساتھ ملکر تین ہو گئیں اور یہ بیوی اس کیلئے حرمت مغلظہ سے حرام ہو گئی۔ ان کو ملنا جلنا، ساتھ رہنا، سب حرام ہو گیا۔ یہ لوگ جو، اب بھی ساتھ رہ رہے ہیں، یہ حرام کاری کی زندگی گذار رہے ہیں۔ ان کو فوراً جدا ہونا فرض ہے۔ اور اہل محلّہ اور رشتہ دار جو، ان کے حالات کو جانتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اثرات اور طاقت کا استعمال کر کے انہیں جدا کریں۔ اور اگر یہ جدا نہ ہوں تو ان سے تعلقات منقطع کر لیں، ان سے سلام کلام بند کر دیں ورنہ یہ بھی ان کے گناہ میں شریک ہوں گے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(سورۃ (٦) الانعام، آیت: ٦٨)

یعنی نصیحت آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ (کنز الایمان)

ایک لفظ میں بولی گئی طلاق ثلاثہ کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اس خط کے ساتھ ایک فتویٰ کی کاپی منسلک ہے، جو مفتی جماعت غربائے اہلحدیث کی جانب سے دیا گیا ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ :

(۱) کیا یہ فتویٰ صحیح ہے ؟

فقہ حنفی کے مطابق صورت مذکورہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : محمد اقبال، لانڈھی، کراچی

الجواب :

قرآن کریم میں ہے :

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

یعنی پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی۔ جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنزالایمان)

اس آیت شریفہ سے یہ ثابت ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے۔ اب نہ اس سے رجوع ہو سکتا ہے نہ دوبارہ نکاح، جب تک کہ حلالہ نہ ہو۔ یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے پھر اسکی عدت گذارے۔ پھر شوہر اول کیلئے حلال ہوگی۔

اس سوال کے ساتھ غیر مقلد کے فتویٰ کی جو فوٹو کاپی منسلک ہے، یہ فتویٰ نہیں گمراہی کا سرٹیفکیٹ ہے۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے نہ صرف فقہائے احناف کے نزدیک بلکہ باجماع مذاہب اربعہ تین طلاقیں مغلظہ ہو جاتی ہیں۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنھم ائمہ میں سے کسی امام نے اس بارے میں اختلاف نہیں فرمایا۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ نہ صرف ائمہ اربعۃ المسلمین متفق ہیں بلکہ جمہور صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ فتح القدیر میں ہے :

ذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى ان يقع ثلاث

(جلد(۳) كتاب الطلاق ، صفحه : ۳۳۰، مكتبه رشيديه ، كوئٹه)

غیر مقلد کا فتوٰی قرآن وحدیث جمہور صحابہ و تابعین اور ائمۃ المسلمین کے صریح خلاف ہے۔آج تک کسی مستند مفتی نے یہ فتوٰی نہیں دیا جو غیر مقلد دیتے ہیں۔ مسلمان ہرگز اس فتوٰی پر عمل نہ کریں۔ جس شخص کے بارے میں غیر مقلد سے سوال کیا گیا تھا، اس کی بیوی پر تین مغلظہ طلاقیں واقع ہو گئیں اور یہ بیوی اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو گئی اب ان دونوں کا دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکتا۔ غیر مقلدوں کا یہ لکھنا کہ عہد نبوی اور عہد صدیقی میں ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں۔ عہد فاروقی میں تین شمار کی جانے لگیں۔ غیر مقلد اس کے ساتھ یہ بھی لکھیں کہ معاذ اللہ سب سے پہلے دین کو حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدلا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق ثلاثہ کے بارے میں غیر مقلدین کی ہٹ دھرمی

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں ایک ہی لفظ میں دے دیں۔ طلاق دینے کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہوا ۔ غیر مقلد اہلحدیث علماء سے رجوع کیا تو ان لوگوں نے جو جواب دیا، وہ آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں۔آپ قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں جواب دیں کہ آیا ان لوگوں کے جواب کے مطابق ایک ہی طلاق واقع ہوئی یا مجھ پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ امید ہے کہ تسلی بخش جواب سے نوازیں گے۔

سائلہ :خورشید بانو، نارتھ کراچی

الجواب :

یہ سوال ہمیں لڑکی کی جانب سے پیش کیا گیا ہے اور اس سوال کے ساتھ اس فتوٰی کی فوٹو کاپی بھی منسلک ہے، جو اس کے سابق شوہر آصف منصور خان نے نام نہاد جماعت المسلمین غیر مقلدین سے حاصل کیا ہے۔ اس گروہ کے کسی شخص نے تین طلاقوں کے متعلق جو جواب دیا ہے، اسے پڑھا۔ مجیب کا جواب نہ صرف قرآن و حدیث بلکہ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمۃ المسلمین کے مؤقف کے بالکل خلاف ہے بلکہ اس سے اس گروہ کی گمراہی اور بے دینی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَه‘ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه‘

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت : ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے ۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد، عورت شوہر پر بحرمت مغلظہ حرام ہو جاتی ہے۔ اب اس سے رجوع ہو سکتا ہے نہ دوبارہ نکاح، جب تک کہ حلالہ نہ ہو۔ یعنی بعد عدت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے، پھر اس کی بھی عدت گذر جائے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین مغلظہ طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اور یہ بیوی اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو گئی۔ اب ان دونوں کا دوبارہ نکاح بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو ابو داؤد سلیمان بن الاشعث متوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابو داؤد میں نقل کیا :

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَجَآءَه‘ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّه‘ طَلَّقَ اِمْرَأَتَه‘ ثَلَاثًا قَالَ: فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّه‘ رَادُّهَا اِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَنْطَلِقُ اَحَدُكُمْ فَيَرْكَبُ الْحُمُوْقَةَ ثُمَّ يَقُوْلُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَاِنَّ اللّٰهَ قَالَ : وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّه‘ مَخْرَجًا وَاِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللّٰهَ فَلَا اَجِدُ لَكَ مَخْرَجًا عَصَيْتَ رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ اِمْرَأَتُكَ

(كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، صفحه: ٣٠٦، مكتبه حقانيه، ملتان)

حضرت مجاہد سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے بتایا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ اس کی بیوی اسے لوٹا دیں گے۔ پھر فرمایا تم میں جو حماقتوں پر سوار ہو جاتا ہے۔ پھر چیختا ہے۔ اے ابن عباس! اے ابن عباس۔ بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کیلئے نجات کی راہ نکال دیتا ہے" اور تم ڈرے نہیں تو مجھے تمھارے لئے کوئی راہ نہیں سوجھتی۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تم سے تمھاری عورت جدا ہو گئی۔

جمہور صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد ائمۃ المسلمین کے نزدیک ایک ہی وقت میں اور ایک ہی لفظ سے دی گئیں تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ چنانچہ باجماع مذاہب اربعہ ایک بار ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تین مغلظہ طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔ اور اس بارے میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا سائلہ پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو مطلقہ ثلاثہ جانے اور خود کو اس کے نکاح سے خارج یقین کرے۔ اگر بغیر حلالہ شرعی اپنے سابقہ شوہر سے رجوع کیا تو دونوں حرام کاری کے مرتکب ہوں گے اور ایسی صورت میں برادری والوں پر ضروری ہو گا کہ وہ ان دونوں کو اپنی برادری سے خارج کر دیں اور ان سے سلام و کلام اور کسی قسم کا کوئی معاملہ نہ کریں نہ ان کے پاس بیٹھیں اور نہ ہی انھیں اپنے پاس بیٹھنے دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(سورۃ (٦) الانعام، آیت : ٦٨)

تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (کنزالایمان)

طلاق مکرہ کا بیان

زبردستی طلاق دلوانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں لکھ کر دے۔ مثال کے طور پر اس طرح لکھا کہ میں باہوش وحواس طلاق دے رہا ہوں، طلاق دے رہا ہوں، طلاق دے رہا ہوں۔ لکھے بھی اور زبانی بھی کہے۔ لیکن یہ لکھنا اور بولنا اپنی رضامندی سے نہیں بلکہ زبردستی اور جان سے مارنے کی دھمکی سے ہو اور ایک دو پتھر مار بھی دیئے گئے ہوں۔ تو کیا شریعت میں زبردستی دلوائی ہوئی، طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد صدیق، برنس روڈ، کراچی

الجواب :

شریعت میں اکراہ (زبردستی) کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قتل کرنے کی دھمکی یا کسی عضو کاٹ دینے کی دھمکی دی جائے۔ اور جس پر جبر کیا جارہا ہے اس کا غالب گمان یہ ہو کہ دھمکی دینے والا یہ کام کردے گا، جو وہ کہہ رہا ہے۔ محض ڈرانے دھمکانے یا دو چار پتھر مار دینے کو شریعت میں اکراہ و جبر نہیں کہتے ہیں۔ لیکن طلاق اگر جان سے مار دینے سے یا کسی عضو کے کاٹ دینے کی دھمکی دے کر دلوائی جائے تب بھی شریعت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
ہمارے تمام فتاوٰی میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا :

وطلاق المکرہ واقع

(اولین ، کتاب الطلاق، باب طلاق السنۃ ، فصل، ویقع طلاق کل زوج ، صفحہ : ۳۵۸، مکتبہ شرکت علمیہ ، ملتان)

یعنی زبردستی کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ہدایہ کی جلد دوم میں ہے :

وان اکرہ علی طلاق امرأتہ او عتق عبدہ ففعل وقع ما اکرہ علیہ

(آخرین ، کتاب الاکراہ، صفحہ : ۳۵۰، مکتبہ شرکت علمیہ ، ملتان)

یعنی اگر کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دینے پر مجبور کیا گیا یا غلام کو آزاد کرنے پر اور اس نے ایسا کر دیا تو جس چیز پر مجبور کیا گیا وہ واقع ہو جائے گی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور یہ بیوی اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ سے حرام ہو گئی ۔اب ان دونوں کا نکاح بھی بغیر حلالہ شرعی نہیں ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق مکرہ سے بچنے کیلئے تبدیلئ مسلک کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق مکرہ دی یعنی زبردستی طلاق دلوائی گئی۔ ماں باپ اور بھائیوں کی طرف سے دباؤ تھا۔ کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ حلالہ کے علاوہ کوئی اور صورت بھی ممکن ہے کہ جس سے دوبارہ میاں بیوی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں۔ کیا کوئی حنفی اپنے مسلک کے علاوہ شوافع کے قول پر عمل کر سکتا ہے؟ ایسی کوئی رعایت ہے؟ بینوا وتوجروا

الجواب:

شریعت میں اکراہ کا مطلب یہ ہے کہ زبردستی کرنے والا! قتل کر دینے یا کسی عضو کو کاٹ دینے کی دھمکی دے۔ اور جس کو دھمکی دی جارہی ہے اسکا غالب گمان ہے کہ یہ ایسا کر دے گا۔ اگر ایسا اکراہ (زبردستی) بھی ہو، اور طلاق دلوائی جائے، تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس پر حنفیہ کا اتفاق ہے۔ اور یہ جائز نہیں ہے کہ جب چاہے، جس مسئلے میں چاہے دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرے۔ یہ تبدیلی مسلک نہیں بلکہ اتباع نفس کہلائے گا۔ لہٰذا اس شخص کی بیوی پر تین مغلظ طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اور یہ بیوی اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو گئی۔ اب دونوں کا نکاح دوبارہ بغیر حلالہ شرعی کے نہیں ہو سکتا۔

زبردستی طلاق دلوانے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید نے ہندہ سے شرعی طور پر نکاح کیا تھا۔ زید کے ساس سسر اور دوسرے رشتہ داروں نے اسے ڈرا دھمکا کر رات کے ڈھائی بجے زید کو گھر سے باہر لے جا کر ہندہ کو طلاق دینے کا دباؤ ڈالا۔ جان کے ڈر سے زید نے ان کے کہنے پر ہندہ کو تین طلاقیں دے دیں۔ حالانکہ وہ دل سے طلاق نہیں دینا چاہتا تھا اور نہ دی ہے۔ اسکی بیوی بھی

طلاق لینے کے حق میں نہیں تھی۔ وہ زید کے ساتھ گھر بسانا چاہتی ہے۔ آپ سے استدعاء ہے کہ برائے کرم قرآن و شرع کے لحاظ سے تحریری جواب دیں کہ آیا طلاق ہوئی یا نہیں ؟

سائل : خلیل احمد، الفتح کالونی، کراچی

الجواب :

یہ سوال ہم نے خود سائل سے دریافت کیا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اور یہ بیوی اپنے شوہر کیلئے حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو گئی۔ اب ان دونوں کا نکاح بھی دوبارہ بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ اکراہ شرعی ہے ہی نہیں۔ شریعت میں اکراہ کا مطلب یہ ہے کہ "کوئی شخص اس طرح آلہ قتل کو ہاتھ میں لے کر اس طرح کھڑا ہے کہ جس پر جبر کیا جا رہا ہے، اس کا ظن غالب ہو جائے کہ اگر میں اس کا کہنا نہیں مانوں گا تو یہ مجھے قتل کر دے گا"۔ لیکن طلاق اس صورت میں بھی واقع ہو جائے گی۔ اس بارے میں فقہاء کے دلائل اسی بحث کے شروع میں ملاحظہ کیجئے۔

قتل کرنے کی دھمکی دے کر طلاق دلوانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کو اس کے سسرالیوں نے اپنے گھر بلا کر کمرے میں بند کر کے مارا پیٹا اور اسکے گلے پر چاقو رکھ کر دھمکی دی کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو! ورنہ تمھیں جان سے مار دیا جائے گا۔ چنانچہ زید نے اپنی جان بچانے کی خاطر اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ آیا یہ طلاق ہو گئی یا نہیں ؟

سائل: عبدالحمید خان، منگھوپیر روڈ، کراچی

الجواب :

زبردستی طلاق دلوانے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

صح نكاحه وطلاقه وعتقه

(بر حاشيه شامي، جلد(۵) كتاب الاكراه، صفحه: ۹۵، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

یعنی زبردستی کا نکاح، طلاق اور آزاد کرنا واقع ہو جاتا ہے۔

باقی رہا یہ معاملہ کہ طلاقیں کتنی ہوئیں تو اگر یہی لفظ جو سوال سے ظاہر ہوتا ہے، صرف ایک بار بولا ہے، تو عورت کا مدخول بھا (جس سے وطی ہو چکی ہو) ہونے کی صورت میں ایک طلاق رجعی ہوگی۔ عدت کے اندر شوہر رجوع کر سکتا ہے، نکاح جدید کی ضرورت نہیں ہے اور اگر عورت مدخول بھا نہیں ہے تو طلاق بائن ہوگی۔ اس میں دوبارہ نکاح عدت میں بھی اور عدت کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور اگر اس نے یہ لفظ تین بار بولا تھا یا یہ کہا تھا کہ تین طلاقیں دیں تو تین طلاقیں ہو گئیں اور اب ان دونوں کا نکاح بغیر حلالہ شرعی کے نہیں ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

طلاقِ معلق کا بیان

طلاقِ معلق کی مختلف صورتیں

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

عبد الستار نے حلفاً کہا "اگر میں عبد الجبار کے لڑکے کو اپنی لڑکی کا نکاح دوں تو میری بیوی کو طلاق ہو، اب عبد الستار کے والد صاحب اور بھائی یہ نکاح اپنی ذمہ داری پر کرا دینا چاہتے ہیں۔ اب اس صورت حال کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل وضاحت طلب ہیں :

(۱) دنیاوی رسوم کے مطابق عبد الستار شادی میں شرکت کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) دنیاوی رسوم کے مطابق عبد الستار اپنے گھر میں برات کو دعوت دے سکتا ہے یا نہیں ؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

سائل : مہر دین، مظہر اقبال

الجواب :

یمین (قسم) اور تعلیق (معلق کرنا) کے الفاظ میں عرف میں جو معنی متعارف ہوتے ہیں وہی مراد لئے جاتے ہیں ۔ عبدالستار کے یہ الفاظ کہ "اگر میں عبدالجبار کے لڑکے کو اپنی لڑکی کا نکاح دوں تو میری عورت کو طلاق ہو" عرف عام میں نکاح دینا شادی کرنے کے معنی میں متعارف ہے، صرف عقد کروانا ہی معنی نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا شادی کے انتظامات میں جہیز کا انتظام کر کے دعوت دینا وغیرہ بھی مراد لئے جائیں گے۔ ان میں کوئی کام عبدالستار نہیں کر سکتا ہے اور دوسرے لوگ دادا، نانا، چچا وغیرہ کوئی بھی کرے تو عبدالستار کی شرط نہیں پائی جائے گی۔ انتظام ان لوگوں نے کیا۔ عبدالستار نے نہ دعوت دی نہ پیسہ خرچ کیا، صرف شریک ہو گیا تو شرط نہیں پائی جائے گی اور اگر عبدالستار خود یہ کام کرے گا تو شرط کے مطابق طلاق واقع ہو جائے گی۔

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کوئی شخص یہ کہے کہ " آج کے بعد اگر میں ساس کے گھر گیا تو میری بیوی پر تین طلاقیں " اب اگر شخص مذکور اپنے ساس سسر کے گھر چلا جائے تو کیا اسکی بیوی پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ حالت غصہ میں دی گئی طلاق کا کیا حکم ہے؟ آیا طلاق ہو جاتی ہے یا اسکا کوئی کفارہ وغیرہ دینا پڑتا ہے۔ براہ مہربانی ان سوالات کا جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : سید گل، مہاجر کیمپ، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں جب بھی وہ شخص ساس کے گھر جائے گا تو اسکی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور وہ اس پر حرمت مغلظہ سے حرام ہو جائے گی۔ تنہائی اور حالت غصہ میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس میں کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے اور یہ الفاظ بولنے کے بعد، ان الفاظ کو واپس بھی نہیں لیا جا سکتا۔

واللہ تعالٰی اعلم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متن اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ماں نے اپنے ایک بیٹے سے کہا "اگر تم نے دوکان سے چوری کی، تو تمہاری بیوی پر طلاق"۔ بیٹے نے کہا "ہاں" ۔اب اس نے چوری کی ہے یا نہیں۔ اگر کی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ دوکان کا مالک اس کا بڑا بھائی ہے اور بھائی نے یہ کہہ رکھا ہے کہ "اگر تمھیں پیسوں کی ضرورت پڑے تو تم لے سکتے ہو" تو اس صورت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

سائل: قاری عزیز اللہ حقانی، فرنٹیئر کالونی، کراچی

الجواب:

ماں کے حکم کی تائید کرنے کے بعد اگر دوکانِ مخصوص سے چوری کرے گا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ اردو میں شرط کیلئے استعمال ہونے والا لفظ "اگر" مداومت (ہمیشہ) کیلئے نہیں بلکہ جب ایک مرتبہ شرط پائی گئی تو تعلیق ختم ہو جائے گی۔ دوبارہ چوری کرنے سے طلاق واقع نہ ہو گی۔ وقوعِ طلاق کی صورت میں عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے، اور عدت کے بعد نکاح جدید کی ضرورت ہو گی۔ بھائی نے جب اجازت دے دی ہے تو ماں کے منع کرنے سے پیسے لینا چوری نہ ہو گا۔ چوری تو وہ ہے، جو بغیر مالک کی اجازت کے لی جائے۔

طلاق معلق بالوقت کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میرا اپنے بہنوئی حاکم ولد شفیع محمد سے جھگڑا ہوا اور باتوں باتوں میں، میں نے اپنے بہنوئی کو کہا کہ "جب تک آپ اپنی بہن کی شادی میرے بھائی کے ساتھ نہیں کر دیں گے میری بیوی مجھ پر تین طلاق کے ساتھ حرام ہے اور میں اپنی بہن تمھارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔ اس صورت میں میرے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

سائل: محمد رمضان، کوثر نیازی کالونی، کراچی

الجواب:

سوال میں مذکورہ الفاظ سے طلاق دینے والے نے، طلاق کو اس وقت تک کیلئے محدود کیا ہے، جب تک حاکم اپنی بہن کی شادی اس کے بھائی سے نہ کر دے۔ طلاق کسی وقت محدود کیلئے نہیں ہوتی ہے۔ توقیت (وقت کا تعین کرنا) باطل ہو جاتی ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ میری بیوی کو ایک مہینے کیلئے طلاق ہے۔ ایک ماہ کی قید لغو قرار دی جائے گی۔ شیخ الاسلام

برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی ابکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

ولو قال انت طالق بمكة او فى مكة فهى طالق فى الحال فى كل البلاد وكذالك لو قال انت طالق فى الدار لان الطلاق لا يتخصص بمكان دون مكان

(اولين، كتاب الطلاق، باب ايقاع الطلاق،صفحه: ۳۶۳، مكتبه شركت علميه، ملتان)

اور اگر کسی نے کہا کہ تجھے مکہ میں طلاق تو اسے اسی وقت طلاق ہو جائے گی چاہے وہ کسی بھی شہر میں ہو اور اسی طرح کسی نے کہا کہ تجھے گھر میں طلاق (تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی) اس لئے کہ طلاق کو کسی مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔

جس طرح کسی جگہ کی قید سے طلاق اس جگہ سے مقید نہیں ہوتی ہے اسی طرح کسی زمانہ کے ساتھ مقید کر دینے سے بھی طلاق مقید نہیں ہو گی، سب زمانوں میں طلاق ہو جائے گی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور یہ بیوی اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ سے حرام ہو گئی، اب ان دونوں کا دوبارہ نکاح بغیر حلالہ شرعی کے نہیں ہو سکتا۔

طلاقِ معلق اور تعلیق کو زبردستی ختم کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں نے اپنی بیوی سے تھوڑی سے بحث کے بعد کہا کہ "اگر تو آج میرے گھر میں داخل ہوئی تو تین طلاق" میں نے یہ الفاظ ایک ساتھ کہہ دیئے۔ الگ الگ اور رک رک کر نہیں کہے اور محلے کے دو آدمی، جن کو واقعہ کا صحیح طور پر علم نہ تھا، انھوں نے لڑکی کو زبردستی گھر میں گھسا دیا۔ حالانکہ لڑکی گھر میں نہیں جا رہی تھی۔ وضاحت فرمائیں کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

سائل : محمد ایوب، نیو کراچی

الجواب :

سوال میں مذکور شوہر نے بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ اگر تو آج میرے گھر میں داخل ہوئی تو تین طلاق تو اس میں

تین طلاقوں کو بیوی کے گھر میں آنے پر معلق کیا ہے۔اور طلاق تعلیق کا حکم یہ ہوتا ہے کہ جس شرط پر معلق کی جائے گی اس شرط کے پائے جانے سے وہ طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور یہ بیوی اپنے شوہر پر حرمت مغلظہ سے حرام ہو گئی۔ان کا نکاح بھی بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں عورت کو گھر میں داخل ہونے کیلئے اکراہ شرعی تو نہیں کیا گیا اکراہ شرعی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قتل کر دینے یا کسی عضو کے کاٹ دینے کی دھمکی دی جائے۔اور اگر اکراہ شرعی بھی ہو، جب بھی شرط کا پایا جانا ثابت ہو جاتا ہے۔اور جو حکم معلق کیا گیا تھا، وہ پایا جاتا ہے۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی : ۲۹۵ھ نے فتاوٰی قاضی خان میں لکھا :

بان کان حلف ان لا یدخل دار فلان او لا یکلم فلانا او نحو ذالک ثم اکرہ علی الدخول والکلام ففعل کان حانثا

(برحاشیہ عالمگیری، جلد(۳) کتاب الاکراہ ، صنحہ : ۴۸۳، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوگا یا فلاں سے بات نہیں کرے گا یا اسی قسم کی کوئی اور بات کی پھر اسے گھر میں داخل ہونے یا بات چیت کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے ایسا کر دیا تو ان دونوں حالتوں میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تمینِ فور سے طلاق معلق کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق۔ جناب سے التماس ہے کہ وضاحت فرمائیں آیا بیوی اگر گھر سے نکلے گی تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں ؟

الجواب:

جن میاں بیوی سے متعلق یہ سوال کیا گیا ان دونوں کو دارالافتاء میں طلب کیا گیا اور ان سے حلفیہ بیان لیا گیا۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی کے حلفیہ بیان کی روشنی میں سوال کا جواب مندرجہ ذیل ہے۔

شوہر کا بیان

میں احمد نبی ولد محمد نبی یہ حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ ”میری بیوی میرے ایک عزیز کے یہاں کسی تقریب میں جانے کیلئے تیار تھیں“ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم نہیں جاؤ گی لیکن میری بیوی کی ضد تھی کہ میں جاؤں گی میں نے کہا ”اگر تم میری اجازت کے بغیر گئیں تو دوسرے الفاظ استعمال کروں گا“ پھر میں نے دوسرے الفاظ استعمال کئے کہ ”اگر تم جاؤ گی تو میری طرف سے طلاق طلاق“ لیکن میرے کہنے پر عمل کرتے ہوئے وہ وہاں نہیں گئی قریب ہی میرے ایک دوسرے عزیز کے یہاں چلی گئی اور دوسرے دن سویرے ہی میرے عزیزوں نے ہماری آپس میں صلح کرا دی۔ اب بعض لوگ باتیں کر رہے ہیں کہ طلاق واقع ہو گئی ہے۔ آپ وضاحت فرمائیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟ مجھے دو دفعہ کا یاد ہے تیسری مرتبہ کا مجھے یاد نہیں۔

سائل: احمد نبی، کورنگی ساڑھے تین

بیوی کا بیان

میں شاہدہ بیگم بنت منے میاں یہ حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ میں ایک تقریب میں جانے کیلئے تیار تھی۔ میرے شوہر احمد نبی ولد محمد نبی نے مجھے جانے سے منع کیا لیکن میں نے کہا کہ میں جاؤں گی تو کہنے لگے کہ ”سوچ لو“ میں دوسرے الفاظ استعمال کروں گا تو میں نے کہا ”استعمال کر دیں میں جاؤں گی“ تو کہنے لگے کہ ”جاؤ گی تو پھر طلاق طلاق“ میں پھر نہیں گئی جہاں میرے شوہر مجھے جانے سے روک رہے تھے بلکہ میں اپنے شوہر کے عزیزوں کے گھر چلی گئی اس کے بعد دوسرے دن ہمارے عزیزوں نے آپس میں ملاپ کرا دیا۔

شاہدہ بیگم بنت منے میاں

الجواب :

جب کسی کام کے کرنے کیلئے عورت تیار ہو، شوہر اس کو اس کام سے روکنے کیلئے اس کے فعل کرنے پر طلاق کو معلق کردے، تو شریعت میں اسے "یمین فور" کہتے ہیں۔اس کا حکم یہ ہے کہ فوراً عورت کام کرے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر کچھ دیر رک گئی اور اسکے بعد وہ کام کرے گی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔ شیخ الاسلام علامہ برھان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

لو ارادت المرأة الخروج فقال ان خرجت فان طالق فجلست ثم خرجت لم يحنث

(اولین، کتاب الایمان، باب الیمین فی الخروج الخ ، صفحه : ۴۸۶، مکتبه شرکت علمیه ، ملتان)

یعنی اگر عورت نے گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا تو شوہر نے کہا کہ اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق پھر عورت بیٹھ گئی اور کچھ دیر بعد نکلی تو وہ حانث نہیں ہو گا یعنی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

وشرط للحنث في قوله ان خرجت مثلا فانت طالق او ان ضربت عبدك فعبدي حر لمريد الخروج والضرب فعله فورا

شوہر کے حانث ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ کہے کہ اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق یا اگر تو نے اپنے غلام کو مارا تو میرا غلام آزاد اسلئے کہ نکلنا اور مارنا فوراً پایا جانا مراد ہے۔

در مختار کی اس عبارت پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے رد المحتار المعروف فتاوی شامی میں لکھا :

ارادت ان تخرج فقال الزوج ان خرجت فعادت وجلست وخرجت بعد ساعة لا يحنث

یعنی عورت نے نکلنے کا ارادہ کیا اور شوہر نے کہا کہ اگر تو نکلی پس وہ پلٹ آئی اور بیٹھ گئی اور کچھ دیر بعد نکلی تو شوہر کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

اسکے بعد لکھا:

لان قصده منعها من الخروج الذی تهیأت له فکانه قال ان خرجت الساعة

(جلد(۳) کتاب الایمان، مطلب فی یمین الفور، صفحه: ۹۲،

مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

لہٰذا صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائلین جب بیوی جانے کیلئے تیار تھی تو شوہر نے طلاق کے الفاظ استعمال کئے یہ اسی وقت جانے کیلئے تھے اگر بیوی اس وقت چلی جاتی، تو طلاق واقع ہو جاتی۔ مگر جب بیوی نہ گئی، تو طلاق واقع نہ ہوئی۔ اور یہ تعلیق بھی ختم ہو گئی، اب وہاں جانے سے بھی طلاق واقع نہ ہو گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق معلق کو باطل کرنے کا حکم

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میرے ایک دوست نے اپنی بیوی سے کہا کہ "اگر تم نے کسی بھی شخص پر گناہ آلود نظر ڈالی تو ہمارے درمیان طلاق واقع ہو جائے گی"۔ اب وہ اس بات سے سخت پریشان ہے کہ فی زمانہ مرد کی غیر محرم عورت پر نہ جانے کتنی دفعہ غلط نظر پڑتی ہے، اسی طرح کسی عورت کی بھی غیر مرد پر غلط نظر پڑ سکتی ہے۔ شخص مذکور اپنے اس قول پر اب سخت پریشان ہے۔ اس نے اکیلے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہا کہ جو الفاظ میں نے کہے تھے، اس سے مراد ایک ہی طلاق تھی۔ اور دوسری دفعہ کی نظر کیلئے میری وہ شرط نہیں۔ برائے مہربانی تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد سلیم ولد حاجی قاسم

الجواب :

طلاق! جب کسی شرط پر معلق کر دی جائے، تو شوہر اس شرط کو باطل کر سکتا ہے نہ اس میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ صورت مسئولہ میں شوہر نے اگر طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس سے صرف ایک دفعہ شرط پائی جانے سے ایک طلاق واقع ہو گی۔ دوسری مرتبہ پھر شرط پائے جانے سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اور شوہر نے نظر ڈالنے کو بھی گناہ آلود کے ساتھ مقید کیا ہے۔ لہٰذا بیوی کا حلفیہ بیان تسلیم کیا جائے گا کہ اس نے گناہ آلود نظر ڈالی تھی یا ایسے ہی نظر پڑ گئی تھی۔ اگر واقعی بیوی نے گناہ آلود نظر ڈالی ہے تو ایک رجعی طلاق واقع ہو گئی شوہر عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور اگر عدت گذر گئی تو نکاح جدید مھر جدید کے ساتھ کرنا ہو گا۔

طلاق مغلظہ معلقہ سے بچنے کا حیلہ

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید جہاں اپنی بیٹی کا رشتہ طے کر رہا تھا، زید کا بیٹا اس پر خوش نہیں تھا اور مخالفت کر رہا تھا کہ زید نے جذبات میں آکر اپنے بیٹے کو کہا کہ "اگر میں تجھے متھے لگاؤں یعنی روبرو کروں تو مجھ پر طلاق ہے اور مجھ پر عورت حرام ہے "اور یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے۔ لیکن اب زید پریشان ہے۔ برضا ورغبت اپنے بیٹے سے صلح کرنا چاہتا ہے اور جناب سے عرض ہے کہ کیا شریعت محمدی کے تحت اس امر کی گنجائش ہے کہ زید کفارہ (اگر کوئی واجب ہے تو) ادا کر کے اپنے بیٹے سے راضی ہو جائے تو بیٹے سے راضی ہونے کی صورت میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ برائے کرم اس مسئلے کا فیصلہ شریعت محمدی کی روشنی میں صادر فرمائیں۔ واضح رہے کہ زید کی جس بیٹی کا تنازع تھا ابھی اس کا رشتہ کہیں طے نہیں ہوا۔

سائل : رکن الدین، خوشاب، ° ب

الجواب :

صورت مسئولہ میں شوہر نے طلاق کو معلق کیا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ لڑکے کو روبرو کروں تو بیوی

کو طلاق۔ لہٰذا جب یہ شرط پائی گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور جب یہ شرط نہیں پائی جائے گی تو طلاق بھی واقع نہیں ہو گی۔ اگر شوہر یہ چاہتا ہے کہ لڑکے سے مصالحت ہو جائے اور بیوی پر طلاق مغلظہ بھی واقع نہ ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے دے اور پھر پوری مدتِ عدت اس سے بالکل جدا رہے، عدت ختم ہونے کے بعد لڑکے سے بات چیت کر کے صلح کر لے تو یہ شرط ختم ہو جائے گی اور طلاق اس لئے واقع نہ ہو گی کہ اس وقت وہ عورت، اس کی بیوی نہیں ہے، لڑکے سے بات کرنے کے بعد اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے اپنی سالی کو کھانے پر بلایا سالی نے کچھ بد تمیزی کی اور کھانا کھانے سے انکار کر دیا، جس پر زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ "تمھارے میکے والوں نے پھر بد تمیزی کی ہے"۔ اس پر بیوی نے کوئی جواب نہ دیا اور بات بڑھ گئی۔ زید نے غصہ میں اپنے گھر والوں اور سالی کی موجودگی میں کہا کہ میرے اور میرے سسرالیوں کا جینا مرنا اور خوشی و غمی جدا، جدا ہیں اور بیوی سے کہا کہ تم میکے گئیں یا وہ میرے گھر آئے تو تم کو طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے۔ پھر زید نے اپنی ماں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "امی سن لیں آپ کی یا والد صاحب کی اجازت سے بھی یہ اپنے والدین کے گھر نہیں جا سکتی، سوائے میری اجازت کے"۔

اسکے بعد معاملہ ختم ہو گیا اور اب اس دن کے بعد سے آج تک اس کی بیوی اپنے میکے نہیں گئی ہے اور نہ کوئی ان کے گھر سے آیا ہے۔ مگر اب وہ یہ پابندی ختم کرنا چاہتا ہے۔ آیا یہ قسم اب ختم ہو سکتی ہے یا کہ نہیں یا پھر یہ تمام عمر کیلئے برقرار رہے گی؟ اور اگر ختم ہو سکتی ہے تو کیا کوئی کفارہ ادا کرنا ہو گا؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : محمد محمود اجمل

الجواب :

شوہر جب کسی شرط پر طلاق کو معلق کر دے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو شوہر کے پاس اس تعلیق کو باطل کرنے کا کوئی اختیار نہیں رہتا ہے۔ مگر ایک صورت یہ ہے کہ جب شرط پائی جائے اور شوہر نے شرط کے ساتھ کوئی عموم کا لفظ نہ بولا ہو، مثلاً جب کبھی تو جائے گی تو تجھے طلاق وغیرہ وغیرہ تو شرط پائے جانے کے بعد تعلیق ختم

ہو جاتی ہے اور شرط پائے جانے کے وقت اگر بیوی نکاح میں ہے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر بیوی اس وقت نکاح میں نہیں ہے تو طلاق نہیں ہو گی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں شوہر یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے اور اس کی عدت ختم ہو جانے کے بعد یہ بیوی اپنے ماں باپ کے گھر چلی جائے لہٰذا شرط اس وقت پائی جائے گی جب یہ بیوی، اس شوہر کی زوجیت میں نہیں ہو گی، تو تعلیق بھی ختم ہو جائے گی اور طلاق بھی واقع نہ ہو گی اس کے بعد شوہر سے پھر نکاح کر لے، اب بیوی اپنے ماں باپ کے گھر آ جا سکتی ہے اور تعلیق ختم ہو جانے کی وجہ سے طلاق بھی نہ ہو گی۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا ہے:

و تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن ان وجد فى الملك طلقت وعتق والا لا فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار ان يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها

(بر حاشیه شامی، جلد (۲) کتاب الطلاق، مطلب زوال الملک الخ، صفحه:۴۵، ۵۴۴، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی شرطِ مطلق کے پائے جانے کے بعد شرطیہ قسم پوری ہو جاتی ہے، لیکن طلاق اور آزاد کرنا اس وقت مؤثر ہو گا جب بیوی اور غلام وغیرہ اسکی ملکیت میں ہوں ورنہ نہیں۔ جس شخص نے طلاق ثلاثہ کو بیوی کے گھر میں داخل ہونے پر معلق کیا ہے تو اس سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ بیوی کو ایک طلاق دے دے اور عدت کے بعد وہ اس گھر میں داخل ہو پس اس کی قسم پوری ہو جائے گی پھر یہ اس سے نکاح کر لے۔

طلاق معلقہ مغلظہ سے بچنے کی صورت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص نے غصہ میں اپنی بیوی سے کہا کہ "اگر تو اس کے بعد میری یا میرے گھر والوں کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلی، تو تجھے ایک طلاق۔ اسی طرح دوسری بار گئی تو تجھے دوسری طلاق، اسی طرح اگر تیسری مرتبہ گئی تو تجھے تیسری طلاق"۔ لیکن اس مرد نے کچھ ہی دنوں بعد یہ الفاظ واپس لے لئے۔ یعنی میں نے ویسے ہی کہا تھا اب

میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ عورت دو مرتبہ بغیر پوچھے گھر سے باہر جاچکی ہے۔ وضاحت فرمائیں کہ کیا وہ اپنے الفاظ سے رجوع کر سکتا تھا یا نہیں؟

سائل: مولوی نثار احمد بزمی، نائب خطیب، پاکستان آرمی، راولپنڈی

الجواب:

شوہر جب طلاق کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دے تو وہ اس تعلیق کو واپس نہیں لے سکتا اور جس شرط کے ساتھ طلاق کو معلق کرے گا جب وہ پائی جائے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب شوہر نے تین طلاق اپنی اجازت کے بغیر نکلنے پر مشروط کی تھیں دو مرتبہ بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باہر چلی گئی تو اس طرح اس پر دو طلاقیں رجعی واقع ہو گئیں۔ اب اگر تیسری مرتبہ بھی بغیر اجازت کے گئی تو اس پر تیسری طلاق بھی واقع ہو جائے گی اور یہ اپنے شوہر پر حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جائے گی۔ اور ان دونوں کا دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکے گا۔ یہاں شوہر کو یہ چاہئے کہ وہ بیوی سے یہ کہہ دے کہ "میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ تمام عمر بھر میں جہاں چاہو جا سکتی ہو" تو یہ کہہ دینے سے تیسری طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اگر بیوی کہیں جائے گی تو شوہر سے اجازت کی ضرورت نہیں ہو گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق معلق کی ایک صورت

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

مندرجہ ذیل مسئلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

عدالت میں مقدمہ کے دوران مدعی زید مدعٰی علیہ خالد کے خلاف بیان دیتا ہے کہ "خالد نے شراب پی اگر خالد نے شراب نہ پی ہو تو میری بیوی پر تین طلاقیں"۔ خالد کہتا ہے کہ "میں نے شراب بالکل کبھی بھی نہیں پی ہے، تمھاری بیوی پر تین طلاق پڑ گئیں" اس پر زید کہتا ہے کہ "یہ بات تو تمھارے والد مرحوم نے تمھارے لڑکے کے سامنے مجھ سے بیان کی تھی"۔ خالد کے لڑکے سے معلوم کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ "میرے دادا مرحوم نے

میرے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کی، زید جھوٹ بولتا ہے" خالد کہتا ہے کہ "زید نے اس سے پہلے بھی میرے ساتھ جھوٹ بولا تھا اور اب میرے اوپر یہ تہمت لگائی ہے۔

مذکورہ صورت میں زید کی بیوی پر تین طلاقیں پڑ گئیں یا نہیں؟ تہمت لگانے والے پر اگر شرعی حکومت ہو تو حاکم وقت اسکو کیا سزا دے گا؟ مذکورہ صورت میں جس عدالت کے سامنے یہ بات کہی ہے، وہ یہ معاملہ کس طرح طے کرے گواہ کس کے ذمہ ہیں اور حلف کس سے لیا جائے گا؟ جواب عنایت فرمائیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

سائل: محمد عمر، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:

زید نے اپنی بیوی کی طلاق کو، اس شرط پر معلق کیا ہے کہ اگر خالد نے شراب نہ پی ہو، تو میری بیوی کو تین طلاق۔ جبکہ خالد کہتا ہے کہ "میں نے کبھی شراب نہیں پی ہے"۔ تو زید کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ لیکن اگر زید دو گواہوں سے یہ ثابت کردے کہ خالد نے عمر میں کبھی شراب پی ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، اس کا ثبوت دینا زید کی ذمہ داری ہے۔ خالد سے قسم نہیں لی جائے گی اس لئے کہ حدود میں حلف نہیں لیا جاتا۔ زید جب گواہوں سے یہ ثابت نہ کر سکے تو اس نے خالد پر شراب پینے کی جو تہمت لگائی، اس کی سزا دینا تو حکومت کا کام ہے۔ لیکن اسے عذاب آخرت سے بچنے کیلئے بالاعلان توبہ کرنی چاہیئے اور جس پر تہمت لگائی ہے، اس سے معافی مانگنی چاہیئے۔

قطع تعلق اور وقوع طلاق کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

چند دن پہلے میرا پڑوسی سے جھگڑا ہو گیا اور جھگڑا حد سے بڑھ گیا۔ میں جھگڑا نہیں کرنا چاہتا تھا اور جب بات حد سے بڑھ گئی تو میں نے اپنے پڑوسی سے کہا کہ میں تم سے واسطہ نہیں رکھوں گا اگر میں تم سے بات کروں تو

میری بیوی مجھ پر طلاق ہو۔ چنانچہ آج تک میں نے اپنے پڑوسی سے بات نہیں کی ہے۔اس کا علم میرے دوستوں کو ہوا وہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملاپ ہو جائے۔ جھگڑا اچھی بات نہیں ہے۔ میں بھی جانتا ہوں کہ پڑوسیوں کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے جو قسم کھائی تھی،اس کے بارے میں وضاحت چاہتا ہوں کہ اگر بات چیت کرلوں اور قسم توڑ دوں تو قسم کا کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟ میرے نکاح میں اگر کوئی فرق ہو تو تفصیل درج کریں۔واضح رہے کہ میں نے یہ الفاظ صرف ایک مرتبہ کہے تھے۔

سائل: کامران عطاری، ملتان

الجواب:

حدیث شریف میں ہے،اور اس حدیث کو امام حافظ عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سمرقندی متوفی ۲۵۵ھ نے سنن دارمی میں نقل کیا ہے:

من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینه

(جلد(۲) کتاب النذور والایمان، باب من حلف علی یمین الخ، صفحہ: ۲۴۳، قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی جب کوئی قسم کھالے اور اس قسم کو توڑنے میں بھلا دیکھے تو قسم کو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں پڑوسی سے میل ملاپ کر لینا چاہئے اور اس صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر رجوع کیا جا سکتا ہے۔ نکاحِ جدید کی ضرورت نہیں۔ رجوع کا طریقہ یہ ہے کہ "دو گواہوں کے سامنے شوہر یہ کہہ دے کہ میں طلاق سے رجوع کرتا ہوں"۔

کسی کے نکاح کے ثبوت اور عدم ثبوت پر طلاق معلق کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہندہ کے نکاح کے معاملے میں دو گروہوں میں اختلاف ہوا۔ پہلے گروہ کے پانچ آدمیوں نے کہا کہ ہندہ کا نکاح ہوا ہے جبکہ دوسرے گروہ کے چھ آدمیوں نے کہا کہ ہندہ کا نکاح نہیں ہوا۔ پہلے گروہ کے پانچ آدمیوں نے کہا کہ اگر ہندہ کا نکاح نہیں ہوا تو ہماری بیویوں کو تین تین طلاقیں۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ اگر ہندہ کا نکاح ہوا ہو تو ہماری بیویوں کو تین تین طلاقیں۔

ارشاد فرمائیں کہ اس صورت میں کیا دونوں گروہوں کی بیویوں کی تین تین طلاقیں ہوں گی یا صرف پہلے گروہ کے یا دوسرے افراد کی بیویوں کو تین تین طلاقیں ہوں گی؟ بینوا وتوجروا

سائل: محمد معین الدین القادری الرضوی الشافعی، فیصل آباد

الجواب:

شریعت میں ثبوت کسی چیز کے وجود کا ہوتا ہے۔ ثبوت کے معنی وجود کے ہیں، نفی کا ثبوت نہیں ہوتا۔ اس لئے گواہ اس کے ذمہ ہیں جو کسی چیز کے وجود کا دعوای کرے، نفی کرنے والے کے ذمہ گواہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے حلف لیا جاتا ہے۔ لہٰذا فریق اول نے یہ جو دعوای کیا کہ اگر ہندہ کا نکاح نہ ہونے کا ثبوت ملے تو ہماری بیویوں کو تین تین طلاقیں، اس سے مراد شرعی ثبوت تو ہو نہیں سکتا ہے ہاں اگر کسی مجلس خاص یا کسی معین تاریخ اور معین جگہ کے متعلق مطالبہ ہوتا اور فریق ثانی کے لوگ وہاں موجود ہوتے تو یہ ممکن تھا کہ وہ کہتے کہ ہمارے سامنے نکاح نہیں ہوا مگر ایسی صورت ہے نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کی شرط پائی جانے کی کوئی صورت نہیں اور چونکہ ان کی شرط نہیں پائی گئی اس لئے انکی بیویوں کو وہ طلاق جو اس ثبوت پر معلق تھی، نہیں ہوگی۔ اگر ان لوگوں نے اس ثبوت کا کوئی اور مطلب مراد لیا تھا تو اس کو بیان کرنے کے بعد ہی کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ مگر چھ آدمیوں نے چونکہ اپنی بیویوں کی طلاق کو کسی شرط پر معلق نہیں کیا۔ لہٰذا ان کی بیویوں کو تین تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

خلع کا بیان

شوہر کا قول کہ تم کو میں طلاق خلع دیتا ہوں

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ھندہ نے یہ ایک تحریر بھیجی، جس پر خود اس کے اپنے اور اس کے والد، اس کے تایاؤں نیز دوسرے دو گواہوں کے دستخط تھے، اس میں لکھا گیا تھا کہ "میں اپنا حق مہر مبلغ گیارہ ہزار روپے چھوڑتی ہوں اور پیدا ہونے والے بچے کی پیدائش کے بعد فوراً اپنے شوہر کے پاس پہنچا دینے کا وعدہ کرتی ہوں۔ اس فیصلے میں مجھ پر کسی کا دباؤ نہیں ہے۔ نیز اب کوئی مطالبہ اپنے شوہر کے ذمہ باقی نہیں ہے، اس کے عوض میں طلاق کا مطالبہ کرتی ہوں"۔ ہندہ کے شوہر نے طلاق دے دی، اب وہ بد عہدی کرتی ہے، بچہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ اس تحریر کے علاوہ اس نے متعدد بار طلاق کا مطالبہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ "پیدائش کے بعد اپنا بچہ آکر لے جاؤ ورنہ یہاں یتیم خانوں کی کمی نہیں ہے۔ نیز لکھا کہ میرا پیچھا چھوڑ دے ورنہ تمھارے ساتھ وہ کچھ کروں گی جو کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔ میری طرف سے دس

شادیاں کرلے مگر شرافت سے میرا پیچھا چھوڑ دے۔ ان حالات میں شوہر نے بایں الفاظ طلاق دے دی کہ "تمھاری جانب سے تحریری مطالبہ بابت خلع مجھے ملا، لہٰذا تمھاری خوشی کے مطابق میں تم کو طلاق خلع دیتا ہوں، تاکہ فتنہ و فساد کی نوبت نہ آئے"۔ اب آپ سے معلوم کرنا ہے کہ :

(۱) یہ خلع ہو گیا یا نہیں ؟

(۲) خلع کی عدت کتنی ہے ؟

(۳) کیا عورت بچہ روکنے کا حق رکھتی ہے ؟

(۴) بعد انقضائے عدت دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں ؟ بینوا و توجروا

سائل : احمد حسن، سعید کلا تھ اسٹور، سمن آباد، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل ایک طلاق بائن واقع ہوئی تھی۔ بچے کی پیدائش کے بعد عدت ختم ہو چکی۔ طلاق بائنہ کی صورت میں عدت کے اندر اور عدت کے بعد نکاح جدید کرنا ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ حلالہ کرنیکی ضرورت نہیں۔ بچے کی پرورش کا حق ماں کو ہے ۔ لڑکا سات سال کی عمر تک اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہے گی۔ اس کے بعد باپ لے سکتا ہے۔ عورت نے جو وعدہ کیا تھا، اس کا پورا کرنا اخلاقاً اس پر لازم تھا، مگر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ماں فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے یا کسی ایسے شخص سے شادی کرے جو بچے کیلئے ذی رحم محرم نہ ہو تو شوہر سابق بچے کو اس سے واپس لے سکتا ہے۔

خلع کی درست صورت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میری شادی ۱۶ اگست ۷۸ء کو والدین کی پسند سے ہوئی۔ اور لڑکی کے خاندان سے متعلق نہ والدین نے

خود کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی جو معلومات انہیں فراہم ہیں وہ مجھے فراہم کیں۔ بحیثیت میاں بیوی ہماری ذہنی ہم آہنگی نہ ہو سکی۔ شادی ہونے کو ایک سال ہو چکا ہے ایک روز میری بیوی میری والدہ کی اجازت سے ۱۵،۲۰ روز کیلئے میکے گئی، تقریباً تین ماہ بعد مختلف کوششوں کے نتیجے میں ہمیں بتایا گیا کہ اب لڑکی نہیں آئے گی۔ آپ طلاق دے دیں اور ہمارا سامان باہر رکھ دیں، میری طرف سے طلاق کی مخالفت ہوئی تو خلع کا مطالبہ کیا گیا۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ لڑکی والے اپنا تمام جہیز اور متفرقات واپس لے گئے ہیں۔ لڑکی والے ہمارا زیور بھی واپس کر گئے ہیں۔ لڑکی کی طرف سے خط موصول ہوا ہے، جس میں خلع کا مطالبہ ہے۔ حضور سے درخواست ہے کہ ازراہ مہربانی یہ تحریر فرمائیں کہ میں کون کون سی شرط مکمل کروں تاکہ صحیح خلع ہو۔

سائل : جاوید احمد سہروردی، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی

الجواب :

خلع میاں بیوی کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ یعنی بیوی کچھ مال دے کر طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے۔ لفظ خلع سے طلاق بائن ہو جاتی ہے، اگر زیادتی شوہر کی ہے تو اسے کچھ مال لینا جائز نہیں ہے بلکہ خود ہی بیوی کو طلاق دے دے اسے لٹکا کر نہ رکھے۔ اور اگر زیادتی بیوی کی ہے تو شوہر وہ مال لے سکتا ہے، جو شوہر نے دیا ہے یعنی مہر ادا کر دیا گیا ہے تو واپس لے لے نیز شوہر نے جو زیورات وغیرہ دیئے ہیں انھیں بھی واپس لے سکتا ہے۔

خلع میں مال لینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کوئی خاوند بیوی کو شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کیلئے تنبیہ کرے یا بیوی کے مشکوک کردار پر تنبیہ اور سرزنش کرے، اس پر لڑکی اور اس کے والدین خاوند سے طلاق مانگے، لیکن خاوند طلاق نہیں دینا چاہتا ہے۔ اس صورت میں یعنی وقوع طلاق کے بعد خاوند مھر ادا کرنے کا ذمہ دار ہے یا لڑکی والوں سے خلع لے سکتا ہے ؟ با 5 جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب :

بلا دلیل عورت کے کردار پر شبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ مگر شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو شریعت کی پیروی کرنے کا حکم دے۔ خلاف شرع کاموں سے روکے ، غیر محرم مردوں سے ملنے جلنے ،بات چیت کرنے سے منع کرے۔ اگر بیوی ان معاملات میں شوہر کا کہنا نہیں مانتی ، تو وہ نافرمان ہے اور جب ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ زوجین میں اچھائی کے ساتھ تعلقات قائم نہیں رہ سکتے تو خلع کر سکتے ہیں۔اس کا حکم قرآن کریم میں ہے :

ترجمہ : اور تمھیں جائز نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے پھر اگر تمھیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انھیں حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں کہ بدلہ دے کر عورت چھٹی لے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں“ (کنزالایمان)

(سورۃ(۲)البقرہ،آیت :۲۲۹)

لہٰذا صورت مسئولہ میں دونوں خلع کر سکتے ہیں ، خلع کا مطلب یہ ہے کہ مال کے بدلے میں طلاق دی جائے۔ لہٰذا شوہر اسی مہر کو جو مقرر کیا تھا، ساقط کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔اس سے زیادہ،اس کا مطالبہ ، مکروہ ہے۔

علامہ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۹ھ نے عا K ی میں لکھا :

وان كان النشوز من قبلها كرهنا له ان ياخذ اكثر مما اعطا ها من المهر

(جلد (۱) كتاب الطلاق ، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، صفحه : ۴۸۸، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

اور اگر نافرمانی بیوی کی طرف سے ہے تو خلع میں مہر سے زیادہ (رقم) کا مطالبہ مکروہ ہے۔

خلع اور مالِ مکروہ

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

قمر جہاں بنت محمد رمضان اپنے شوہر سے خلع حاصل کرنا چاہتی ہے۔اس کا حکم کیا ہے ؟ جبکہ موصوفہ

امید سے بھی ہیں۔اس صورت میں عدت کیا ہو گی ؟

۱ سائل : محمد منیر، خداداد کالونی، کراچی

الجواب :

خلع ، میاں بیوی کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ بیوی اور شوہر میں نااتفاقی پیدا ہو جائے اور ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہ چاہتے ہوں تو خلع کر سکتے ہیں۔اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو خلع پر مال لینا مکروہ ہے۔اور اگر زیادتی بیوی کی طرف سے ہو تو شوہر نے جتنا مال مہر میں دیا ہے، اتنا لے سکتا ہے، اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔اور جب خلع کر لیں تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔اور جو مال خلع کے بدلے طے ہو گا، عورت پر اسکا ادا کرنا لازم ہو گا۔

• چونکہ سوال میں مذکورہ خاتون حاملہ ہے، تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے پر ختم ہو گی۔حاملہ سے بھی خلع ہو جاتا ہے۔

عدت کا بیان

عدت کہاں گذاری جائے ؟

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کی بیوہ سری لنکا کی ہے۔بیوی کی کوئی اولاد نہیں۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وہ عدت یہاں پاکستان میں گذارے گی یا سری لنکا میں ؟ یہاں اسکا کوئی نہیں ، البتہ مکان ذاتی ہے۔

سائل : حاجی محمد عارف ، شہید ملت روڈ، کراچی

الجواب :

شوہر کی موت یا طلاق کے وقت ، عورت جس مکان میں ہو گی ، اسی میں عدت گذارے گی ، بغیر مجبوری کے مکان بھی تبدیل نہیں کر سکتی ہے۔لہٰذا جب مکان اسکی ملکیت ہے تو اس مکان میں عدت گذارنا واجب ہے۔

عدت کی چند پابندیاں

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میرے بڑے بھائی انتقال کر گئے ہیں، جن کی عمر تقریباً ۶۹ سال تھی۔ بھائی کی بیوہ حیات ہیں، جن کی عمر تقریباً ۶۰، ۶۲ سال ہے، کیا میری بھابھی عدت کے دوران میرے یا دیگر رشتہ داروں کے سامنے آجا سکتی ہیں؟ ان کیلئے دوران عدت نئے کپڑے پہننا کیسا ہے؟ نیز یہ کہا جاتا ہے کہ جس دن عدت ختم ہوگی تو معتدہ (عدت والی) صرف اپنے بھائی کے بنوائے ہوئے کپڑے پہنے گی، کسی اور کے بنوائے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتی، کیا یہ صحیح ہے؟ کیا معتدہ سرمہ، تیل اور خوشبو کا استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی مفصل جواب سے نوازیں۔

سائل: سرفراز علی

الجواب:

عدت میں عورت محرم کے سامنے آسکتی ہے غیر محرم کے سامنے نہیں۔ بیوہ کیلئے دوران عدت نئے کپڑے پہننا، زیب وزینت اور سنگھار کرنا، سرمہ، تیل، عطر اور دیگر خوشبوجات استعمال کرنا ممنوع ہیں۔ عذر کی وجہ سے بغیر خوشبو کا تیل اور سفید سرمہ استعمال کر سکتی ہے۔ دوران عدت یا بعد عدت یہ ضروری نہیں ہے کہ اپنے بھائی کے ہی بنائے ہوئے کپڑے پہنے۔

معتدہ کا سرمہ و تیل لگانے اور غیر محرم سے بات کرنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) عدت کے دوران مجبوراً سر میں تیل، سرمہ لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عدت کے دوران بحالت مجبوری کسی نامحرم سے گفتگو کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سائل: محمد اقبال، ڈرگ روڈ، کراچی

الجواب:

(۱) عدت کے زمانے میں عورت سر میں درد کی وجہ سے ایسا تیل لگا سکتی ہے، جو خوشبو دار نہ ہو، اور آنکھ میں تکلیف وغیرہ کی وجہ سے سرمہ لگانے کی شرط یہ ہے کہ اگر سفید سرمہ مل جائے تو وہ لگایا جائے اور اگر نہ ملے تو سیاہ سرمہ رات کو لگائے اور اگر اس سے تکلیف دور نہ ہو تو دن میں بھی لگا سکتی ہے۔ مگر تیل اور سرمہ لگانے میں زینت کا ارادہ نہ کرے صرف تکلیف دور کرنے کے ارادے سے لگائے۔

(۲) نامحرم سے بات کرنے کے احکام میں عدت اور غیر عدت کا کوئی فرق نہیں۔ بلاضرورت دونوں حالتوں میں ناجائز ہے۔ اور ضرورتاً دونوں حالتوں میں جائز ہے۔

زمانہ عدت کا خرچہ کتنا اور کس پر واجب ہے؟

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

عورت کو طلاق کے بعد دوران عدت شوہر کی جانب سے جو خرچ دیا جاتا ہے تو وہ شرعی طریقہ سے کتنا اور کتنے عرصہ تک دیا جائیگا؟

سائل: محمد انور ولد محمد اکبر، نشتر بستی، کراچی

الجواب:

بیوی کے زمانہ عدت کا خرچہ اور سکونت شوہر پر واجب ہے اس میں شوہر کی استطاعت کا اعتبار ہوگا، وہ اس حیثیت کا ہوگا، اس کے مطابق خرچہ دے گا۔ اگر بیوی حاملہ یا آئسہ (وہ عورت جو اس عمر کو پہنچ جائے جب عموماً اولاد نہیں ہوتی) نہ ہو تو اس کی عدت تین حیض اور حائضہ ہو تو وضع حمل اور آئسہ ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

زمانہ عدت کا خرچ اور مکان کس کے ذمہ ہے؟

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میں نے اپنی بیوی کو چائے بنانے کو کہا مگر اس نے بجائے خود چائے بنانے کے لڑکی کو کہا کہ تم بناؤ! اس پر مجھے جھنجھلاہٹ ہو گئی۔ ایک تھپڑ بیوی کو مارا، مگر بیوی نے چائے نہیں بنائی۔ تین چار دن تک بیوی کو چائے بنانے کو کہتا رہا مگر اس نے چائے نہیں بنا کر دی اور پانچویں دن میں نے بیوی سے کہا کہ "تین بار چائے بنانے کا بولوں گا، اگر پھر بھی چائے نہیں بنائے گی تو برا ہو گا۔ تیرے اور میرے راستے جدا ہوں گے" پھر میں نے بیوی کو تین بار چائے بنانے کو کہا مگر اس نے میرا کہنا نہیں مانا، میں نے اس کی ضد پر تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ دیا۔

براہ کرم فتویٰ صادر فرمائیں کہ بیوی کو طلاق ہو گئی یا نہیں اور وہ گھر میں میرے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں ؟اور ایام عدت کی سکونت اور خرچہ کس کے ذمہ ہے ؟

سائل: اکرام الدین ولد شرف الدین، ڈرگ روڈ، کراچی

الجواب:

صورت مسئولہ میں زوجہ مذکورہ پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ زمانہ عدت میں بیوی کی خوراک کا خرچہ اور سکونت کی جگہ شوہر پر واجب ہے، مگر اپنے ساتھ مکان میں نہیں رہ سکتا، علیحدہ رکھنا ہو گا۔

عدت والی کیلئے گھر سے نکلنے اور نہ نکلنے کی صورتیں

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

مسئلہ ذیل میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

بیوہ عورت کا دوران عدت کسی قریبی عزیز کی خوشی میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ مجبوری کی بناء پر کہیں

جائے تو کیا آنکھوں پر پٹی باندھ کر جائے؟

کیا حدیث میں یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کی میت کو ہاتھ لگا سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے اور اسی طرح عورت اپنے شوہر کی میت کو؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل: محمد صدیق مغل، دہلی کالونی، کراچی

الجواب:

شوہر کی موت کے وقت بیوی، جس مکان میں رہ رہی تھی اسی میں، اسکو عدت گذارنی واجب ہے۔ اس مکان سے بلا عذر کسی دوسرے مکان میں عدت کیلئے جانا، ناجائز ہے۔

ہر عورت کو بلا ضرورت گھر سے نکلنا، ناجائز ہے۔ ضرورت کی صورتیں فقہاء نے بیان کی ہیں مثلاً اس کا ذریعہ معاش، صرف اس کی کمائی ہو، اگر یہ گھر سے باہر نہ نکلے گی تو اس کی ضروریات کو پورا کرنے والا کوئی نہیں، اس کے کام کو دیکھنے والا کوئی دوسرا آدمی نہیں یا اسکو ضروریاتِ زندگی کی چیزیں بازار سے لاکر دینے والا کوئی نہیں، تو ان صورتوں میں یہ گھر سے باہر جاسکتی ہے لیکن رات اسی گھر میں بسر کرے گی، جہاں عدت گذار رہی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے کاموں مثلاً بیمار پرسی، موت یا شادی کیلئے نکلنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی، اس لئے نہیں نکلنا چاہیئے۔ جن صورتوں میں نکلنا جائز ہے، ان میں آنکھوں پر پٹی باندھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اسے دیکھ سکتا ہے اور نہ بلا حائل اس کے جسم کو ہاتھ لگا سکتا ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد بیوی اسکو دیکھ بھی سکتی ہے اور ہاتھ بھی لگا سکتی ہے۔

عمر حیض میں انقطاعِ حیض اور عدت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس عورت کو بیماری کے سبب حیض نہیں آتا، علاج سے حیض آتا ہے۔ شادی کے بعد علاج سے ایک دو مرتبہ آیا اور پھر بند ہو گیا۔ طلاق کے بعد اسکی عدت کس طرح شمار کی جائے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

سائل: قاری محمد عبدالرحمٰن، نیاآباد، کراچی

الجواب:

ایسی عورت کو طلاق دی گئی جو ابھی سن ایاس (وہ عمر جس میں حیض آنا بند ہو جاتا ہے) کو نہیں پہنچی اور پہلے اسکو حیض آچکا ہے، مگر طلاق کے بعد حیض نہیں آرہا ہے، تو اس کی عدت حیض سے ہی ہوگی، جب تک حیض نہیں آئے گا، عدت باقی رہے گی یا سن ایاس کو پہنچ جائے۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے عا K ی میں لکھا:

ولو رأت ثلاثة دما ثم انقطع فعدتها بالحيض وان طال الى ان تيأس

(جلد(۱) كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، صفحه: ۵۲۷، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

اور اگر اس نے تین حیض دیکھے اور پھر حیض منقطع ہو گیا تو اس کی عدت حیض سے ہی ہوگی اور اگر انقطاع خون کی مدت طویل ہو گئی تو پھر اسکی عدت سن ایاس تک ہے۔

علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا:

اذا رأت ثلاثة ايام وانقطع ومضٰى سنة او اكثر ثم طلقت فعدتها بالحيض الى ان تبلغ الٰى حد الاياس وهو خمس و خمسون سنة في المختار

(جلد(۴) باب العدة، صفحه: ۱۳۰، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

یعنی جب کسی عورت نے تین دن خون دیکھا پھر بند ہو گیا اور سال یا اس سے زیادہ عرصہ گذر گیا پھر اسے طلاق ہوئی تو اس کی عدت حیض سے ہوگی یہاں تک کہ سن ایاس کو پہنچ جائے یعنی اس عمر کو جہاں حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور یہ، مذھب مختار میں پچپن سال کی عمر ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

نو مسلم منکوحہ کی عدت کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک فلپائنی خاتون پاکستان آئیں، جو کہ وہاں شادی شدہ تھیں۔ یہاں اس نے دین اسلام قبول کر لیا اور

فلپائن میں اپنے شوہر کو خط و کتابت سے اپنے اسلام کے بارے میں آگاہ کیا اور اسے بھی اسلام کی دعوت دی، مگر شوہر نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا۔ اب یہ واپس فلپائن نہیں جانا چاہتی اور یہیں عقد ثانی کا ارادہ رکھتی ہیں۔ ازروئے شرع اسے عدت پوری کرنی چاہیئے یا نہیں ؟ اس کیلئے کیا حکم ہے ؟

سائل : محمد بخش ولد کریم بخش، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں جب یہ شادی شدہ غیر مسلم خاتون ترک وطن کر کے ہمارے یہاں آگئی اور اسکا شوہر فلپائن میں ہے اور اس خاتون نے اسلام قبول کر لیا ہے اور یہ واپس جانے کا ارادہ بھی نہیں رکھتی اور شادی کرے تو اس پر امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک عدت نہیں۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

وكذا اذا خرجت الحربية الينا مسلمة فان تزوجت جاز الا ان تكون حاملا

(اولین ، كتاب الطلاق، باب العدة ، صفحه: ۴۲۶، مكتبه شركت علميه ، ملتان)

یعنی اور اسی طرح جب کوئی حربیہ ہماری طرف مسلمان ہو کر آگئی اگر اس نے نکاح کیا تو (بلا عدت) اس کا نکاح کرنا جائز ہے مگر یہ کہ حاملہ کیلئے وضع حمل تک جائز نہیں۔

ھدایہ کی عبارت پر شارح ہدایہ علامہ امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی متوفی ۷۸۶ھ نے عنایہ میں لکھا :

مراغمة علٰی نية ان لا تعود الٰی دار الحرب ابدا

اسکے بعد آگے لکھا :

قال الامام التمرتاشی اذا خرج احد الزوجين الينا مسلما او ذميا او مستامنا ثم اسلم او صار ذميا والاٰخر علٰی حربه فقد زالت الزوجية ثم ان كانت المرأة هی الخارجة فلا عدة عليها وانما قيد المصنف بقوله مسلمة بيانًا لاحسن حالاتها

(جلد (۴) بر حاشيه فتح القدير ، باب العدة ، صفحه : ۱۵۸، مكتبه رشيديه)

جب اس نے اس نیت کے ساتھ دار الحرب کو چھوڑا کہ اب کبھی بھی وہ دار الحرب کی طرف نہیں لوٹے گی۔

امام تمر تاشی نے فرمایا کہ زوجین میں سے کوئی ایک دار الاسلام میں مسلمان، ذمی (غیر مسلم جو اسلامی حکومت میں رہے اور جزیہ ادا کرے) یا مُستامن (امن چاہنے والے) کی حیثیت سے آیا اور یہاں اس نے اسلام قبول کیا یا ذمی ہو گیا۔ اور دوسرے (شوہر یا بیوی) نے اسلام قبول نہیں کیا۔ تو ان کی زوجیت ختم ہو جا 5۔ اور اگر دار الاسلام میں آنے والی عورت ہے تو اس پر عدت واجب نہیں ہے۔ مصنف کا "مسلمۃ" کی قید لگانا اس کے اچھے حالات کو بیان کرنے کیلئے ہے۔

اور اسی طرح یہ تفصیل فتاوی عالمگیری جلد(۱) کتاب النکاح ، الباب العاشر فی نکاح الکفار ، صفحہ: ۳۳۸ ، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ، کی بحث میں بھی موجود ہے۔

رخصتی سے قبل، مقتول کی بیوہ کی عدت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک عورت کے شوہر کو بیوی سے قربت و مباشرت سے پہلے قتل کر دیا گیا، (انا للہ وانا الیہ راجعون) معلوم یہ کرنا ہے کہ بیوہ کی عدت کتنی ہے ؟ نیز اگر مہر مقرر اسے نہیں ملا تو وہ اس کی حقدار ہے یا نہیں ؟

الجواب :

موت کی عدت بہر صورت واجب ہوتی ہے۔ میاں بیوی کی ملاقات تنہائی میں ہوئی ہو یا نہ۔ صورت مسئولہ میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور اسے عدت وہیں گذارنی چاہیئے جہاں یہ شوہر کے قتل کے وقت تھی اور شوہر کے مال سے اس کا پورا مہر پہلے ادا کیا جائے گا، اسکے بعد ایک چوتھائی حصہ اسکے شوہر کے مال میں سے ترکہ بھی ملے گا۔

حاملہ کی عدت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے اپنی بیوی ھندہ کو تین طلاقیں دیں، جس کے اہل محلہ گواہ ہیں۔ طلاق کے دوسرے دن معلوم ہوا کہ ھندہ حاملہ ہے۔ آگے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ "زید طلاق کے وقت نشے میں تھا" جبکہ زید نشے سے انکاری ہے وہ اجلاس میں بھی ہوش وحواس کے ساتھ طلاق دینے کا اقراری ہے۔ اب حسب ذیل سوالات کا جواب دیجئے

(۱) کیا مندرجہ بالا طلاق مؤثر ہو گئی یا نہیں ؟

(۲) کیا عدت کی مدت وضع حمل تک ہو گی اور اس مدت میں کیا شوہر مذکور رجوع کر سکتا ہے یا نہیں ؟

سائل : سید ارشاد علی، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں اگر شوہر طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے یا انکار کرنے کی صورت میں گواہوں سے طلاق دینے کا ثبوت ہوتا ہے تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور بغیر حلالہ ان کا نکاح دوبارہ نہیں ہو سکتا ہے اور حاملہ کی عدت بچے کی پیدائش پر ختم ہوتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نامرد کی طلاق کی عدت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

شادی کے بعد شوہر نے نامرد ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی، تو کیا عدت ہو گی ؟ اور مہر H دینا ہو گا ؟ شادی کے بعد میاں بیوی کی طرح کچھ مہینے رہ چکے ہیں تو پھر کیا کرنا چاہیے ؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل : یعقوب انصاری، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب :

میاں بیوی جب تنہائی میں ایسی جگہ جمع ہو جائیں، جہاں کوئی مانع وطی نہ ہو۔ اور شوہر اگر نامرد ہو، جب بھی خلوت صحیحہ ہو جاتی ہے اور خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دینے سے عدت اور پورا مہر بھی ادا کرنا واجب ہے۔ لہٰذا جس دن طلاق دی ہے، اس کے بعد تین ماہواری ختم ہو جانے کے بعد عدت ختم ہو گی۔

معتدہ کا زیبائش کرنا اور نکاح میں شرکت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اب بیوہ عدت میں ہے۔ جبکہ اس کی دوسری بہن کی شادی کی تاریخ پہلے سے طے ہو گئی تھی۔ لڑکی کے والدین دوسری بیٹی کے عدت میں ہونے کی وجہ سے فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتے جبکہ لڑکے والے جلدی کر رہے ہیں، آیا اس صورت میں شادی کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) شوہر کے مرنے کے بعد عورت اپنے سر میں تیل اور گھر میں جھاڑو لگا سکتی ہے یا نہیں ؟ جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : عبد الغفور، سندھی ہوٹل، لیاقت آباد

الجواب :

(۱) جو عورت عدت گذار رہی ہے، اسکا نکاح عدت میں ناجائز ہے۔ لیکن بہن کے نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ اس کا نکاح کر دینا ہی نظر شرع میں پسندیدہ ہے۔ اور معتدہ گھریلو حد تک سادگی کے ساتھ شادی کے پروگراموں میں شرکت کر سکتی ہے۔ ہال وغیرہ یا باہر کی تقریبات میں شریک نہیں ہو سکتی۔

(۲) عورت عدت میں سر میں تیل نہیں لگا سکتی ہے۔ جھاڑو وغیرہ دے سکتی ہے۔ برتن دھونا اور گھر کے دیگر کام کاج بھی کر سکتی ہے۔

عدت میں سسر سے پردہ کرنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

عدت گذارنے والی عورت! دوران عدت اپنے سسر سے پردہ کرے گی یا نہیں ؟ جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: عبدالرشید، ترک مسجد، کراچی

الجواب:

قبلِ عدت جن سے پردہ فرض تھا، دورانِ عدت بھی، ان سے پردہ کرنا فرض ہے۔ اور جن لوگوں سے عدت سے پہلے پردہ کرنا فرض نہیں تھا ان سے عدت میں بھی پردہ کرنا فرض نہیں۔ سسر سے پردہ نہیں ہے لہٰذا شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کے باپ سے پردہ کرنا فرض نہیں ہے۔

عدت میں دیور وغیرہ سے پردہ

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک عورت جسکا شوہر انتقال کر چکا ہے۔ کیا عدت کے ایام میں دیور یا اسکے لڑکے اسکے پاس آسکتے ہیں ؟

سائل: محمد مسعود

الجواب:

پردے کے احکام میں عدت اور غیر عدت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ غیر محرم سے پردہ ہمیشہ کرنا ہے۔ دیور اور جیٹھ بھی غیر محرم ہیں، ان سے بھی پردہ کرنا ہے اور دیور کیلئے تو حدیث میں ہے، اس حدیث کو امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری نے صحیح بخاری میں نقل کیا:

الحمو الموت

(جلد(۲) کتاب النکاح ، باب لا یخلون رجل بامرأۃ الخ ، صفحہ : ۷۸۷،
قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی دیور موت ہے۔

یعنی جس طرح آدمی کو موت سے بچنا چاہیے ایسے عورت کو دیور سے دور رہنا چاہیے۔

عدت میں نکاح کرنے والی اور اس کو جائز سمجھنے والوں کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص فوت ہوگیا ، اس کے ورثاء میں فقط ایک بیوی ہے۔ اس عورت نے عدت بھی نہیں کی ، گھومتی رہی اور ایک ماہ ، پندرہ دن کے بعد شادی کرلی۔ آیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں ؟ اور ہمارے یہاں کے عالموں نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا کہ یہ نکاح نہیں ہوا اور نکاح پڑھنے والے ، سننے والے ، بیٹھنے والے ، سب کے نکاح ٹوٹ گئے اور یہ سب دوبارہ نکاح پڑھوائیں ۔ کیونکہ انھوں نے قرآن کے حکم کی صراحتاً خلاف ورزی کی ہے۔ تفصیل سے مطلع فرمادیں۔

الجواب :

متوفی کی بیوی کی عدت چار مہینے دس دن ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت :۲۳۴)

یعنی اور جو تم میں سے مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔

(کنزالایمان)

لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ نکاح نہیں ہوا۔ اور جن لوگوں نے اس نکاح میں، اس نیت کے ساتھ شرکت کی کہ یہ جائز ہے، ان سب کے نکاح ٹوٹ گئے کیونکہ یہ حکم قرآنی سے روگردانی اور صریح انحراف ہے۔

حلالہ کا بیان

حدیث سے حلالہ کا ثبوت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :
بکر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے ، اس کیلئے حلال نہیں ہو سکتی۔ حضور ﷺ کی حیات پاک کے اندر کیا کوئی حلالہ کا واقعہ پیش آیا یا نہیں ؟

سائل : محمد جمال خان، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب :

عہد نبوی میں بھی تین طلاقیں دیئے جانے کے واقعات پیش آئے۔ ترمذی شریف میں ہے، اس حدیث کو استاذالمحدثین ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے جامع ترمذی میں اس حدیث کو نقل کیا :

عن عائشة قالت جاء ت امرأة رفاعة القرظی الی رسول الله ﷺ فقالت انی كنت عند رفاعة فطلقنی فبت طلاقی فتزوجت عبد الرحمٰن بن الزبير وما معه الا مثل هدبة الثوب فقال اتريدين ان ترجعی الی رفاعة لا حتی تذوقی عسيلته ويذوق عسيلتك

(حصه اول ، ابواب النكاح ، باب ما جاء فی من يطلق امراته ثلاثا ، صفحه : ۱۳۳ ، فاروقی كتب خانه، كراچی)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے فرمایا : رفاعہ قرظی کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس نے عرض کی کہ میں رفاعہ کی زوجیت میں تھی، انہوں نے مجھے تین طلاقیں دے دیں۔ عدت گذارنے کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کیا۔ اور نہیں ہے ان کے ساتھ مگر کپڑے کے آنے کی مانند (یعنی ان میں وطی کی صلاحیت نہیں ہے) اس پر آپ نے فرمایا کہ تو دوبارہ رفاعہ کی زوجیت میں آنا چاہتی ہے، نہیں آسکتی۔ یہاں تک کہ تو اس سے لطف اندوز ہو اور وہ تجھ سے لطف اندوز ہوں۔ یعنی شوہر ثانی کا وطی کرنا شرط ہے۔

قرآن کریم میں ہے :

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت : ۲۳۰)

پھر اگر اسے تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہو گی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (کنز الایمان) ۔

یعنی تین طلاقوں کے بعد عورت شوہر پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے۔ اب نہ اس سے رجوع ہو سکتا ہے، نہ دوبارہ نکاح۔ جب تک کہ حلالہ نہ ہو۔ یعنی بعد عدت یہ عورت دوسرے سے نکاح کرے اور وہ بعد صحبت طلاق دے۔ پھر اگر اس طلاق کی عدت گذرنے کے بعد وہ دونوں نکاح کرنا چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حلالہ کی تعریف

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص نے حلالہ کیا، بیوی سے صحبت میں صرف دخول ہوا، انزال نہیں ہوا۔ تو کیا اس صورت میں حلالہ ہو گیا یا نہیں؟ عورت پر عدت لازم ہو گی یا نہیں؟

سائل : عبدالسلام، لیاقت آباد، کراچی

الجواب :

حلالہ کیلئے دخول شرط ہے۔ انزال ضروری نہیں۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

و الشرط الایلاج دون الانزال

(اولین، کتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، صفحه : ۴۰۰، مکتبه شرکت علمیه، ملتان)

یعنی دخول شرط ہے، انزال نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر دخول ہو گیا تھا، تو یہ حلالہ درست ہے۔ بعد طلاق عورت پر عدت لازم ہے۔ مطلقہ کی عدت تین ماہواری ہے۔ جبکہ حاملہ نہ ہو۔ اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے پر ختم ہو گی۔

حلالہ کی نیت سے نکاح کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) ایک مرد اور ایک عورت کا نکاح کرنا مقصود ہے، لیکن نکاح حلالہ کی نیت سے کیا جارہا ہے۔ کیا اس کی اجازت ہے؟ نیز کیا صرف دخول سے حلالہ ہو جائے گا یا کہ انزال ہونا بھی شرط ہے۔

(۲) سنا ہے کہ نکاح کے وقت اگر یہ بات کہہ دی جائے کہ طلاق کا حق عورت کو دیا جاتا ہے تو کیا ایسی صورت میں اگر عورت دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں فلاں سے طلاق لیتی ہوں، میں فلاں سے طلاق لیتی ہوں، میں فلاں سے طلاق لیتی ہوں۔ تو اس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد نعیم، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب:

(۱) جو شخص اس نیت سے حلالہ کرے کہ ان دونوں کا گھر آباد ہو جائے تو ایسے شخص کیلئے اس میں اجر ہے۔ حلالہ کیلئے دخول شرط ہے نہ کہ انزال۔ لہٰذا محلل (حلالہ کرنیوالا) اگر دخول کرنے کے بعد اخراج کرے اور انزال نہ بھی ہو تو حلالہ درست ہو جائے گا۔

(۲) صورت مسئولہ میں جب یہ شخص خود جس چیز کا مالک نہیں تو یہ دوسرے کو اس کا اختیار نہیں دے سکتا۔ ہاں یہ کر سکتا ہے کہ عورت سے کہے کہ میں جس روز تم سے نکاح کروں اسکے ایک روز بعد تمھیں اختیار ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق دے سکتی ہو۔ ایک طلاق کا اختیار دے دینا کافی ہے۔ اس صورت میں جب یہ عورت اپنے آپ کو طلاق دے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

اعلانیہ نکاحِ حلالہ کرنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر کسی عورت کا نکاحِ حلالہ کرنا مقصود ہو اور کوشش یہ ہو کہ یہ کام رشتہ داروں اور محلّہ والوں سے راز میں رکھا جائے تو اس مقصد کیلئے مصلحتاً عورت اپنا اور اپنے والد کا نام بدل سکتی ہے؟ کیا نکاحِ حلالہ صرف زبانی طور پر ہو سکتا ہے؟ یعنی اس کیلئے فارم وغیرہ نہ بھرے جائیں۔

سائل: محمد نعیم، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب :

نکاح کیلئے دو گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ان گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول ہو۔اگر لڑکا اور لڑکی خود دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کریں تو نکاح ہو جائے گا۔ مگر حدیث شریف میں نکاح بالا علان کرنے کا حکم دیا۔ اسکا مقصد یہ ہے کہ اگر چھپ کر لڑکے اور لڑکی نے دو گواہوں کے سامنے نکاح کر لیا اور کسی کو معلوم نہ ہو تو ان کو ساتھ رہتے دیکھ کر لوگ تہمت لگائیں گے۔اس سے بچنے کیلئے نکاح بالا علان کرنا چاہئیے۔جب لڑکی اور لڑکا خود ایجاب و قبول نہ کریں تو لڑکی سے وکالت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک شخص کو وکیل بنایا جاتا ہے۔اس کی وکالت حاصل کرنے کیلئے بھی دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ان گواہوں کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ گواہ اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ اگر لڑکی وکالت کا انکار کر دے اور یہ کہے کہ میرا نکاح میری مرضی کے بغیر کر دیا گیا ہے تو ان گواہوں سے وکالت ثابت کی جائے گی۔

نکاح پڑھانے والے کے علاوہ دو گواہ ہونے چاہئیں۔عدت گذرنے کے بعد کسی ایسے شخص سے مطلقہ کا نکاح کیا جائے جو صحبت کرنے پر قادر ہو اور وہ صحبت بھی کرے۔اور اس نکاح حلالہ کا علم ان لوگوں کو ہونا چاہئیے جو اس کے مطلقہ ہونے کو جانتے ہیں ورنہ وہ تہمت لگائیں گے کہ تین طلاقوں کے بعد بھی بیوی کو رکھے ہوئے ہے۔

نکاح کے صحیح ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ جس عورت کا نکاح کیا جارہا ہے، اس کو شوہر پہچانتا ہو۔ لہٰذا عورت کا وہ نام لیا جائے گا، جس سے وہ پہچان لے اور خفیہ نکاح کرنے کے بارے میں اوپر بتا دیا گیا ہے۔ شرعاً فارم کی ضرورت نہیں ہے۔

حلالہ کی چند صورتیں

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب! دار العلوم امجدیہ، کراچی

السلام علیکم

ایک شرعی مسئلے میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے کہ ہمارے معاشرے میں طلاق اور بعد میں حلالے کے مسائل سنگین صورت اختیار کر چکے ہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حلالے کی مدت کے دوران حمل

قرار پا جاتا ہے اس وجہ سے پہلا شوہر دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ اور صرف حلالے کی نیت سے شادی کرنے والا مرد پیدا ہونے والے بچے کی ذمہ داری سے مجبوری ظاہر کرتا ہے بہر صورت نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عورت اور بچہ مشکلات میں پڑ جاتے ہیں۔ جزوی طلاق اس مسئلے کا کامل حل نہیں کیونکہ طلاق ثابت ہو جانے کی صورت میں دوبارہ شادی کیلئے شرعی احکامات کی بجا آوری یعنی حلالہ ضروری ہے۔

اس قسم کا ایک مسئلہ درپیش ہے۔ ایک شریف خاندان ایمانداری سے حلالے کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کا آرزومند ہے۔ طریقہ کار اس خاندان کے نزدیک یہ پسند کیا گیا ہے کہ حلالے کے فرائض انجام دینے والے شخص کو بطور تحفہ کچھ معاوضہ دیا جائے گا وہ شخص کثرت اولاد کی وجہ سے نس بندی کرا چکا ہے لیکن وطی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ البتہ حمل قرار نہیں پاتا کیونکہ وہ نس بندی کرا چکا ہے۔ للذا علمائے کرام اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(۱) کیا حلالہ کرنے والا شخص حلالہ کا معاوضہ لے سکتا ہے؟

(۲) اگر حلالے کے کام کیلئے معاوضہ تو نہ مقرر کیا جائے لیکن بطور تحفہ یا ہدیہ اس شخص کو کچھ دیا جائے تو یہ فعل جائز سمجھا جائے گا؟

(۳) اگر حلالے کے نتیجہ میں بچھڑے ہوئے میاں بیوی دوبارہ ازدواجی تعلقات میں منسلک ہو جائیں اس سے حلالے کے فرائض انجام دینے والے کو کیا ثواب ملے گا؟

سائل: خادم ابن عمر انصاری، ایم اے جناح روڈ، کراچی

الجواب:

حدیث میں ہے، اور اس حدیث کو حافظ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث متوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابو داؤد میں نقل کیا:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لُعِنَ الْمُحِلُّ وَالْمُحَلَّلُ لَهُ

(حصہ اول، کتاب النکاح، باب فی التحلیل، صفحہ: ۲۹۰،۹۱، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حلالہ کرنے والے پر اور جسکے لئے حلالہ کیا گیا ہے، دونوں پر

لعنت کی گئی۔

حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف اس قصد سے نکاح کرے کہ ایک دن بعد طلاق دے دے گا یا صرف پہلے کیلئے حلال کرنا مقصود تھا، اسکا یہ فعل اور پہلا شوہر جس نے اس شرط کے ساتھ حلالہ کروایا، دونوں پر لعنت ہے۔ لیکن حلالہ اس صورت میں بھی ہو جاتا ہے۔

شریعت کا نکاح سے مقصد تا حیات نکاح کو باقی رکھنا ہے۔ نکاح اسی ارادے سے کرنا چاہیئے۔ حلالہ کرنے کی اجرت لینا حرام ہے۔ اور اگر بطور نذرانہ لینے کا عرف کیا جائے یا ان لوگوں کے ذھنوں میں حلالہ سے پہلے، اس کا خیال تھا جب بھی ناجائز ہے۔ ہاں اگر شرط نہیں ہے لیکن حلالہ کرنے والے کی نیت یہ ہے کہ پہلے والے کیلئے بیوی حلال ہو جائے گی اور میرے اس فعل سے ان کا گھر تباہی سے بچ جائے گا، تو حلالہ کرنے والے کو اس صورت میں ثواب ملے گا۔ جس نے نس بندی کروالی ہے اور وہ وطی پر قادر ہے، اس سے نکاح ہو تو حلالہ ہو جائے گا۔ حلالہ کیلئے عورت کا حاملہ ہو جانا شرط نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اس نے اپنی مطلقہ سے دوبارہ نکاح کیلئے حلالہ کروایا۔ حلالہ کیلئے نکاح کچھ اس طرح ہوا کہ نکاح کرنے والے نے لڑکی سے یوں کہا "تم نے نکاح کا معاملہ ۵۰۰ روپے مہر کے عوض قبول کیا" لڑکی نے اقرار کے طور پر قبول ہے، کہا۔

اس مجلس میں نکاح کرنے والے کے علاوہ ۲ آدمی اور بھی تھے، ایک کو نکاح کا علم تھا جبکہ دوسرے کو نہیں۔ جسے علم نہیں تھا اس نے بھی نکاح والے الفاظ کو سنا تھا۔ نکاح کرنے والے نے اپنی منکوحہ سے ہمبستری کی اور اس کے بعد اسے تین طلاقیں دے دیں۔ کیا یہ نکاح صحیح ہوا تھا یا غلط؟ نیز پہلے شوہر کیلئے وہ عورت حلال ہوئی یا نہیں؟ اگر یہ نکاح غلط ہوا ہے تو کیا حلالہ کیلئے لڑکی کو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا؟

سائل: محمد جاوید، کھارادر، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں نکاح نہیں ہوا۔ اس لئے کہ عورت سے جو لفظ کہے گئے وہ ایجاب کے نہیں اور اس میں شوہر کا بھی تعین نہیں ہے۔ یعنی یہ نہ کہا کس سے نکاح قبول ہے۔ بلا تعین شوہر ایجاب و قبول نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب یہ نکاح فاسد ہوا تو حلالہ بھی نہیں ہوا۔ اور یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال بھی نہ ہوئی۔ مگر عورت سے وطی بالشبہ ہے۔ اور وطی بالشبہ میں بھی عدت واجب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس وطی کے بعد جب تین حیض گذر جائیں تو پھر کسی شخص سے یہ عورت نکاحِ صحیح کرے، وہ اسکے ساتھ وطی کرے اور اسکے بعد خود اسکو طلاق دے دے یا مر جائے تو پھر عدت گزارنے کے بعد یہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

حرمتِ ابدی والی مطلقہ سے حلالے کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

عرض یہ ہے کہ زید اپنی ساس سے شہوت کے ساتھ ملا اور کئی مرتبہ ایسا ہوا۔ کیا زید کا نکاح باقی ہے یا نہیں ؟ اور اب غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق بھی دے دی تو کیا اس صورت میں حلالہ کے بعد زید کی مطلقہ اس کیلئے جائز ہو گی یا نہیں ؟

سائل : محمد عبداللہ، کراچی

الجواب :

یہ بیان خود شوہر کا ہے، ساس کا شہوت کے ساتھ داماد کو چھونا حرمت مصاہرت کا سبب ہے۔ لہٰذا اسکی وجہ سے یہ بیوی اپنے شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئی۔ جب یہ حرام ہو چکی تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا ان دونوں کے حلال ہونے کی یا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

حقوق العباد کا بیان

حقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد میں کوتاہی

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص ایک دینی جماعت سے وابستہ ہے، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، شرعی لباس بھی پہنتا ہے، چہرے پر داڑھی مبارک بھی ہے، لوگوں کو نیک کام کرنے کی ترغیب اور دعوت و تبلیغ کا کام بھی کرتا ہے۔ اس سال حج کی سعادت حاصل کرنے کا بھی ارادہ ہے۔ لیکن دوسری طرف اپنے ماں باپ سے بد کلامی کرتا ہے، گالیاں دیتا ہے، ایک آدھ مرتبہ والدین پر ہاتھ بھی اٹھا چکا ہے۔ اس کے باپ نے اس کا داخلہ اپنے گھر میں بند کر دیا ہے۔ اپنی والدہ کی خدمت نہیں کرتا، جو کہ اکثر بیمار رہتی ہیں، جبکہ والد اور والدہ دونوں عمر رسیدہ ہیں۔ دوکان کے ملازم سے ہتک آمیز سلوک کرتا ہے، پچھلے سال ایک معاہدہ کیا، اس کی ادائیگی نہیں کی اس سال بھی ایک تحریری معاہدہ کیا لیکن وقت پر اس معاہدے سے انکار کر دیا تاکہ معاہدے کے مطابق رقم کی ادائیگی نہ کرنی پڑے۔

سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کے دنیاوی عمل (حقوق العباد) کی روشنی میں اس کے شرعی عمل (حقوق اللہ

) کی کیا حیثیت ہے اور کہاں تک قابل قبول ہیں؟ کیا ایسا شخص والدین کے حقوق، ملازم کے واجبات ادا کئے بغیر اور معاہدہ پورا کئے بغیر دیگر شرعی حقوق ادا کر سکتا ہے؟ براہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل: محمد اسماعیل

الجواب:

انسان کے ذمہ دو قسم کے حقوق ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ میں عبادات ہیں، ان میں کوتاہی اور کمی بندے اور اللہ کا معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا معاف فرمائے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔ حقوق العباد میں بندوں کے ساتھ معاملات ہوتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ حق والدین کا ہے، اس کے بعد رشتہ داروں کا، پھر پڑوسیوں اور عام مؤمنین کا اور علی العموم انسانوں کا۔ گالی دینا، بد خلقی سے پیش آنا، وعدہ خلافی کرنا اور بے ایمانی، بد دیانتی وغیرہ یہ تمام حقوق العباد کو پامال کرنے والی باتیں ہیں۔

حقوق العباد کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ ان سے متعلق صحاح ستہ کتب احادیث میں متعدد احادیث اس مضمون کی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "میدان حشر میں اللہ تبارک و تعالیٰ اعلان فرمادے گا کہ بندو! اگر میرے حقوق کے معاملے میں اگر کوتاہی ہے تو میں جسے چاہوں معاف کروں گا جسے چاہوں سزا دوں گا مگر بندوں کے حقوق کے معاملے میں میں کچھ نہیں کروں گا۔ جس کا حق ہے وہ اگر چاہے تو معاف کرے "اسی لئے حدیث میں فرمایا، اور اس حدیث کو رئیس المحدثین امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا:

اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَّومَ الْقِیٰمَةِ

(جلد(۱) ابواب المظالم والقصاص، باب الظلم ظلمات یوم القیامة، صفحه: ۳۳۱، قدیمی کتب خانه، کراچی)

فرمایا کہ دنیا میں چھوٹا ظلم یعنی کسی کی حق تلفی قیامت کے دن بہت سے ظلموں کا مجموعہ ہوگا۔

اس لئے دنیا میں مرنے سے پہلے لوگوں کے حقوق ادا کر دو یا ان سے معاف کرالو۔ حشر میں کوئی معاف کرنے والا نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے، اس حدیث کو حافظ الحدیث امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل ابی عبد اللہ ۷ نی متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی مسند میں نقل کیا۔ اس کے علاوہ مسلم کتاب البر اور ترمذی شریف، کتاب القیامۃ میں بھی یہ

حدیث شریف موجود ہے کہ :

حضور علیہ السلام نے صحابہ سے سوال کیا کہ مفلس کون ہے انھوں نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک تو مفلس وہ ہے جس کے پاس روپے پیسے نہ ہوں۔ حضور نے فرمایا بڑا مفلس وہ ہے جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دوسری عبادات و طاعات کیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کی حق تلفی کی تھی یعنی حقوق العباد ادا نہ کئے تھے جو میدان حشر میں یہ تمام حقوق والے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ہمارے حقوق اسی شخص نے ادا نہیں کئے ہیں۔ اس کا بدلہ ہمیں دلا دیجئے تو اس نیکی کرنے والے کی ساری نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی اگر اس سے ان کا بدلہ پورا ہو گیا جب بھی یہ خالی ہاتھ رہ جائے گا اور جہنم میں جائے گا اور اگر ان لوگوں کا بدلہ پورا نہ ہوا ہو تو ان کے گناہ اس کی گردن پر مسلط کر دیئے جائیں گے اور یہ جہنم میں جائے گا، یہ بڑا مفلس ہے۔

(مسند الامام احمد بن حنبل، ۲/۳۳۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی : ۷۴۲ھ نے حدیث نقل کی :

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے فرمایا : ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ علیہ السلام فلاں عورت کے بارے میں اس کی کثرت نماز اور روزے اور صدقے کے متعلق تذکرہ کیا جاتا ہے مگر وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے اذیت پہنچاتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ جہنم میں ہے، پھر اس شخص نے عرض کی کہ حضور فلاں عورت کے بارے میں یہ بیان کی جاتا ہے کہ وہ روزہ، صدقات اور نماز بہت کم ادا کرتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ کئے اور وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا رسانی نہیں کرتی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ جنتی ہے

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، الفصل الثالث،
صفحہ : ۴۲۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

لہٰذا سوال میں جس شخص کا تذکرہ ہے، اسے خدا کے عذاب سے بچنا چاہیئے اور جلد از جلد والدین سے معافی مانگ کر آئندہ کیلئے ان کے حقوق ادا کرنیکا عہد کرنا چاہیئے اور دوسرے جن لوگوں کے حقوق اگر مالی ہیں تو انھیں فوراً ادا کر دے اور اگر وعدہ خلافی، ایذا رسانی گالی وغیرہ سے متعلق ہیں تو ان اصحاب سے معافی طلب کرنی چاہیئے۔

دوسرے کا حق مارنے کی مذمت، اپنا حق لینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید و بکر چھ سال تک شراکتی کاروبار میں برابری کے حصہ دار تھے۔ زید کی بیوی ہندہ کی ریشہ دوانی سے تنازعہ پیدا ہوا تو عمر نے ثالث کا کردار ادا کیا۔ بکر کا حصہ اکیس ہزار روپے زید نے تسلیم کئے مگر ہندہ نے مداخلت و مزاحمت کر کے یہ رقم دس ہزار روپے تک گھٹادی، جس کی دس قسطیں ایک ایک ہزار روپے ماہانہ مقرر ہوئیں۔ پہلی قسط ایک ہزار روپے دیکر بقیہ نو ہزار روپے روک لئے۔ زید فوت ہو گیا اور ہندہ نے ترکہ میں کثیر رقم پائی لیکن بکر کا حق ادا کرنے کو تیار نہیں۔ عمر بھی ہندہ کا طرف دار بن گیا۔ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲، ۲۸۳، سورہ مائدہ کی آیت ۸، سورہ نساء کی آیت ۱۳۵، مع تفسیر و تشریح نقل کر کے بھیجی گئیں۔ عمر گواہی کیلئے تیار نہیں۔ ہندہ اور اس کے ہموا عمر کیلئے حکم شرع کیا ہے ؟ ظالم کے مال پر کسی وقت مظلوم قابو پائے تو اپنا حق وصول کرنے کی اجازت ہے یا نہیں ؟ جبکہ زیادتی سے بچ کر صرف اپنا حق مغصوب حاصل کرنا مقصود اور مطلوب ہو۔ بینوا و توجروا

سائل : احمد حسن، سمن آباد، کراچی

الجواب :

جب اتفاق رائے سے فیصلہ ہو چکا، تو جتنی رقم ادا کرنی تھی وہ فوراً ادا کرنا ضروری ہے۔ حدیث میں فرمایا، اس حدیث کو رئیس المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمہ متوفی ۲۵۶ نے اپنی صحیح میں نقل کیا :

مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ

(جلد (۱) کتاب الاستقراض، باب مطل الغنی ظلم، صفحہ: ۳۲۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جو دینے کی استطاعت رکھتا ہے پھر بھی لوگوں کا حق دینے میں ٹال مٹول کرے وہ ظالم ہے۔

اگر واقعی دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو حق والے سے مہلت لے لے اور اس کو مہلت دے دینی چاہیئے۔ لہٰذا یہ رقم فوری ادا کرنا ضروری ہے۔ اس میں دیر کرنا جائز نہیں اور جو حق تلفی میں اس کا ساتھ دے، وہ بھی

گناہ میں شریک ہے۔ قرآن میں فرمایا:

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

(سورۃ (۵) المائدہ، آیت: ۲)

یعنی گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی معاونت نہ کرو۔ (کنزالایمان)

صاحب حق کو اپنا حق لینے کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس قسم کا حق تھا اسی قسم سے لے یعنی روپے تھے تو روپے لے گا، سونا چاندی تھی تو وہی لے گا اور جتنا حق تھا اتنا ہی لے گا، اس میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ جب موقع مل جائے بلا اجازت اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔

والدین کی خدمت اور بیوی بچوں کی ان سے علیحدگی

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) اگر گھریلو حالات والدین کے ناروا سلوک کی وجہ سے خراب ہوں، تو کیا والدین سے علیحدگی اختیار کی جاسکتی ہے؟

(۲) علیحدگی کی صورت میں والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک اگر یہ کہے کہ "میں نے تمھیں نہیں بخشا" تو کیا میں عذاب کا مستحق ہوں گا؟ جبکہ میں حق پر ہوں۔

(۳) علیحدگی کا شرعی طریقہ کیا ہوگا اور علیحدگی کی صورت میں کیا میں والدین کو علیحدہ خرچ دینے کا پابند ہوں؟ جبکہ میری آمدنی خود میرے لئے بھی کم ہے۔

(۴) اگر والدین خود ہی علیحدگی کے بہانے تلاش کریں، تو کیا میں اس وجہ سے عذاب کا مستحق ہوں گا؟

(۵) کیا ہم براضی وخوشی علیحدگی اختیار کر سکتے ہیں اور اس کا شرعی طریقہ کیا ہوگا؟

(۶) علیحدگی کی صورت میں اگر میرے کچھ عزیز مجھ سے قطع تعلق کر لیں تو کیا میں گناہ گار ہوں گا کیونکہ جو شخص رشتوں کو توڑتا ہے وہ گناہ گار ہے۔ جبکہ میں جوڑ کا قائل ہوں توڑ کا نہیں۔

(۷) کیا میری بیوی میرے علاوہ میرے والدین اور دیگر افراد خانہ کی خدمت کی بھی شرعی پابند ہے؟

(۸) اگر میری بیوی یہ کہے کہ میں تو ان حالات سے تنگ آگئی ہوں اور مجھے علیحدہ گھر لے کر دوسری جگہ رکھو اور میری آمدنی اتنی نہیں کہ بیک وقت والدین اور بیوی کو علیحدہ علیحدہ رکھ سکوں۔ ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا میں اس کی ایسی بات ماننے کا پابند ہوں یا نہیں؟ واضح رہے کہ میرا ایک چھوٹا بھائی ہے جو سروس کرتا ہے اور اس کے علاوہ میرے والد صاحب ہیں۔ ان دونوں کی آمدنی بہت قلیل ہے۔

سائل: بندہ خدا

الجواب:

حقوق والدین کے متعلق یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اولاد، دن رات والدین کی خدمت کرے، تب بھی ان کے حقوق ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن و حدیث میں حقوق والدین کی ادائیگی کی سخت تاکید آئی ہے۔ لہٰذا اس میں کوتاہی کرنا کسی طور جائز نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی نظر میں وہ ظلم بھی کرتے ہوں؛ تب بھی ان کے حقوق ادا کرے گا ان کی خدمت کرے گا، ان سے تعلقات قائم رکھے گا، کبھی ترش روئی سے ان سے پیش نہیں آئے گا، ان سب پر عمل کرتے ہوئے ساتھ رہنا ضروری نہیں ہے، علیحدہ رہ سکتا ہے۔

علیحدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی بچوں کیلئے رہائش کا علیحدہ انتظام کرنے یا اسی مکان میں علیحدہ خورد و نوش کا انتظام کرے۔ خصوصاً اس صورت میں، جبکہ ساتھ رہنے میں، تعلقات زیادہ خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ والدین کو چاہیئے کہ شادی شدہ لڑکوں کو علیحدہ رہنے کی اجازت دے دیں۔ علیحدہ ہونے کے بعد بھی اگر والدین کو بدنی یا مالی خدمت کی ضرورت ہو، تو یہ کرتا رہے گا۔ اگر اس کی مالی حالت ایسی نہیں ہے کہ اپنے بیوی بچوں کا گذارہ ہو سکے اور اگر والدین کی آمدنی انکے گذارے کے لائق ہے تو ان کی منت سماجت کر کے اپنی حالت انھیں بتائے گا کہ اس قابل نہیں ہوں کہ میں آپ کی مدد کر سکوں۔ اور انھیں عذر قبول کرنا چاہیئے۔ اور اگر والدین کی آمدنی ان کے گذارے کے لائق نہیں ہے تو خود خرچ میں کچھ کمی کرے اور ان کی مدد کرے۔

شرعاً بلاوجہ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا جائز نہیں ہے۔ علیحدہ ہونا کوئی گناہ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں۔ مگر حدیث کا حکم یہ ہے، اس حدیث کو امام ابو عبد اللہ احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے:

صِلْ مَنْ قَطَعَکَ

(مسند الامام احمد بن حنبل، ۱۴۸/۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

یعنی تم سے جو رشتہ داری کے تعلقات منقطع کرے، اس سے تعلقات قائم کرو۔

لہٰذا یہ اپنی طرف سے کوشش کرے اس کو ثواب ملے گا اور رشتہ دار تعلقات منقطع کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔ بیوی اپنے شوہر کے والدین کو خوش رکھنے کی پابند ہے اور اگر وہ عمر رسیدہ ہیں اور ان کو بدنی خدمت کی ضرورت ہے، کوئی دوسرا یہ خدمت کرنے والا نہیں ہے، تو اس کیلئے یہ باعث سعادت ہے کہ وہ ان کی خدمت کر کے ثواب حاصل کرے۔

مطلقہ ماں اور باپ کے حقوق

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک بڑی عمر والے صاحب نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ ساری جائیداد بیوی کے پاس ہے اور جوان بالغ اولاد بھی ماں کے ساتھ ہے۔ ایک ہی مکان میں سب رہتے ہیں۔ بزرگ کمانے کی حالت میں نہیں ہیں۔ اس لئے ازروئے شرع یہ بتائیں کہ بالغ جوان اولاد باپ کو روٹی کپڑا دینے کی مجاز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

سائل: حاجی بشیر احمد خان ولد محی الدین، منگھوپیر روڈ، کراچی

الجواب:

بیوی کو طلاق دینے کے بعد صرف زمانہ عدت کا خرچہ اور رہائش دینا شوہر پر واجب ہے۔ اور شوہر اپنی زندگی میں ساری جائیداد کا خود مالک ہے۔ بالغ بیٹوں کا خرچہ بھی باپ پر واجب نہیں۔ اور مرض الموت سے پہلے جب بیوی کو طلاق دے دی جائے تو بیوی ترکہ کی بھی حقدار نہیں رہتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاد اور بیوی مکان وغیرہ کے مالک نہیں ہیں۔ اولاد پر باپ کا جو حق ہے، وہ انھیں ادا کرنا چاہیے اور باپ کے مال سے اسے نفع اٹھانے سے روکنا ظلم ہے اور اس ظلم سے انھیں باز رہنا چاہیے۔

والدین کا اولاد کے مال میں تصرف اور ہبہ کی ہوئی چیز کی واپسی کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) والدین کا اپنی اولاد کی ملکیت پر کتنا حق ہے ؟ ملکیت خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی ؟

(۲) بیٹے کے دو ہزار روپے والد کے پاس بطور امانت رکھے ہوئے تھے ، وہ پیسے والد نے خرچ کر دیئے ۔ کیا بیٹا اپنے والد سے پیسے وصول کر سکتا ہے ؟ اور اگر کر سکتا ہے تو کس طریقے سے ؟

(۳) والد نے بیٹے کو پلاٹ کا ایک حصہ ہبہ کر دیا تھا کہ اپنے حصہ پر مکان تعمیر کرے ۔ مگر بیٹے نے سارے پلاٹ پر قبضہ کر لیا ۔ جبکہ دوسرے بیٹے بھی ہیں اور ان کا بھی پلاٹ میں حصہ اور حق ہے ۔ اب والد صاحب ہبہ والے حصے کے علاوہ باقی پلاٹ آزاد کروانا چاہتے ہیں تو انھیں شرعاً کیا کرنا چاہیئے ، جس سے باقی حصہ مل جائے تا کہ باقی بیٹوں میں تقسیم کر سکیں ۔ بلکہ والد صاحب نے جو حصہ ہبہ کیا تھا ، اسے بھی واپس لینا چاہتے ہیں ۔ برائے کرم مختصر اور جامع جواب عنایت فرمائیں ۔

سائل : محمد سلیمان جسکانی بلوچ

الجواب :

(۱) باپ کے اپنی اولاد پر بہت سے حقوق ہیں ۔ مگر باپ کو اولاد کے مال میں تصرف کرنے کا حق صرف اس صورت میں ہوتا ہے کہ باپ کے پاس کھانے وغیرہ کیلئے پیسے نہ ہوں تو بیٹے کے مال سے ضرورت کے مطابق خرچ کر سکتا ہے اور اگر باپ اتنا محتاج نہ ہو تو بیٹے کے مال میں تصرف نہیں کر سکتا ۔

(۲) باپ کے پاس اگر بیٹے نے امانت رکھی تھی تو باپ پر واجب ہے کہ وہ اس کی امانت لوٹا دے اگر خرچ کر چکا ہے تو ضمان دے ۔

(۳) باپ نے پلاٹ کا جتنا حصہ بیٹے کو دیا تھا صرف اتنے حصہ پر اسے مکان بنانے کا حق تھا ، باقی پلاٹ پر

مکان بنانے کا حق نہ تھا اگر اس نے باپ کی اجازت کے بغیر اور بغیر علم کے باقی پلاٹ پر مکان بنایا تھا تو اسے پلاٹ کا وہ حصہ خالی کرنا ہوگا، جس کی اسے اجازت نہ تھی اور اس پلاٹ پر باپ جو چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ جتنے حصے کی اجازت دی تھی، وہ واپس نہیں لے سکتا۔

ولدیت کو بدلنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میرے عزیز نے چند وجوہات کی بناء پر اپنا نام مع ولدیت اپنے والد صاحب کی زندگی میں تبدیل کیا ہے۔ چونکہ ان کے والد صاحب فالج زدہ تھے اور اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے فالج کی وجہ سے بات چیت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا نام کی تبدیلی کے بارے میں ان کی اجازت لینا ناممکن تھا۔ کچھ عرصہ قبل ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب چونکہ لڑکے کے تمام کاغذات وغیرہ نئے نام سے ہیں اور لڑکا اپنے نئے نام سے پہچانا اور پکارا جاتا ہے۔ براہ کرم اس بارے میں فتویٰ سے نوازیں۔ عین نوازش ہوگی۔

سائل : احسان اللہ

الجواب :

اپنے باپ کا نام بدل کر دوسرے کی طرف نسبت کرنا سخت حرام ہے۔ بخاری و مسلم وغیرھما حدیث کی کتابوں میں ایسا کرنے والے کیلئے سخت وعید کی روایتیں آئی ہیں اور یہ باپ کی حق تلفی ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیے اور باپ کیلئے دعائے مغفرت کی جائے اور صدقات وغیرہ دیئے جائیں تاکہ باپ کی جو حق تلفی کی ہے، اس کا کفارہ بھی ادا ہو سکے۔

تربیت اولاد اور والدین کی ذمہ داری

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ماں باپ نے اپنے بڑے لڑکے کی شادی کر دی، شادی کے بعد علم ہوا کہ بہو دینی تعلیم سے نا آشنا ہے، نماز نہیں آتی اور قرآن پاک بقول اس کے ۳۔۴ سپارے پڑھے لیکن وہ سب بھول گئی۔ اب کیا سسرالیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بہو کو تعلیم نئے سرے سے دیں یا اسکو اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔ نیز کیا دونوں میاں بیوی کی تربیت بھی والدین کی ذمہ ہے یا ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ ان کو برائیوں سے روکنے اور نیکی کے کاموں میں ان کی مدد کرنی چاہیئے اور اگر سختی کی ضرورت ہو تو سختی کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟ ماں باپ کے اپنے لڑکے پر کیا اختیارات ہیں؟ تفصیل سے آگاہ کریں۔

سائل: فیروز الدین، صدر، کراچی

الجواب:

شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو دین کی ضروری باتیں سکھائے، اور قرآن پڑھائے۔ ماں باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اچھی باتیں کرنے کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔ حدیث شریف میں ہے اور اس حدیث کو امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے اپنی جامع ترمذی میں نقل کیا ہے کہ:

تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھا کر روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور مرتبہ ہے۔

(حصہ دوم، ابواب الفتن، باب ما جاء فی تغیر المنکر بالید الخ، صفحہ: ۴۰، فاروقی کتب خانہ، ملتان)

ماں باپ اپنی اولاد کو ہر طرح سے سمجھا کر برائی سے روکیں اور اچھائیوں کا حکم دیں۔ اس میں چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں ہے۔

مرحوم پر بے عمل اہل و عیال کا وبال

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مرحوم کی بیوی اور اولاد، نماز، روزہ اور تلاوت وغیرہ کی پابندی نہ کرتے ہوں بلکہ بالکل ہی نہ کرتے ہوں تو کیا ان کی اس بے عملی کی وجہ سے مرحوم کو کچھ اثر پڑتا ہے؟

الجواب:

مرحوم اگر اپنی زندگی میں اپنی بیوی اور اولاد کو نماز، روزہ اور تلاوت وغیرہ کے بارے میں نصیحت کرتا رہتا تھا، اس کے باوجود انھوں نے پابندی نہیں کی، تو ایسی صورت میں اس سے مؤاخذہ (باز پرس) نہیں ہوگا۔

تادیب کیلئے دوسرے کی اولاد کو مارنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:
زید اور بکر آپس میں بہت گہرے دوست ہیں اور اسی دوستی کے تناظر میں وہ ایک دوسرے کے بچوں کی اخلاقیات پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔ اور اگر اپنے یا دوسرے کے بچوں میں کوئی اخلاقی خرابی دیکھتا ہے تو تادیباً (ادب سکھانے کیلئے) دوسرے کے بچے کو مار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر زید وبکر میں دوستی یا رشتہ داری کے ایسے تعلقات ہیں کہ ایک دوسرے کے بچوں کو غلطیوں پر تنبیہ کرتے رہتے ہیں۔ تو ادب سکھانے کیلئے جس طرح تنبیہ کر سکتے ہیں اسی طرح معمولی طور پر مار بھی سکتے ہیں۔ یہ صرف تادیب کیلئے ہی کر سکتے ہیں تکلیف دینے کیلئے تو باپ بھی نہیں مار سکتا۔ اگر دونوں میں ایسے تعلقات نہیں ہیں، تو دونوں ایک دوسرے کی اولاد کو نہیں مار سکتے۔

بہن کو بہن تسلیم نہ کرنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید کا انتقال ہو گیا۔ زید نے ورثاء میں ایک بیٹی اور دو بیٹے چھوڑے۔ مرحوم کے بیٹوں میں سے ایک نے اپنا نام عدالت میں درج کراتے وقت محکمہ مال کے پورے اسٹاف کے سامنے یہ کہا کہ "ہم صرف دو بھائی ہیں۔ ہماری کوئی بہن نہیں ہے"۔ جبکہ انکی ایک بہن ہے، جس کا نام شمع نور دختر غلام محمد ہے۔ تمام گاؤں والے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بھائی نے اپنی بہن کو باپ کی بیٹی تسلیم نہیں کیا۔ وہ یہ کہتا ہے کہ "یہ میرے باپ کی نہیں ہے"۔ اس سے ثابت ہوا کہ بھائی نے اپنی بہن کو باپ کی بیٹی تسلیم نہ کر کے اپنی ماں پر زنا کا الزام ٹھرایا۔

اب اسلامی رو سے ایسے شخص کیلئے کیا حکم ہے ؟ جبکہ بہن جائداد کی خواہش نہیں رکھتی ہے۔ اس کے باوجود بھائی نے الزام لگایا ہے۔ اب اگر بھائی بہن سے معافی مانگے اور بہن معاف نہ کرے تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں تا کہ بہن کو جائداد سے محروم نہ کیا جائے۔ نوازش ہوگی۔

سائل : محمد جاوید احمد خان، عزیز آباد، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں شخص مذکور کا یہ کہنا کہ ہماری کوئی بہن نہیں ہے، یہ صراحتاً زنا کا الزام نہیں ہے۔ البتہ یہ شخص اپنے اس قول کے باعث تعزیر کا مستحق ہے۔ اس کے خلاف تادیبی کاروائی کی جاسکتی ہے۔ یہ شخص اگر بہن سے معافی کا خواستگار ہے تو بہن کو چاہئے کہ اسے معاف کردے۔ "اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے"۔ بہن کے معاف کردینے سے وہ ترکہ سے محروم نہیں کی جائیگی، حدیث شریف میں ہے، اس حدیث کو حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ متوفی : ۲۷۳ھ نے سنن ابن ماجہ میں نقل کیا ہے :

مَنْ فَرَضَ مِنْ مَيْرَاثِ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

(ابن ماجه ، ابواب الوصايا، باب الحيف في الوصية ، صفحه:۱۹۴، قديمي كتب خانه ، كراچي)

جس نے وارث کو اس کی میراث سے محروم کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت سے محروم فرمائے گا۔

یتیم کی سرپرستی کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
سیف الرحمٰن صاحب کا انتقال ہوا اور ان کا ایک لڑکا فیروز خان ہے۔ تو سیف الرحمان صاحب کی جو جائداد اس لڑکے کو ملی ہے، اس کا سرپرست کون ہے ؟ اس کا ننھیال یا ددھیال ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : محمد جلال الدین خان

الجواب:

صورت مسئولہ میں اس بچے کے ددھیال میں سے مثلاً تایا چچا وغیرہ میں سے کسی ایسے شخص کی نگرانی میں اسکی جائداد وغیرہ دی جائے جو امانتدار، دیانتدار اور قابل اعتماد ہو۔ یہ حکم نابالغ بچے کیلئے ہے۔ بالغ ہونے کے بعد اس کا مال اور جائداد اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔

دوسروں کے متعلق غلط گمان رکھنا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
جن لوگوں کے بارے میں شک ہو کہ یہ حرام کھاتے ہیں یا کاروبار میں جھوٹ بولتے ہیں تو ان کے گھر کھانا، کھانا کیسا ہے ؟ ایسے لوگ عرس ودیگر تقریبات بھی کرواتے ہیں، تو ان میں شریک ہونا ازروئے شرع کیا حکم رکھتا ہے ؟

سائل : عبدالجبار احمد نقشبندی، مارٹن روڈ، کراچی

الجواب :

اگر ظن غالب ہو کہ دعوت کرنیوالے شخص کی کمائی حرام طریقہ سے حاصل کی گئی ہے، تو اس کے یہاں دعوت کھانا جائز نہیں۔ اور کسی مسلمان کی طرف بدگمانی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا بلادلیل کسی مسلمان پر شک نہیں کرنا چاہیئے۔

موجودہ دور میں غلام اور باندی بنانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کیا لونڈی اور غلام خرید کر رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بھی غلام اور لونڈیاں تھیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام اور ان کے بعد بھی کافی واقعات میں ہم نے پڑھے کہ کافی عرصہ تک لوگ غلاموں اور لونڈیوں کی تجارت کرتے تھے اور ان کی خرید و فروخت پر کوئی ممانعت نہ تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کے معاشرے میں جب ہر شخص قانونی طور سے آزاد ہے، اس کو کس طرح پابند کیا جاسکتا ہے ؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج کی معیشت میں بھی لونڈیوں اور غلاموں کی تجارت ہوتی ہے۔

افریقہ ، مشرقی ایشیا اور جنوبی امریکہ میں تو خاص طور پر ان کی تجارت ہوتی ہے۔ اور میں خود بھی جنوبی امریکہ میں رہتا ہوں تو کیا ان تمام حقائق کی موجودگی میں ہم اپنی خدمت کیلئے غلام رکھ سکتے ہیں۔ اگر ہم یہ کام کرنا چاہیں تو کیا شریعت ہمیں اس کی اجازت دیتی ہے ؟

سائل : عبداللہ، جنوبی امریکہ

الجواب :

جب خلافت کا نظام تھا اور جہاد ہوتا تھا، مسلمانوں کا لشکر جب فتح پاتا تھا تو، کفار کی فوج میں سے جو مرد عورت گرفتار کئے جاتے ، انھیں غلام اور باندی بنایا جاتا تھا۔ یہ دنیا میں ان کے کفر کی سزا تھی۔ جب سے خلافت کا

نظام ختم ہو گیا، اور جہاد بھی نہیں ہو تا ہے، اب غلام اور باندی بنانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اب بھی لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک عورتوں اور بچوں کو بھگا کر لے جاتے ہیں اور دوسرے ملکوں میں جا کر باندی بنا کر بیچتے ہیں، یہ خرید و فروخت سب حرام ہے۔

جہاد کی تعریف نیز کفار سے ہاتھ آنے والے مال کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

موجودہ دور میں اگر کسی مسلم ملک کی غیر مسلموں سے لڑائی ہو۔ اور کافروں کی وہ عورتیں جو محاذ جنگ پر اپنی فوج کی مدد کرنے آئیں، مسلمان فوج انہیں گرفتار کرلیں اور مسلمان بادشاہ ان گرفتار شدہ مردوں اور عورتوں کو مال غنیمت کے طور پر بحیثیت غلام اور باندی کے فوجیوں میں تقسیم کر دے تو کیا یہ جائز ہو گا یا نہیں ؟

الجواب :

غنیمت اور اس میں حاصل شدہ اموال اور قید کئے ہوئے مرد اور عورتوں کو غلام بنانا جہاد میں ہو تا ہے۔ جہاد کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ خلیفۃ المسلمین کی خلافت میں اسکے حکم سے ہو تا ہے۔ آج کل دنیا میں کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ موجودہ حکومتیں خلیفۃ المسلمین کی حکومتیں نہیں ہیں۔ اور ساری دنیا میں صرف ایک خلیفۃ المسلمین ہو سکتا ہے۔ جو اس وقت عملی طور پر ناممکن ہے۔ مسلمانوں کی تباہی کا ایک بڑا سبب انکی تفریق اور ملکوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہونا اور نظام خلافت کا ختم ہو جانا بھی ہے۔

جہاد کی دوسری شرط یہ بھی ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق مقصود ہو، جتنے علاقے فتح کئے جائیں وہاں اسلام پھیلانا مقصود ہو۔ جہاد سے پہلے اس علاقے کے کفار پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو وہ ملک حدود اسلام میں شامل اور خلیفۃ المسلمین کی خلافت میں داخل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اسلام سے انکار کریں تو ان سے"

جزیہ" (حفاظتی ٹیکس) کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے گا اور دیگر ملکی شرائط پر بھی ان سے عمل کرایا جائے گا، اور اگر وہ جزیہ قبول نہ کریں تو پھر جنگ کی جائے گی اور جنگ میں حاصل شدہ مال؛ غنیمت کے طور پر تقسیم اور قیدی مردوں اور عورتوں کو غلام اور باندی بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ آجکل جنگ میں جہاد نہیں ہوتا ہے لہٰذا کفار کے قیدی غلام اور باندی بھی نہیں بنائے جائیں گے۔

ذات و قبیلے

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں ذاتوں سے خاندانوں کی پہچان ہوتی ہے، جیسے کوئی شیخ، سید، قریشی، مغل اور کوئی غوری ہے۔ اب میں نہیں جانتا کہ شیخ کون ہے اور کہاں سے آئے اور ان کا سلسلہ کیا ہے؟ میں نے کئی لوگوں سے معلوم کیا لیکن کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ برائے مہربانی صحیح جواب سے نوازیں۔

سائل : محمد ابراھیم کوثر

الجواب :

قرآن کریم میں فرمایا :

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

(سورۃ (۴۹) الحجرات، آیت : ۱۳)

یعنی اور ہم نے تمھیں شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ آپس میں پہچان رکھو۔ (کنز الایمان)

ان شاخوں اور قبیلوں میں سے بعض کا تذکرہ قرآن وحدیث میں ہے۔ مثلاً بنی اسمٰعیل، بنی اسرائیل، بنو طالب، بنو ہاشم وغیرہ۔ ہمارے یہاں جتنی برادری معروف ہیں، ان میں سید کے متعلق تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث میں فرمایا : اس حدیث کو رئیس المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی : ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا :

اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ"

(جلد(۱) کتاب الصلح ، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ابنی هذا سید ، صفحہ: ۳۷۳، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی میرا یہ بیٹا سید ہے۔

اس لئے ان کی اولاد کو "سید" کہا جاتا ہے۔ دوسری برادریاں کیسے بن گئیں اور ان کے یہ نام کس نے رکھے ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

غیر مسلم کو دعوت دینا اور اسکی دعوت قبول کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں ہسپتال میں ڈاکٹر ہوں اور ڈیوٹی کے دوران غیر مسلم ڈاکٹرز کے ساتھ کام کرنا ہوتا ہے۔ ہم لوگ یعنی مسلم اور غیر مسلم ساتھ ملکر ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں اور دعوت میں شریک ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ تعلقات قائم کرنا درست ہے یا نہیں ؟

سائل : ڈاکٹر عنایت اللہ، پی آئی بی ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی

الجواب :

غیر مسلموں کے ساتھ دوستی اور محبت کے تعلقات قائم کرنا ناجائز ہیں۔ ہوٹل میں اگر اپنا اپنا کھانا ایک ٹیبل پر ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں، اس سے محبت کا ثبوت نہیں ہوتا۔ خود دعوت کرنا یا غیر مسلم کی دعوت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

تارکین فرائض سے تعلقات منقطع کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نماز، روزے کی پابندی کرتا ہے، لیکن اس کے گھر والے ماں باپ، بھائی، بہن نماز ادا نہیں کرتے۔ زید ان کو سمجھاتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ عمل پیرا نہیں ہوتے۔ تو ایسے لوگوں سے یعنی بے نمازی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور ان کے ساتھ میل جول رکھنا کیسا ہے ؟ اور اگر زید ان کا ساتھ اس لئے چھوڑ دے کہ شاید وہ لوگ نیک عمل کرنے لگیں، تو کیسا ہے ؟

الجواب :

اسلام کا بنیادی اصول ہے جسے حدیث میں بیان کیا گیا اور اس حدیث کو رئیس المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے صحیح بخاری میں نقل کیا :

"اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ"

(جلد(۱) کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس، صفحہ: ۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جس سے محبت کرے اللہ کیلئے کرے اور جس سے دشمنی رکھے اللہ کیلئے رکھے۔

نماز، روزہ اور زکوٰۃ فرض ہیں۔ اور فرض کو ترک کرنے والا فاسق اور مرتکبِ گناہ ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے محبت ودوستی کے تعلقات رکھنا ناجائز ہیں۔ مگر ماں باپ کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے :

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا٥

(سورۃ (۳۱) لقمان، آیت: ۱۵)

یعنی اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا

کہنا نہ مان۔ اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔ (کنز الایمان)

اگر والدین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر وہ خدمت کے محتاج ہیں تو ان کی خدمت کی جائے گی اگرچہ وہ کافر بھی ہوں۔ لہٰذا اگر والدین نماز نہیں پڑھتے ہیں تو انھیں سمجھائے پھر بھی عمل نہ کریں تو ان سے تعلقات منقطع کرلے لیکن اسکے باوجود اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان پر اپنا روپیہ خرچ کرتا رہے۔

حاملہ کو طلاق اور نو مولود کی پرورش کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میری ساس وغیرہ اپنی بیٹی کیلئے طلاق کا مطالبہ کرتی ہیں جبکہ اس وقت میری بیوی امید سے ہے۔ معلوم کرنا ہے کہ حاملہ کو طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ نیز جو بچہ پیدا ہوگا اس کی پرورش کی ذمہ داری کس پر ہے ؟

الجواب :

حاملہ کو بھی طلاق ہو جاتی ہے، اور اسکی عدت بچے کی پیدائش پر ختم ہوتی ہے۔ بچے کی پرورش کا حق اس کی والدہ کو ہے۔ لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی نو برس کی عمر تک اپنی والدہ کی پرورش میں رہیں گے۔ اس مدت تک بچہ یا بچی کی پرورش کا خرچہ ان کے والد کو دینا ہوگا۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

واذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم احق بالولد

اسکے بعد فرمایا :

والنفقة على الاب

(اولین ، کتاب الطلاق ، باب حضانة الولد ، صفحه : ۴۳۴، مکتبه شرکت علمیه ، ملتان)

یعنی جب میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو جائے تو بچے کی پرورش کی حقدار ماں ہے اور مذکورہ عمر تک پرورش کا پورا خرچہ باپ کے ذمہ ہے۔

درمختار میں ہے :

احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی

یعنی لڑکا اس وقت تک ماں کی پرورش میں رہے گا جب تک وہ (اپنی ضروریات پوری کروانے کیلئے) عورتوں کا محتاج ہے اور اس کی مقدار سات سال ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔

اسکے بعد فرمایا :

احق بها ای بالصغیرة حتی تحیض وقدر بتسع وبه یفتی

(برحاشیه شامی، جلد (۲) باب الحضانة، مطلب لو کانت الاخوة الخ، صفحه: ۶۹۵، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

اور بچی اس وقت تک ماں کی پرورش میں رہے گی جب تک اسے حیض نہ آجائے اور اس کی مقدار نو سال ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔

طلاق کی صورت میں بچوں کی پرورش کا بالترتیب حقدار کون ؟

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
طلاق کی صورت میں بچوں کی پرورش کا حق کس کو ہے ؟

الجواب :

طلاق کے بعد بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے۔ لڑکا سات سال کی عمر تک اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں کے پاس رہے گی۔ اس عمر تک کا خرچہ باپ کو دینا ہوگا۔ بیوی کو صرف زمانہ عدت کا خرچہ دینا ہوگا۔ اگر یہ بیوی کسی

ایسے شخص سے شادی کرلے گی جو بچوں کا محرم نہ ہو تو اس کا حق پرورش ختم ہو جا"۔ مگر اس کے بعد بھی پرورش کا حق نانی کو ہو گا نانی نہ ہو تو خالہ کو ہو گا۔

بد عقیدہ باپ کی طرف اولاد لوٹانے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میرا نکاح پانچ سال پہلے ہوا، جس سے نکاح ہوا وہ —— جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ والدین نے دیندار سمجھ کر یہ نکاح کروایا تھا۔ لیکن موصوف کی وہ سب ظاہری دینداری تھی باطن میں معاشرتی آداب و طریقہ سے ایک دم ناواقف۔ ہم دونوں میں کشیدگی ہو گئی۔ آخر کار نوبت طلاق تک پہنچی ۔ اس دوران تین بچے بھی پیدا ہوئے۔ ان بچوں کی پرورش میں کرنا چاہتی ہوں۔ مہربانی کر کے حکم شرع سے آگاہ فرمائیں۔

سائلہ : سارہ بنت محمد زکریا میمن، کراچی

الجواب :

طلاق کے بعد لڑکا سات اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہیں گے۔ اور اس عرصہ کا خرچ باپ کو دینا ہو گا۔ لیکن اگر باپ کے عقائد گمراہ کن ہیں اور بچوں کو بھی وہ اپنا ہم عقیدہ بنالے گا تو پھر بچے باپ کو نہیں دیئے جائیں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

جو بچہ ختنہ کیا ہوا پیدا ہوا اس کی دوبارہ ختنہ کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک بچہ مختون (ختنہ کیا ہوا) پیدا ہوا۔ کیا اسکی دوبارہ ختنہ کرانا ضروری ہے یا نہیں ؟

سائل : محمد احمد خان، فیصل کالونی، کراچی

الجواب :

اگر بچہ پیدا ہی ایسا ہوا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو ختنہ کی حاجت نہیں ہے۔

اولاد کو غیر مسلم ماں کے حوالے کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص نے کینیڈا میں ایک عیسائی لڑکی سے شادی کی تھی، جس سے تین بچے بھی پیدا ہوئے۔ دو لڑکیاں جن کی عمر بالترتیب آٹھ سال اور چھ سال ہے جبکہ لڑکے کی عمر تین سال ہے۔ ان دونوں میاں بیوی میں تقریباً ڈیڑھ سال سے زائد عرصہ ہوا علیحدگی ہو چکی ہے۔ بچے تقریباً ڈیڑھ سال سے اپنے والد اور خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ پاکستان میں پرورش پا رہے ہیں۔ بچوں کی والدہ ان کو اپنی تحویل میں لے کر کینیڈا لے جاکر اپنے مذہب اور معاشرت کے مطابق پرورش کرنا چاہتی ہے۔ کینیڈا کے اس معاشرے میں اور عیسائی ماں کے زیر تربیت یہ بات یقینی ہے کہ بچے عیسائی ہو جائیں گے اور وہ دین اسلام پر نہیں رہ سکیں گے۔ اس بارے میں حکومتِ پاکستان کی کیا ذمہ داری ہے اور ازروئے قرآن و شریعت کیا حکم ہے ؟

سائل : محمد اسلم نسیم، نارتھ کراچی

الجواب :

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا :

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ؕ

(سورۃ (۴) النساء، آیت: ۱۴۱)

یعنی اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کو مسلمان پر کسی طرح کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ اسی بناء پر فقہاء کا مذھب مختار یہ ہے کہ زوجین میں سے اگر ایک مسلمان ہو تو بچے مسلمان کے تابع ہوں گے اور انھیں کافر کی صحبت میں نہیں دیا جائے گا۔ یہ حکم صرف مسلمانوں کے نکاح کا نہیں ہے بلکہ کافروں کے نکاح میں بھی جس کا دین اچھا ہو گا اسکے تابع رکھے جائیں گے مثلاً کسی عیسائی اور مجوسی یا بت پرست کا نکاح ہے تو مجوسی اور بت پرست کے مقابلے میں یہودی یا عیسائی کے حوالے کیا جائے گا۔

اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی

یعنی اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں کیا جاتا۔

اسی بناء پر بچے کو ماں باپ میں سے جس کا دین اچھا ہوتا ہے، اسکے تابع کیا جاتا ہے۔ بدائع صنائع، عالمگیری اور در مختار شامی وغیرہ کتابوں میں یہ تنصیص ہے۔ لہٰذا حکومت پاکستان پر لازم ہے کہ وہ ان مسلمان بچوں کو کافر ہونے سے بچائے اور ماں کے حوالے نہ کرے۔ اگر ان بچوں کو ماں کے حوالے کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مسلمان بچوں کو کافر بنانے میں حکومت شریک ہے۔ یہ بات آئین اور قراردادِ مقاصد دونوں کے خلاف ہے جسکے مطابق حکومت پاکستان اس بات کی پابند ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف کسی قانون پر عمل درآمد نہیں کرے گی۔

ہبہ کر کے واپس لینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص نے ایک بیوہ کے ساتھ نکاح کیا، جو ایک بیٹی اور بیٹے کی ماں تھی۔ اس شخص نے سوتیلی بیٹی کی شادی کر دی۔ اور بیوی کو کسی بات پر طلاق دے دی۔ بیوہ کے بیٹے کو مکان اور دوکان نام کر دی تھی اور کاغذات بھی ہبہ کر دیئے تھے۔ لیکن اب کچھ دنوں سے اس لڑکے سے کہتا ہے کہ "تم حرام کھا رہے ہو، میں ابھی زندہ ہوں یہ کاغذات جو ہبہ کر دیئے تھے، سب میرا دماغ خراب تھا، اب ایسا کرو میرا مکان وغیرہ واپس کر دو، میرا جو دل چاہے گا تجھے دوں گا"۔ ازروئے شرع مطہرہ اس شخص کا ہبہ واپس لینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :

اگر بیٹے کے نام کاغذات بنا کر قبضہ بھی دے دیا تھا، تو یہ ھبہ صحیح ہو گیا، اب اسکو واپس نہیں لوٹا سکتا۔
حدیث میں ہے، اس حدیث کو رئیس المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے صحیح بخاری میں نقل کیا :

اَلْعَائِدُ فِیْ ھِبَتِهٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِهٖ

(جلد اول ، کتاب الهبة ، باب هبة الرجل لامرأته ، صفحه: ۳۵۲،
قدیمی کتب خانه ، کراچی)

ہبہ کرنے کے بعد اسکو واپس طلب کرنے والا کتے کی طرح ہے، جو قے کرنے کے بعد اپنی قے چاٹ لے۔

میاں بیوی کے حقوق کا بیان

بیوی کے نفقہ اور سامانِ جہیز کی ملکیت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے اپنی لڑکی کا نکاح چار سال پہلے بکر سے کر دیا تھا، تقریباً پانچ ماہ قبل بکر کی بیوی نزہت اپنی بہن کی زچگی کیلئے شوہر سے اجازت لے کر ہسپتال میں گئی اور اپنی بہن مسماۃ عظمت کی خدمت اور تیمارداری کی۔ اس کے بعد جب وہ اپنے والدین کے گھر آئی تو شوہر نے اس کو لے جانے سے انکار کر دیا۔ اور تقریباً پانچ ماہ سے نزہت اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہے، اب نوبت جدائی تک پہنچ چکی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ان پانچ ماہ کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے یا نہیں نیز لڑکی کو جو سامان جہیز وغیرہ میں ملا، اس کا مالک کون ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

سائل : محمد سلیم، لیاقت آباد، کراچی

الجواب :

بیوی جب شوہر کی اجازت سے گئی اور اپنے والدین کے گھر رہتی ہے، شوہر بلاتا نہیں ہے، تو اسکا نفقہ (خرچ) شوہر پر واجب ہے۔ اور اگر شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے والدین کے یہاں چلی گئی اور شوہر کے بلانے کے باوجود نہیں آتی ہے، تو اس کا نفقہ شوہر پر نہیں ہے۔ شادی کے وقت دونوں جانب سے زیورات، جہیز کا سامان اور کپڑے وغیرہ لڑکی کو دیئے جاتے ہیں، ان سب کی مالکہ لڑکی ہے۔ شوہر یا اس کے گھر والے اس سامان کے مالک نہیں ہو سکتے۔ صرف وہ چیزیں جو شوہر کو شادی کے موقع پر دی گئیں تھیں مثلاً گھڑی، انگوٹھی وغیرہ، اس کا مالک وہ ہے۔

از خود ناراض ہو کر جانے والی بیوی اور مطالبہ خرچ

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر کوئی عورت اپنے بھائیوں کی مدد سے اپنے شوہر سے جھگڑا کر کے اپنے میکے چلی جائے تو کیا وہ خرچہ کی حقدار ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

سائل : سعید رحمٰن شاہ

الجواب :

اگر واقعی یہ عورت اپنے شوہر سے لڑائی کر کے اس کی اجازت کے بغیر اپنے میکے چلی گئی، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس صورت میں، شوہر سے نفقہ لینے کی حقدار نہیں اور گناہگار بھی ہے۔ یہاں تک کہ یہ اپنے شوہر کے گھر واپس آجائے۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

لا نفقة خارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود

(بر حاشیه شامی، جلد(۲) کتاب النکاح، باب النفقة، مطلب لاتجب علی الاب، صفحه: ۷۰۲، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی بغیر اذن شوہر گھر سے جانے والی بیوی خرچے کی حقدار نہیں اور وہ گناہ گار ہے جب تک واپس نہ آجائے۔

عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر چلی جائے اور زیادتی اسی کی طرف سے ہو تو واپس آنے تک شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہے۔

سامان جہیز کی ملکیت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میری شادی ۳۱ جولائی ۱۹۸۹ء بروز جمعہ دختر محمد صدیق سے ہوئی۔ شادی کے فوراً بعد ہمارے درمیان تنازعہ شروع ہو گیا۔ میں نے صلح صفائی کی بڑی کوشش کی مگر تنازع میں کمی ہونے کے بجائے اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آگئی۔ لہٰذا میں نے طلاق دے دی۔ میں مہر اور عدت کا خرچہ دینے کو تیار ہوں۔ مگر میری مطلقہ نے جب میرا گھر چھوڑا تو اپنے ساتھ سارا زیور اور سامان جہیز بھی لے گئی تھی لیکن اب وہ کہتی ہے کہ میں نے سامان جہیز اور زیورات میں سے کچھ نہیں لیا۔ لہٰذا شرعی طور سے مجھے اس مسئلے کا حل بتائیں۔ میں بہت ممنون و مشکور ہوں گا۔

سائل : محمد جمیل، صادق آباد

الجواب :

شادی بیاہ کے موقع پر لڑکی کو جو زیورات اور سامان وغیرہ والدین، عزیز و اقارب اور لڑکے والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ وہ سب لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے۔ اور اس کی مالکہ لڑکی ہی ہوتی ہے۔ طلاق کی صورت میں لڑکے والے یہ دعویٰ کریں کہ لڑکی یہ زیورات وغیرہ لے گئی ہے تو انہیں اپنا دعویٰ گواہوں سے ثابت کرنا ہوگا۔ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اگر گواہی دیں کہ اتنا مال لڑکی لے گئی ہے تو جتنا مال گواہی سے ثابت ہو جائے گا، وہ مان لیا جائے گا۔ اور باقی اگر رہتا ہے تو لڑکی کو دے دیا جائے گا۔ اور اگر گواہی سے ثابت نہ ہو تو لڑکی کو قسم کے ساتھ انکار کرنا ہوگا۔ اگر وہ قسم اٹھا کر کہے گی تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اگر وہ قسم سے انکار کرے گی تو اس کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔

رخصتی سے قبل مطلقہ کے مہر اور نفقہ کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں مسمّٰی محمد اسلم ولد عبد الرؤف ، جس کا نکاح بعوض مبلغ بیس ہزار روپے کہ جو نصف عند الطلب اور نصف مؤجل مسماۃ شبانہ بنت دوست محمد سے ہونا قرار پایا تھا اور میرا نکاح مسماۃ مذکورہ سے ہو گیا تھا۔ جس کو عرصہ دو سال ہو چکا ہے لیکن تاحال رخصتی نہیں ہوئی اور میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ مسماۃ مذکورہ سے خلوت نشینی بھی نہیں ہوئی ہے۔ اب طلاق کی صورت میں مسماۃ مذکورہ نان و نفقہ بھی طلب کرتی ہے۔ کیا مجھ پر مہر مذکورہ بالا اور نان و نفقہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ جواب باصواب سے مستفید فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

سائل : محمد اسلم ولد عبد الرؤف ، بنگالی کیمپ ، کراچی

الجواب :

صحبت (عمل زوجیت) اور خلوت صحیحہ (دونوں میاں بیوی کا تنہائی میں جمع ہونا) سے پہلے اگر طلاق دی جائے گی ، تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور لڑکی کو جو کچھ دیا جا چکا وہ لڑکی کا ہے۔ نان و نفقہ رخصتی کے بعد واجب ہوتا ہے ، جب تک رخصتی نہ ہو نان و نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔

عورت کا اپنے سسر کے ساتھ اکیلے گھر میں رہنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

سسر اپنی بہو کے حسن کی تعریف کرتا ہے ، اس سے بیوی کو اندیشہ ہے۔ لہٰذا وہ سسر کے ساتھ تنہا گھر میں نہیں رہنا چاہتی۔ اس کے متعلق شرع مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

سائل : محمد اقبال حاجی آدم ، موسیٰ لین ، کراچی

الجواب :

شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ نفقہ میں رہنے کا مکان بھی ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ ایسا مکان بیوی کو دیگا جو خالی ہو یعنی شوہر کے متعلقین وہاں نہ رہتے ہوں۔ خاص طور پر اس صورت میں جب شوہر کے رشتہ داروں سے اسے تکلیف ہو یا اسکو اپنی عزت کا خطرہ ہو، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ اسی لئے فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ عورت کو ایسے مکان میں رکھے جس کے پڑوسی بھی صالحین ہوں۔ لہٰذا شوہر کو بیوی کا یہ حق ادا کرنا ضروری ہے اور اس کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ سسر کے ساتھ تنہا مکان میں رہے۔

یہ تمام تفصیلات علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوی شامی، جلد (۲) کتاب النکاح، باب النفقہ، مطلب فی مسکن الزوجہ، صفحہ :۷۱۹، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ میں دی ہے۔

والدہ کے کہنے پر بیوی کو مارنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ :

زید اور بکر کی بدلہ کی شادی ہوئی۔ بکر اپنی بیوی یعنی زید کی ہمشیرہ کو گھر میں نہیں رکھتا مگر زید اپنی بیوی یعنی بکر کی ہمشیرہ کو اچھے طریقہ سے رکھتا ہے۔ زید کو اس کی ماں اگر یہ کہے کہ "تم اپنی بیوی کا خرچہ پانی بند کر دو۔ نیز اسے طرح طرح کی تکلیفیں دو اور تنگ کر دیا طلاق دے دو"۔ آیا زید کو ان چیزوں میں اپنی والدہ کا حکم ماننا چاہیئے یا نہیں؟ زید اگر حکم نہیں مانتا ہے تو اس صورت میں اس کی والدہ اس سے ناراض ہوتی ہیں اور بد دعائیں دیتی ہیں۔ مہربانی فرما کر اسکا جواب فتوی کی صورت میں عنایت کریں۔

سائل : عبداللطیف، حیدرآباد

الجواب :

اگر بیوی کی طرف سے کوئی زیادتی اور قصور نہیں ہے۔ ماں صرف اپنی بیٹی کا بدلہ لینے کیلئے، بیٹے کو طلاق دینے کا کہتی ہے۔ تو والدہ کے اس حکم کی فرمانبرداری بیٹے پر واجب نہیں۔ ماں کو سمجھائے کہ ترش روئی اور سخت کلامی سے اجتناب کرے۔

بیوی کو ماں کہنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص نے اپنی بیوی سے تین مرتبہ کہا کہ "تو میری ماں ہے"۔آیا شخص مذکور کی بیوی کو طلاق ہو گئی یا نہیں ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ جملے اس طرح ادا کئے گئے "یہاں سے گھر چلی جا، مگر جب اسکی بیوی دوکان سے نہیں گئی تو اسے زیادہ غصہ آگیا اور اس نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ تو میری ماں ہے اور کہا دوکان سے چلی جا" یہ سب اس نے تین مرتبہ کہا۔

سائل : یونس خان، ملتان

الجواب :

یہ شوہر کا بیان ہے، وہاں موجود گواہ اور بیوی بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لہٰذا جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں، یہ حقیقتاً جھوٹ ہے۔ ان سے طلاق نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا دونوں حسب سابق میاں بیوی ہیں۔

ماں کے کہنے پر طلاق دینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اگر ساس اور بہو میں جھگڑا ہو جائے اور غلطی بھی ساس کی ہو اور ماں اپنے بیٹے سے کہے کہ بیوی کو طلاق دے دو! اور اس کو طلاق دینے پر مجبور کرے تو کیا اس صورت میں والدین کی اطاعت کی جائے گی یا نہیں ؟ سنا ہے کہ بغیر کسی غلطی کے بیوی کو طلاق نہیں دینی چاہیئے، اگر دی تو یہ ظلم ہو گا، اور یہ بھی سنا ہے کہ والدین کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیئے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

سائل : عبد السلام، پاکستان چوک

الجواب :

حدیث میں ہے اور اس حدیث کو استاذ المحدثین ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے جامع ترمذی میں نقل کیا :

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ : كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ اَبِيْ يَكْرَهُهَا فَاَمَرَنِيْ اَنْ أُطَلِّقَهَا فَاَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ طَلِّقْ اِمْرَأَتَكَ

(ترمذی شریف ، حصہ اول ، کتاب الطلاق ، باب ماجاء فی الرجل یسأله الخ ، صفحہ : ۱۴۲ ، فاروقی کتب خانہ ، ملتان)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے : میں اپنی بیوی سے محبت رکھتا تھا اور میرے والد (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) اس سے کراہت کرتے تھے ، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "اسے طلاق دے دو" میں نے نہیں دی اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کیا" تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا ! اے عبداللہ بن عمر اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

لہٰذا علماء یہ فرماتے ہیں اگر والدین حق پر ہوں تو ان کے کہنے سے طلاق دینا واجب ہے۔ اگر بیوی حق پر ہے ، جب بھی ماں کی رضامندی کیلئے طلاق دینا جائز ہے۔

معذور شوہر سے ، بیوی کا طلاق طلب کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
ایک شخص کی شادی تقریباً چار سال پہلے ہوئی تھی ، اس کے دو بچے بھی ہیں۔ شوہر کو ایک حادثہ پیش آگیا ، جس سے اس کی دونوں آنکھیں اور ایک ہاتھ ضائع ہو گیا۔ اس کی بیوی اپنے والدین کے یہاں چلی گئی ، اب وہ شوہر کے گھر نہیں آنا چاہتی۔ شوہر کے گھر جانا اس کیلئے لازم ہے یا نہیں اور اگر وہ نہ جائے تو اس پر زبردستی کی جاسکتی ہے یا

نہیں ؟ جبکہ شوہر اس کو نان ونفقہ اور دیگر حقوق پورے کرنے کی بھر پور صلاحیت رکھتا ہے۔ بینوا وتوجروا

سائل : محمد ادریس، حیدرآباد، سندھ

الجواب :

ایسی صورت سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا۔ شوہر کی مذکورہ حالت کے باوجود بیوی پر شوہر کی اطاعت فرض ہے۔ اس کیلئے لازم ہے کہ شوہر کے گھر رہے اور حقوق زوجیت ادا کرے۔ اگر شوہر کے بلانے کے باوجود وہ شوہر کے گھر نہیں جاتی تو نافرمان ٹھہرے گی، اس صورت میں وہ نفقہ کی حقدار نہیں ہوگی۔

بیوی یہ سوچے کہ اگر اس کے ساتھ یہ حادثہ پیش آجاتا تو اس صورت میں وہ شوہر سے کیا توقع رکھتی۔ لہٰذا وہ شوہر کے گھر آجائے اور اس کی خدمات انجام دیکر رضائے الٰہی حاصل کرے۔

شوہر یا بیوی کے مرنے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھنے اور چھونے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کیا میاں بیوی کا رشتہ صرف دنیا ہی تک محدود ہے، مرنے کے بعد بیوی شوہر کی لاش کو ہاتھ لگا سکتی ہے یا نہیں نیز مرد اپنی مرحومہ بیوی کو مرنے کے بعد دیکھ سکتا ہے اور لحد میں اتار سکتا ہے یا نہیں ؟ بیوی مرحوم شوہر کو دیکھ بھی سکتی ہے اور چھو بھی سکتی ہے جبکہ شوہر ایسا نہیں کر سکتا۔ ایسا کیوں ہے ؟ جواب ارشاد فرمائیں۔

الجواب :

نکاح زندگی بھر کیلئے ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد نکاح کے دنیاوی احکام ختم ہوجاتے ہیں۔ مگر شوہر کا، اس صورت میں چار مہینے دس دن تک بیوی پر نکاح کا حکم باقی رہتا ہے کہ وہ عدت گذارے گی تو شوہر کے مرنے کی صورت میں بیوی اس کو دیکھ بھی سکتی ہے اور اسے ہاتھ بھی لگا سکتی ہے اور بیوی کے مرنے کی صورت میں شوہر پر نکاح کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا، یہاں تک کہ وہ بیوی کی موت کے فوراً بعد بیوی کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔ لہٰذا بیوی کے مرنے کی صورت میں شوہر بیوی کو دیکھ تو سکتا ہے مگر بلا حائل جسم پر ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

طلاق کی صورت میں سامان جہیز کی ملکیت کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میری بیٹی زہرہ خاتون کی شادی اعجاز احمد ولد سراج احمد کے ساتھ ۳ نومبر ۱۹۷۹ء کو ہوئی اور شادی کے بعد ۳۰ نومبر کو اعجاز احمد اپنی ملازمت پر لندن روانہ ہو گیا، چونکہ وہ ازدواجی زندگی کا اہل نہ تھا، اس لئے جلد راہ فرار اختیار کی۔ اس کے جانے کے بعد ۱۶ دسمبر کو لڑکے کے والد سراج احمد خود آکر بر ضا ور غبت زہرہ خاتون کو اپنے میکے والدین کے گھر خوشی چھوڑ کر چلے گئے، اور لڑکی کے والد کو بتادیا کہ میرے لڑکے کو جریان کی شکایت تھی، وہ ہمدرد کی دوائیں لیکر گیا ہے ٹھیک ہو جائے گا۔ لڑکی کی واپسی کیلئے کہہ کر گئے تھے کہ میں خود ہی لے کر جاؤں گا۔ لیکن اس کے بعد سے میری بیٹی مستقل میکے میں رہی اس دوران برابر لندن سے خط وکتابت اور فون پر میاں بیوی میں باتیں ہوتی رہیں، جس سے اندازہ ہوا کہ زہرہ خاتون کے سسرال والوں نے غلط بیانی سے کام لیکر، اس کے شوہر کو بدظن کیا۔ بالآخر اعجاز احمد نے لندن سے طلاق نامہ کئی لغو الزامات کے ساتھ مؤرخہ ۲۰ فروری ۱۹۹۰ء کو تحریر کر کے روانہ کر دیا۔ اس مسئلے میں کئی فتاوی فقہ حنفیہ کی روشنی میں درکار ہیں۔ تفصیلات درج ذیل ہیں :

(۱) نکاح بعوض چالیس ہزار مہر مؤجل ہوا، لیکن طلاق نامہ میں زیورات کی صورت میں مہر مؤجل کو ادا شمار کیا، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ نقد دس ہزار، لاکٹ، گولڈن سیٹ، چار انگوٹھیاں، ٹاپس، ناک کی کیل اور گھڑی جو اس نے اور اس کے گھر والوں نے بعوض منہ دکھائی دی تھیں۔ کیا اس صورت میں مہر کی ادائیگی شرعاً ہو گئی یا نہیں؟

(۲) زہرہ خاتون کو جہیز میں یا تحفتاً میکے والوں یا سسرالیوں کی طرف سے بطور ملکیت شادی کے موقع پر دیا گیا تھا ان تمام چیزوں کی مالکہ زہرہ خاتون ہے یا طلاق کی صورت میں سسرال والوں کی دی ہوئی چیزیں ان کی ملکیت ہوں گی اور میکہ والوں کی چیزیں انکی ملکیت ہوں گی جو ایک دوسرے کو واپس کی جائیں گی یا بصورت دیگر سب کی مالکہ زہرہ خاتون تنہا ہوں گی۔ براہ کرم فقہ حنفی کے مطابق صریح فتوی درکار ہے؟

(۳) عدت کی صورت کیا ہو گی ؟ آیا دوران عدت حصول روزگار کیلئے گھر سے باہر نکل سکتی ہے یا نہیں؟ یا یہ عدت گھر کے اندر گذارنا لازم ہے؟

(۴) طلاق سے پہلے تین ماہ سے لڑکی میکے میں مقیم تھی، جس کا اسکے شوہر کو بھی علم تھا، لیکن شوہر نے نان نفقہ کا کوئی پیسہ تک نہ بھیجا، ایسی صورت میں ان تین ماہ کا خرچہ شوہر پر واجب الادا ہے یا لڑکی کے والدین اس کی کفالت کریں گے۔ براہ کرم مسائل بالا کی وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ نوازش ہو گی۔

سائل: شاہ حسام الدین چشتی نیازی، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب:

- شادی کے وقت دونوں جانب سے جو زیورات، کپڑے اور سامان جہیز دیا جاتا ہے، وہ سب لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے۔ طلاق کے بعد وہ تمام سامان لڑکی کو دیا جائے گا۔ لڑکی کی منہ دکھائی میں جو کچھ دیا جاتا ہے، اس کا مہر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ مہر سے نہیں کاٹا جا سکتا اور اگر زیور وغیرہ کوئی چیز مہر میں پیشگی دی جاتی ہے تو نکاح کے فارم میں ایک کالم اس کیلئے مختص ہے، اس میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ زیورات یا رقم مہر میں پیشگی دی گئی ہے۔ جب نکاح نامہ میں اس امر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا تو شوہر کی یہ بات تسلیم نہیں کی جائے گی کہ یہ چیزیں مہر میں دی گئی ہیں۔

(۲) جس تاریخ کو طلاق نامہ لکھا تھا عدت اسی تاریخ سے شروع ہو جاتی ہے بیوی کو اطلاع ہو یا نہ ہو۔ اگر اس کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے تو دن میں حصول معاش کیلئے نکل سکتی ہے۔ عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے اور شوہر نفقہ دیتا ہے تو پھر وہ دوران عدت گھر سے نہیں نکلے گی۔

(۳) نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے اور طلاق کے بعد بھی عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے لیکن اگر مدت گذر جائے اور نفقہ کا مطالبہ نہ کیا ہو تو گذشتہ کا نفقہ نہیں ملے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

شوہر کی طرف سے ملنے والے سامان کی ملکیت کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

دلہن کو دولہا کے والدین کی طرف سے برائے استعمال کچھ زیورات دیئے گئے۔ گھریلو اختلافات کی بناء پر میاں بیوی میں نبھاؤ نہ ہو سکا۔ لڑکے نے لڑکی کو طلاق دے دی۔ اب لڑکی کے والدین مطالبہ کرتے ہیں کہ مذکورہ

زیورات ہمارے حوالے کر دیئے جائیں جبکہ زیورات کے متعلق کسی قسم کی تحریر لڑکی والوں کی طرف سے موجود ہے اور نہ لڑکے والوں کی طرف سے۔ ہمارے دستور کے مطابق طلاق ہونے کے بعد جو جہیز لڑکی کی ملکیت میں ہو وہ لڑکی کو دے دیا جاتا ہے۔ اور جو چیز لڑکے کی ملکیت میں ہو وہ لڑکے کو دیدی جاتی ہے۔

لہٰذا قرآن اور حدیث پاک کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں کہ مذکورہ زیورات کس کی ملکیت تصور کیے جاسکتے ہیں۔ لڑکی کی ملکیت یا لڑکے کی ملکیت ؟ تاکہ جس کی ملکیت ثابت ہو جائے، اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔

سائل : حافظ محمد فرقان، کراچی

الجواب :

جہیز کے معاملے میں فقہاء نے عرف (معاشرے میں جیسا رواج ہے) کو معتبر جانا ہے۔ در مختار، قاضی خان، بحر الرائق اور فتح القدیر میں اس پر کافی بحث کے بعد یہ لکھا کہ ہمارے عرب و عجم کا عرف یہی ہے کہ جہیز اور شادی کے وقت لڑکی کو دونوں جانب سے جو زیورات اور کپڑے وغیرہ دیئے جاتے ہیں، ان کی مالکہ، لڑکی ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا عرف ہی کا اعتبار ہو گا۔ اور طلاق کے بعد بھی ان تمام زیورات وغیرہ کی مالکہ لڑکی ہی ہو گی۔

ہندوستان، پاکستان میں ایسا عرف ہے کہ شادی کے وقت لڑکی کو مالک بنا کر زیورات وغیرہ دے دیئے جاتے ہیں نہ کہ عاریۃً (واپس لی جانے والی چیز) طلاق کے بعد اگر کسی برادری میں یہ عرف ہو کہ لڑکے والے اپنے زیورات واپس لے لیتے ہیں تو اس عرف کا اعتبار نہ ہو گا۔ لڑکی جس چیز کی مالک ہو چکی ہے، اس میں برادری والے اگر یہ فیصلہ کریں کہ طلاق کے بعد اس سے اسکی ملکیت سلب کر لی جائیگی تو یہ رواج شریعت کے خلاف ہے۔ ہاں اگر کسی برادری میں یہ رواج ہو کہ دیتے وقت مالک بنا کر نہ دیتے ہوں، عاریت کے طور پر دیتے ہوں اور برادری والے اس عرف پر شاہد ہوں، تو اس عرف کا اعتبار ہو گا اور لڑکی مالک نہ ہو گی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

میکے میں بیوی کے نفقہ (خرچ) کا ذمہ دار کون

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کی شادی ہندہ سے ۱۹ اپریل ۱۹۸۴ء کو منعقد ہوئی۔ شروع کے دو سال میں ہندہ ۳، ۴ مرتبہ روٹھ کر اپنے والدین کے گھر گئی۔ اس عرصہ میں ایک لڑکا تولد ہوا، جو اس وقت ساڑھے چھ سال کا ہے۔ لڑکے کی عمر جب پونے دو سال ہوئی تو زید اور ہندہ میں مصالحت ہو گئی، جو صرف چار ماہ تک قائم رہی پھر ہندہ روٹھ کر میکے چلی گئی۔ جس وقت بچہ کی عمر دو سال تھی، اس وقت سے اب تک ہندہ اپنے بچے کے ہمراہ اپنے والدین کے گھر رہتی ہے۔ مندرجہ بالا حالات کے تحت شوہر پر اپنی بیوی اور بچے کے نان نفقہ کی اور دیگر اخراجات کی ذمہ داری کتنے عرصہ کیلئے لازمی ہے۔ چونکہ ابھی تک طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا طلاق واقع ہونے کی صورت میں شرعاً بیوی بچہ کے نان و نفقہ کی اور دیگر اخراجات کی کیا صورت ہو گی؟ بینوا و توجروا

سائل: محمد امین ابراھیم، رنچھوڑ لائن، کراچی

الجواب:

بیوی جب شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی جائے تو نفقہ کی حقدار نہیں ہوتی ہے۔ اور اجازت سے جائے تو حقدار ہوتی ہے۔ اور نفقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مطالبہ سے پہلے خود خرچہ کر لیا تو بعد کو مطالبہ نہیں کر سکتی ہے۔ اگر طلاق واقع ہو جائے گی تو بعد طلاق عدت بھر یعنی تین ماہواری نفقہ کی حقدار ہے۔ اور لڑکا سات سال کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہے گا اگر ماں چاہے تو۔ اور اگر ماں کسی ایسے شخص سے شادی کر لے جو لڑکے کا محرم نہ ہو تو ماں کا حق پرورش ختم ہو جائے گا۔ اور لڑکا جب تک ماں کی پرورش میں رہے گا اسکا خرچ والد دے گا۔ اور جب والد لے لے گا تو اس پر خرچ خود باپ کرے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

عورت کی فطرت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

(۱) ایک بزرگ نے ایک حدیث سنائی، جس کا مفہوم تقریباً یہ ہے کہ مرد عورت کو خواہ کتنا ہی خوش رکھے مگر عورت یہی کہتی ہے کہ میں نے تیرے گھر میں دکھ اور تکلیف کے سوا کچھ نہیں پایا۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سائل: سید محمد معین قریشی، کراچی

الجواب :

اس حدیث میں الفاظ کا فرق ہے۔ اصل حدیث یہ ہے کہ ”حضور ﷺ نے عورت کی فطرت یہ بیان فرمائی کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ عمر بھر اچھائی کرتا رہے مگر ایک مرتبہ ایسا موقعہ آجائے کہ بیوی کی کوئی فرمائش پوری نہ ہو سکے تو بیوی فوراً عمر بھر کے احسانات کو بھلا کر یہ کہہ دیتی ہے کہ تم نے میرے ساتھ کبھی کوئی اچھائی نہیں کی ہے“۔

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد ! نام رکھنے کی نیت اور اسکی برکات

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ اگر کوئی شخص دوران حمل یہ نیت کرے کہ اگر لڑکا پیدا ہو گا، تو اس کا نام ”محمد“ رکھوں گا تو انشاء اللہ لڑکا ہی پیدا ہو گا اور ایک صحابی نے ایسا ہی سات مرتبہ کیا تو ان کے ہاں ساتوں لڑکے پیدا ہوئے۔

(۱) کیا یہ بات صحیح ہے ؟

(۲) محمد نام رکھنے سے کیا مراد ہے صرف محمد نام ہو ؟

(۳) اور ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں کس طرح نام رکھے جائیں گے ؟

(۴) محمد پرویز اور علی محمد اور علی احمد وغیرہ نام رکھنا کیسا ہے ؟

(۵) اللہ تعالیٰ کو عبد اللہ اور عبد الرحمٰن نام بہت پسند ہیں۔ لڑکیوں میں کون سے نام پسند ہیں ؟

برائے مہربانی مذکورہ بالا مسائل کا جواب پوری تفصیل سے نوازیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں برکت دے۔

سائل : محمد عبد اللہ قادری، میرپور خاص

الجواب :

بزرگوں سے یہ بات منقول ہے اور تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ حالت حمل میں تین مہینے سے پہلے ، ماں باپ سچے دل سے نیت کرلیں کہ اگر اس حمل سے لڑکا پیدا ہوگا، تو اس کا نام محمد رکھیں گے تو انشاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا۔ بہت سے لڑکے ہوں تو سب کے اصلی نام محمد رکھیں اور بلانے کیلئے علیحدہ علیحدہ دوسرے نام رکھ دیں۔ مگر پرویز نام نہ رکھیں۔ لڑکیوں کے نام ازواج مطہرات اور حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کے نام اور اس کے علاوہ آسیہ اور مریم نام بھی اچھے ہیں۔

تجارت کابیان

بیع کی تعریف اور بیع در بیع کا حکم

الاستفتاء :

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
بیع کی تعریف کیاہے ؟جو چیز بیچ دی جائے، مثلاً زید نے اپنی اراضی کاایک قطعہ بکر کوبیچ دیا جس کا تحریری ثبوت بھی ہے۔ پھر زید نے وہی قطعہ زمین خالد کو بھی بیچ دیا۔ شریعت کی روسے زید کا یہ عمل جائز ہے یاناجائز ؟

الجواب :

شریعت میں ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد بیع مکمل ہو جاتی ہے، اور بائع (بیچنے والا)اور مشتری (خریدنے والے) میں سے کسی کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برھان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر

الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا :

البیع ینعقد بالایجاب والقبول اذا کانا بلفظی الماضی

یعنی بیع میں جب ایجاب و قبول دونوں لفظ ماضی کے ساتھ ہوں تو بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد فرمایا :

واذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد منهما الا من عیب او عدم رؤیة

(آخرین ، کتاب البیوع، صفحہ: ۲۰، ۱۸، مکتبہ شرکت علمیہ ،ملتان)

اور جب ایجاب و قبول ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے بائع یا مشتری میں سے کسی کو فسخ کا اختیار نہیں مگر یہ کہ چیز عیب دار ہو یا اسے دیکھا نہ ہو۔

اور مسلمان کو تحریر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صرف زبان سے ایجاب و قبول کر لینے سے بیع مکمل ہو جاتی ہے۔اور مسلمان کو اپنے کئے ہوئے عقد کو پورا کرنا لازم ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ

(سورۃ(۱۷)بنی اسرائیل،آیت : ۳۴)

اور عہد پورا کرو۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب زید نے اپنی زمین بکر کے ہاتھ بیچ دی تو وہ دوبارہ کسی کے ہاتھ اسے نہیں بیچ سکتا ہے۔اس نے جن لوگوں کے ہاتھ دوبارہ بیچی ہے،وہ بیچنا ناجائز ہے۔اسے چاہیئے کہ وہ دوسری بیع کو فسخ کر دے۔

تجارت میں منافع کی حد

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کہتا ہے کہ ”منافع آٹے میں نمک کے برابر لینا چاہیئے جبکہ بکر کہتا ہے کہ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ منافع بیس فیصد لینا چاہیئے“ لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ کس کا قول صحیح ہے ؟اور شریعت میں منافع کی کیا مقدار مقرر کی گئی ہے ؟جواب سے نوازیں۔

سائل : محمد انیس، مہاجر کیمپ، کراچی

الجواب :

عام حالات میں، جو اشیاء بازار میں کھلے عام ملتی ہیں، کسی قسم کی کوئی قلت نہیں، تو ان میں شریعت نے نفع کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ لیکن چیز کو بیچنے کیلئے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یعنی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز میں نے اتنے میں خریدی ہے اور کم نفع میں دے رہا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بازار میں کسی چیز کی کمی ہو جانے کی صورت میں اسے چھپا کر رکھنا یا بہت زیادہ نفع پر بیچنا ناجائز ہے۔ اور اسی کو "ذخیرہ اندوزی" کہتے ہیں، جو کہ شریعت میں ناجائز ہے۔

سودا نہ ہونے کی صورت میں بیانہ کی رقم کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے عمر سے ایک مکان لاکھ روپے میں خریدا اور دس ہزار روپے اس کو بیانہ دیا۔ اب زید نے عمر سے مکان خریدنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے لیکن بیانہ کی رقم واپس لینا چاہ رہا ہے۔ اور عمر دینے سے انکار کر رہا ہے۔ لہٰذا مسئلہ مذکورہ میں عمر کو یہ رقم ضبط کر کے کھا جانا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : سید عبدالواحد، متعلم دارالعلوم امجدیہ

الجواب :

اگر خریدار قیمت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو بیع کو فسخ کر دیا جائے گا۔ اور بیانہ کی رقم واپس کر دی جائے گی۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ :

اَلْمَالُ بِالْمَال

یعنی کسی کا مالی نقصان ہو جائے تو وہ اسکے بدلے میں مال لے سکتا ہے۔

یہاں خریدار نے کوئی مالی نقصان نہیں کیا۔ لہٰذا اس کا مال ضبط کرنا ناجائز ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا :

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیت: ۱۸۸)

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ (کنز الایمان)

بیچنے والا خوشی سے اس بیع کو فسخ کردے اور جو روپیہ پیشگی لیا تھا واپس کردے تو اللہ تعالیٰ اس کی بہت سی غلطیوں کو معاف کردے گا۔ حدیث میں فرمایا:

مَنْ اَقَالَ نَادِمًا اَقَالَ اللّٰهُ عثرتہ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

جو کسی نادم کی بیع کو فسخ کردے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی بہت سی غلطیوں کو معاف فرمادے گا۔

ادھار میں زیادہ قیمت پر بیچنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک پارٹی کو کچھ مال بیچنے کا معاہدہ ہوا تھا۔ اور معاہدے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) میں ایک پارٹی کیلئے مال خرید کر اسے تیار کرکے دے رہا ہوں۔ طے یہ ہوا کہ یہ مال تیار کرکے پرافٹ اس صورت میں دیا جائے گا کہ اگر وہ اس کی ادائیگی دو ماہ کے اندر کردے۔

(۲) اگر خریدار ادائیگی ایک ماہ کے اندر کردے تو خریدار کو ۲% جلد ادائیگی کیلئے سلسلے میں چھوٹ دی جائے گی اگر ادائیگی نقد کردے تو ۴% جلد ادائیگی میں خریدار کو چھوٹ دی جائے گی۔

(۳) اسی طرح اگر خریدار دو ماہ طے شدہ کے مطابق ادائیگی نہ کرسکے تو تین ماہ کی ادائیگی کرنے پر ۲% خریدار پر جرمانہ اور ادائیگی ماہانہ کرنے کی صورت میں ۴% جرمانہ ہوگا۔ کیا یہ خرید و فروخت شریعت کے لحاظ سے درست ہے؟

میں کمپنی کو چمڑے دیتا ہوں لیکن چمڑے اور کھالیں میرے قبضہ میں نہیں ہوتے کہ میں کمپنی سے معاہدہ طے کرلیتا ہوں۔

سائل: آفتاب احمد، کورنگی، کراچی

الجواب :

شریعت نے خرید و فروخت اور تمام معاملات میں ایسی شرائط مقرر کی ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے آپس میں اختلاف اور جھگڑے پیدا نہ ہوں لہٰذا خرید و فروخت کے تفصیلی مسائل حدیث و فقہ میں بیان کر دیئے۔ ان میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ وہ چیز فروخت نہ کرو جو تمھارے قبضہ میں نہ ہو۔ سوال میں مذکورہ صورت یہ ہے کہ وہ چمڑے جن کو فروخت کیا جاتا ہے، وہ فروخت کرنے والے کی ملکیت میں نہیں ہیں۔ یہ بیع باطل ہے اور سخت گناہ ہے۔ لہٰذا اگر پہلے خرید لیں اسکے بعد فروخت کریں تو فروخت کرنے والے کو شریعت نے یہ اختیار دیا ہے کہ نقد کی قیمت اور رکھے اور ادھار کی قیمت اور مقرر کرے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ادھار کی مدت متعین کر دی جائے۔ لہٰذا یہ کر سکتا ہے کہ یہ چیز نقد سو روپے کی ہے اگر ایک مہینے بعد قیمت دو تو ایک سو پانچ روپے کی ہے۔ اگر دو ماہ کے بعد قیمت دو تو ایک سو دس روپے کی ہے۔ غرض یہ کہ جتنی مدت زیادہ ہو، اتنی قیمت زیادہ ہو سکتی ہے۔ مگر سوال میں جو صورت بعد میں لکھی ہے کہ اگر وہ لیٹ کریں تو دو فیصد یا چار فیصد جرمانہ لیا جائے گا یہ ناجائز ہے۔ شریعت میں مال پر جرمانہ جائز ہی نہیں ہے۔ ہاں کوئی شخص کسی کا مال برباد کر دے تو اس مال کی قیمت لی جا سکتی ہے۔ اسکے علاوہ کسی دوسری غلطی پر مال سے جرمانہ جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں بھی یہ تبدیلی کر دیں کہ جرمانے کا لفظ نہ بولیں بلکہ خریدار کو بتائیں کہ اگر تم اس کے بعد ایک ماہ اور لیٹ کرو گے تو اس چیز کی قیمت اتنی زیادہ ہو گی اسی طرح ہر مہینے پر اس کی قیمت بڑھا کر متعین کر لیں تو یہ جائز ہے۔ ●

مبیع (بکنے والی چیز) کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید نے لوہا امپورٹ کیا اور ۵ ٹن مال یہاں پورٹ پر آگیا۔ اس نے بکر سے کہا کہ "تم مال دیکھ لو اور میں اسے ۱۰۰ روپے ٹن کے حساب سے فروخت کروں گا"۔ چنانچہ بکر نے دیکھ کر سودا طے کر لیا۔ اب بتایئے زید کا اس طرح سے بیع کرنا کیسا ہے؟ اور بکر کہ جو خریدار ہے اس کیلئے کیا حکم ہے؟ یاد رہے کہ تمام کاغذات زید کے نام کے بنے اور

مال بھی زید کے نام ہے۔ بیع کرنے کے بعد ضروری کاروائی مکمل کر کے بکر کو مال دے دیا گیا۔آیا یہ صورت شریعت میں جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : خالد رفیق، ملیر سٹی، کراچی

الجواب :

کسی شے منقول کو یعنی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھا کر لے جائی جا سکتی ہے، خریدار جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے کسی کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا۔ حدیثوں میں بھی اس کی ممانعت ہے۔ امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح میں حدیث نقل کی :

وعن ابن عباس قال اما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام ان يباع حتى ليقبض قال ابن عباس ولا احسب كل شي الا مثله عليه

وہ چیزیں جن سے نبی کریم ﷺ نے قبضے سے پہلے بیع کرنے سے منع کیا تھا کھانے کی چیزیں تھیں اور ابن عباس رضی اللہ عنھما نے فرمایا کہ میرے نزدیک سب چیزوں کا حکم یہی ہے۔

اور دوسری حدیث شریف میں فرمایا :

قال رسول الله ﷺ من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه زاد اسماعيل حتى يقبضه

(جلد(۱) كتاب البيوع، باب بيع الطعام قبل ان يقبض ، صفحه : ۲۸۶، قديمی كتب خانه، كراچی)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کھانے کی کوئی چیز خریدی پس اسے نہ بیچے جب تک مکمل حاصل نہ کرلے اور اسماعیل کی روایت میں یہ ہے کہ جب تک اس پر قبضہ نہ کرلے۔

اسی بناء پر ہمارے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ تولنے ناپنے والی منقولات کی بیع خریدار قبضہ لینے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا۔ در مختار میں ہے :

فلا يصح اتفاقاً بيع منقول قبل قبضة

اسکے بعد تحریر فرماتے ہیں :

وفسد بیع منقول قبل قبضۃ

(برحاشیہ شامی، جلد (۴) فصل فی التصرففی المبیع والثمن، صفحہ: ۱۸۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اتفاقاً قبضہ سے پہلے منقولات کی بیع صحیح نہیں ہے۔ اور اگر قبضہ سے پہلے منقولات کی بیع کر لی جائے تو وہ فاسد ہوتی ہے۔

بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ قبضہ ہونے سے پہلے بائع اور مشتری دونوں پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کر دیں اور اگر قبضہ کر لیا ہے تو بھی جب تک وہ مبیع باقی ہے اسکو فسخ کرنا واجب ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار شرح تنویر الابصار میں لکھا:

ویجب علٰی کل واحد منهما فسخه قبل القبض او بعده ما دام المبیع بحاله فی ید المشتری اعدامًا للفساد لانه معصیة فیجب رفعها

(برحاشیہ شامی، جلد۴، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب رد المشتری، صفحہ: ۱۴۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک پر قبضہ سے پہلے یا اس کے بعد بیع کا فسخ کرنا واجب ہے جب تک بکنے والی چیز مشتری کے ہاتھ میں اپنی حالت پر ہو۔ تاکہ فساد برپا نہ ہو اس لئے کہ یہ گناہ ہے۔ اور لڑائی جھگڑے کا سدباب لازمی ہے۔

بہر صورت قبضے سے پہلے منقولات کو فروخت کرنا بیع فاسد ہے۔ اور بیع فاسد کرنے والا گناہگار ہے۔ اور بیع فاسد میں قبضہ کرنے کے بعد بھی مبیع بعد ثمن میں خبث رہتا ہے۔ اور اس بیع کو فسخ کرنا واجب ہوتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مکان کی زمین بیچنا اور ملبہ نہ بیچنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید اپنا گھر بیچنا چاہتا ہے، لیکن اس نے اپنے گھر کی صرف زمین محمود کو فروخت کی۔ چاردیواری اور عمارت

کا یہ فیصلہ یہ کیا کہ اس کا ماہر مستری سے اندازہ لگوائیں گے جو فیصلہ ہو گا محمود اتنی اینٹیں وغیرہ خرید کر مطلوبہ جگہ پر پہنچائے گا۔ کیا اس طرح کی بیع جائز ہے یا ناجائز؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب :

زمین کی بیع کرنے میں زمین کے ساتھ جو چیزیں اس طرح متصل ہوتی ہیں کہ جن کو زمین کے ساتھ باقی رکھنے کیلئے بنایا جاتا ہے، جیسے دیوار اور درخت وغیرہ، وہ بیع میں داخل ہو جاتی ہیں۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا :

او متصلاً به تبعا لها دخل في بيعها يعني ان كل ما كان متصلاً بالبيع اتصال قرار وهو ما وضع لا لان يفصله البشر دخل تبعًا وما لا فلا

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

فيدخل البناء والمفاتيح

(برحاشيه شامی، جلد (۴) كتاب البيوع، فصل فی ما يدخل طبعا وما لا يدخل ،صفحه:۳۷، مکتبه رشيديه ،كوئٹه)

اب ان کا استثناء کرنا اور استثناء میں بھی یہ شرطیں لگانا کہ مشتری اندازہ کرائے گا اور اتنی اینٹیں مطلوبہ جگہ پر پہنچائے گا یہ تمام شرطیں باطل ہیں اور جب بیع میں ایسی شرطیں لگائی جاتی ہیں، تو وہ بیع فاسد ہو جاتی ہے۔ اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ اس کو فسخ کرنا واجب ہے۔

شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا :

وجملة المذهب فيه ان يقال كل شرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشترى لا يفسد العقد لثبوته بدون الشرط وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين او للمعقود عليه وهو من اهل الاستحقاق يُفسده

(آخرين ، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد ، صفحه: ۵۹، مکتبه شركت علميه ، ملتان)

اصول یہ ہے کہ ہر وہ شرط جو عقد کیلئے لازم ہو جیسے خریدنے والے کیلئے ملکیت شرط ہے، یہ شرط عقد کو فاسد نہیں کرتی۔

فلیٹ پر قبضہ سے پہلے اسے بیچنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

آجکل جو فلیٹس وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ بلڈرز زمین خرید کر کسی نام سے اپنے پروجیکٹ کا اعلان کر دیتے ہیں اور اپنا دفتر وغیرہ بنالیتے ہیں۔ تعمیر ہونے والے مکانات کی کل قیمت، ھاؤس بلڈنگ کا قرضہ اور ماھانہ قسط اور قیمتِ بکنگ کا مفصل اعلان کر دیا جاتا ہے۔ ضرورت مند فلیٹس بک کروالیتے ہیں۔ اس اثناء میں بعض شرکاء یا کوئی ایک اپنا بک کردہ فلیٹ کسی دوسر فریق کے ہاتھ منافع کے ساتھ بیچ دیتا ہے۔ آیا یہ عمل از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟

سائل: محمد سلیم کاسمانی

الجواب:

فلیٹ بک کروانا اور معاہدے کے مطابق قسطوار قیمت ادا کرنا اور مکمل ہونے کے بعد اس پر قبضہ کرنا حقیقتاً بیع نہیں ہے، بلکہ کسی چیز کا آرڈر دے کر تیار کروانا اور تیار ہونے کے بعد اس پر قبضہ کرنا ہے۔ اس کو شریعت میں "استصناع" کہتے ہیں اور یہ جائز ہے۔ جیسے جوتا بنانے یا شیروانی، پتلون وغیرہ سینے کا آرڈر دیا جائے اور تیار ہونے کے بعد قیمت دے کر یہ چیز لے لی جائے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا:

وفي الاستحسان يجوز للتعامل فيه فصار كصبغ الثوب وللتعامل جوزنا الاستصناع

(آخرين، باب البيع الفاسد، صفحه: ۲۱، مكتبه شركت علميه، ملتان)

استحساناً لوگوں کے اس پر عمل کی وجہ سے جائز ہے۔ پس یہ کپڑا رنگائی کی طرح ہو جائے گا۔ اور فقہاء کا کہنا

ہے کہ ہم نے عوام الناس کے عمل کی وجہ سے آرڈر دے کر تیار کروانے کو جائز قرار دیا۔

شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کو خرید کر جب اس پر قبضہ کرے گا تب دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔ اور جب تک قبضہ نہ ہو بیع نہیں کر سکتا۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب فلیٹ تیار ہونے کے بعد اس پر قبضہ کر لے تو اس وقت بیچنا جائز ہے، اس سے پہلے نہیں۔

کھڑی فصل کو بیچنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ہمارے یہاں کچھ لوگ گندم کی فصل تیار ہونے سے پہلے ہی ایڈوانس رقم لے کر سستے داموں بیچ دیتے ہیں۔ آیا یہ سودا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ تنگی کی وجہ سے ضرورت مند حضرات ایسے سودے کرتے ہیں، جس میں خریدار کو کافی فائدہ ہوتا ہے۔

سائل : ولی محمد قریشی، شاہی بازار، شہزاد پور

الجواب :

اس طرح پر کسی چیز کا خریدنا اور بیچنا کہ قیمت ادا کر دی جائے اور جس چیز کو خرید رہا ہے، وہ بعد کو لی جائے اسکو شریعت میں "بیع سلم" کہتے ہیں۔ حدیثوں میں اس کا جائز ہونا اور اس کی شرطیں بیان کر دی گئی ہیں۔ وہ شرائط یہ ہیں کہ قیمت اور مبیع (بکنے والی چیز) دونوں صاف صاف طور پر بیان کر دیئے جائیں اور جس مجلس میں یہ بیع ہوئی ہے، اسی مجلس میں قیمت دے دی جائے اور بیچنے والا اس پر قبضہ کر لے اور اگر اس مجلس میں قبضہ نہیں کیا جائے گا تو یہ بیع باطل ہو جائے گی۔ جس چیز کو بیچنا ہے، وہ ایسی ہو کہ بیع کے وقت سے دینے کے وقت تک برابر بازار میں ملتی رہے اور دینے کا وقت بالکل معین کر دیا جائے اور کم از کم ایک مہینے کی مدت مقرر کی جائے۔ اس میں یہ شرط نہیں لگائی جا سکتی ہے کہ کاشت کار فلاں کھیت میں جو گیہوں پیدا ہوگا وہ دے گا۔ اگر ایسی شرط لگائیں گے تو یہ بیع باطل ہو جائے گی۔ ان شرطوں کے ساتھ جب بیع کی جائے تو بیع جائز ہوتی ہے۔ اور مذکورہ شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو بیع باطل اور حرام ہوگی۔

لوگ جس طرح نقد کے مقابلے میں ادھار چیز کو زیادہ قیمت پر بیچتے ہیں اس طرح خریدار بھی پیسے ابھی دے کر چیز بعد کو لے گا تو سستی خریدے گا اور بیچنے والا کم داموں میں بیچے گا۔ خریدار اور بیچنے والا جب خرید و فروخت کریں اور شریعت کی شرائط ملحوظ رکھیں تو بیع جائز ہوگی۔

کھیت بٹائی پر دینے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید نے اپنا کھیت اس شرط پر بکر کو بیچ دیا کہ فصل کٹنے پر مجھے ۴ بوری مکئی دینا، چاہے کھیت کم مکئی لائے یا زیادہ اور ایک دوسرے شخص کو اس شرط پر دیا کہ جب فصل تیار ہو جائے تو فصل میں سے دو حصے تمھارے اور تین حصے میرے یا ایک حصہ تمھارا اور تین حصے میرے۔ یا اس شرط پر کھیت دیا کہ آدھی فصل تمھاری اور آدھی فصل میری۔ تو کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ براہ کرم تفصیل سے جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دے کر مشکور فرمائیں۔

سائل: حسین اللہ

الجواب:

کھیت کی زمین بٹائی پر دینے کیلئے جو شرائط ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہر ایک کا پیداوار میں حصہ مقرر ہو۔ یعنی ہر ایک کیلئے اس کی مقدار کا متعین ہونا ضروری ہے۔ مثلاً نصف تہائی یا چوتھائی۔ لیکن اگر یہ مقرر کیا کہ اس زمین کی پیداوار میں سے ایک من، دو من، ایک بوری یا دو بوریاں، تو اس صورت میں یہ عقد جائز نہیں ہے۔ سوال میں جو دوسری اور تیسری صورت ہے کہ فصل تیار ہونے پر دو حصہ یا تین حصے زمین والا لے گا، یہ جائز ہے۔

قسطوں پر بیچنے اور خریدنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

قسطوں پر سامان وغیرہ لینا کیسا ہے؟ مثلاً ایک چیز کی قیمت نقد ۷,۰۰۰ روپے ہے اور قسطوں پر ہم اس چیز کو لیتے ہیں تو اس کی قیمت ۲۱,۰۰۰ روپے ہو جاتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ نقد رقم سے جو زیادہ روپے دینے پڑتے ہیں، یہ سود ہے یا نہیں؟ مالک بتادیتا ہے کہ آپ قسطوں پر لیں گے تو آپ کو اتنے روپے زیادہ دینے پڑیں گے؟

سائل: محمد نعیم قادری

الجواب:

فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ نقد اور ادھار کی قیمتوں میں فرق کرنا جائز ہے۔ اور اس طرح بیع کرنا کہ یہ چیز نقد دس روپے کی ہے اور ادھار پندرہ روپے کی یہ جائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں قسطوں پر سامان لینا جائز ہے اور قسطوں کی صورت میں جو زیادہ پیسہ دیا جاتا ہے، یہ سود نہیں ہے۔ اس میں ناجائز ہونے کی صورت مندرجہ ذیل ہوگی ہے کہ اگر مالک سے قیمت متعین کر کے کوئی چیز خریدی گئی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اتنے روپے مالک کے خریدار کے ذمہ واجب ہیں اور خریدار اس چیز کا مالک ہو گیا اب خریدار مالک کو یہ روپیہ نقد نہ دے بلکہ یہ کہے کہ میں قسطوں میں اس سے زیادہ ادا کروں گا تو اس صورت میں یہ زیادتی سود ہے اور حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

معاہدے سے انحراف کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میں ایک تعمیراتی کمپنی میں پارٹنر ہوں اور زمین کی خرید و فروخت کے معاہدے کے مندرجہ ذیل مسئلے پر آپ سے قرآن وسنت کی روشنی میں فتوٰی کا طالب ہوں۔ امید ہے کہ اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمائیں گے۔

مسئلہ یہ ہے کہ فروری ۱۹۸۶ء میں ایک سرکاری ادارہ نے کراچی میں واقع چند قطعات اراضی کی فروخت کے سلسلہ میں اخبارات میں اشتہارات کے ذریعہ عوام سے ٹینڈر طلب کئے اور پیشکش کے ساتھ بولی کی رقم کا دو فیصد زر ضمانت بذریعہ پے آرڈر کو لازمی قرار دیا۔ میری کمپنی نے بھی ایک قطعہ اراضی کیلئے پیشکش داخل کی اور شرائط کی پابندی کے ساتھ دو فیصد بھی جمع کروادیا۔

فروری ۱۹۸۶ء کو ہی عوام کے سامنے وہ ٹینڈر کھولے گئے۔ جس طرح مختلف قطعات کیلئے، مختلف لوگ جن کی پیشکش بڑی تھی کامیاب قرار دیئے گئے۔ اسی طرح میری کمپنی بھی اس ایک قطعہ اراضی کے سلسلہ میں دوسری چند کمپنیوں سے آگے تھی، کامیاب قرار دی گئی اور دوسری شرط کے مطابق کامیاب ہونے والوں کو ایک ہفتہ میں مزید ۲۳ فیصد رقم جمع کرانے کی ہدایت موصول ہوئی۔ بصورت عدم ادائیگی پہلے ادا کئے گئے دو فیصد ضبط ہو جائیں گے۔

لہٰذا میری کمپنی نے شرائط کی پابندی کرتے ہوئے مزید ۲۳ فیصد رقم مقررہ وقت میں جمع کروادی۔ اس طرح بولی کی رقم کا ایک چوتھائی یعنی ۲۵ فیصد (تقریباً ۳۵ لاکھ روپے) حکومت کے خزانے میں پہنچ گیا۔ جولائی ۸۷ء میں اس سرکاری ادارے نے لاہور، راولپنڈی اور اسلام آباد میں واقع اپنے مرکزی دفاتر کی جانب سے ہمیں مطلع کیا کہ ہماری پیشکش قبول کرلی گئی ہے۔

لیکن اس زمین پر کسی شخص نے جعلی دستاویزات کے زور پر عدالت سے ڈگری لی ہوئی ہے، جسکے خلاف محکمہ عدالت عالیہ سے رجوع کیا ہے، جونہی اس سلسلے میں کوئی کامیابی ہوئی آپ کو قبضہ دے دیا جائے گا۔ اور بقایا رقم کی ادائیگی کے شیڈول کا تعین کیا جائے گا۔ اور اسی دوران سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں زمین ہماری کمپنی کا نام منتقل کرنے کی کاروائی بھی کی جائے گی۔ ادارے نے ہم سے عدالت میں اس جعلی معاملہ کے خلاف تعاون کی بھی درخواست کی۔ جس پر ہم نے اپنا وکیل ادارے کو پیش کیا۔ جب عدالت سے ادارے کے حق میں فیصلہ ہوگیا تو ہماری کمپنی نے اس ادارے کو معاہدے کی شرائط کے مطابق قبضہ دینے کی درخواست کی، جس پر ادارہ نے ٹال مٹول شروع کردی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس عرصہ دراز میں ڈھائی تین سال میں زمینوں کی قیمت میں چونکہ اضافہ ہوا تھا۔ لہٰذا ادارے کے چلانے والوں کی نیتوں میں فتور آچکا تھا۔ اور وہ اپنے بڑے افسران کے ذریعہ حتی کہ اس محکمہ کے وفاقی وزیر کے ذریعہ بھی ہم سے ملے اور دیگر کامیاب بولی دھندگان سے مطالبہ کرتے رہے کہ ہم تمام لوگ ٹینڈر کی طے شدہ رقم میں اضافہ کریں، جسے ہم نے مسترد کرتے ہوئے عدالت عالیہ میں رجوع کیا۔

اور تقریباً یہ مقدمہ آخری مراحل میں تھا اور نوشتہ دیوار کی طرح صاف تھا کہ کیا ہونے والا ہے کہ اس ادارے نے حکومت کے اعلیٰ ترین ممبر سے ایک آرڈیننس جاری کروایا، جس کی رو سے تمام معاہدے منسوخ اور تمام عدالتی فیصلے بھی کالعدم، خواہ ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ سے ہوئے ہوں اور ایک سہ رکنی کمیٹی بنائی گئی۔ جس میں دو ریٹائرڈ اور ایک حاضر سروس جج صاحبان ہوں گے۔ یہ سہ رکنی کمیٹی، جو فیصلہ دے، صرف وہی قابل قبول ہوگا، اسکے خلاف کسی قانون کے تحت کسی عدالت و مقام میں اپیل کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اب آپ سے یہ سوال ہے کہ مندرجہ بالا تحریر کی روشنی میں ہمیں

بتائیں کہ کیا اس ادارہ کا ہمارے ساتھ معاہدہ کرکے منحرف ہوجاتا۔ شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے ؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔ نوازش ہوگی۔

فقط : ایک سائل

الجواب :

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے عہد و پیمان کے پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا :

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

(سورۃ (۱۷) بنی اسرائیل، آیت، ۳۴)

اور عہد پورا کرو بے شک عہد سے سوال ہونا ہے۔ (کنزالایمان)

اسی طرح عقد کے پورا کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں فرمایا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

(سورۃ (۵) المائدہ، آیت، ۱)

اے ایمان والو ! اپنے قول پورے کرو۔ (کنزالایمان)

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے باہمی معاہدہ پورے کیا کریں کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے۔ ایک اور مقام پر قرآن کریم میں مسلمانوں کی صفات کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے :

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ٥

(سورة (۲۳) المؤمنون ، آیت: ۸)

یعنی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اھل ایمان کی یہ پہچان بیان فرمائی کہ ان کے پاس امانتیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہوں یا لوگوں کی اور اسی طرح "عہد" خدا کے ساتھ ہوں یا مخلوق کے ساتھ ، پورا کرتے ہیں۔ اور ایک جگہ یوں فرمایا :

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا

(سورة (۲) البقرة ، آیت، ۱۷۷)

یعنی اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں۔ (کنزالایمان)

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیات عہد سے متعلق ہیں۔ عہد اور قول و اقرار کے ایفاء کرنے کی تاکید فرمائی اور عہد و پیمان وفا نہ کرنا حدیث میں منافقین کی علامت بیان کی گئی۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ شیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب متوفی ۷۴۲ھ نے بخاری و مسلم کے حوالے سے نقل کیا:

اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذِبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

ایک اور حدیث میں جو کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا:

اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذِبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہے اور جس کسی میں ان میں سے کوئی ایک ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو خلاف کرے اور جھگڑے میں گالی گلوچ کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے اس میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، صفحہ: ۱۷، ۱۵، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی جس میں امانت داری نہیں اس کا ایمان نہیں اور نہیں ہے دین اس شخص کا جو عہد وفا نہیں کرتا۔

قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ سے یہ ثابت ہوا کہ عہد و پیمان اور عقد پورا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اور اسکی خلاف ورزی کرنا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے احکامات کی نافرمانی کرنا ہے۔ سوال پڑھنے سے یہ معلوم ہوا کہ عاقدین (خرید و فروخت کرنے والے) کے درمیان یہ عقد مکمل طور پر طے پا گیا اور شرعی طور پر یہ بیع منعقد ہو گئی۔ کتب فقہ میں یہ مسئلہ بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا:

واذا حصل الايجاب والقبول لزم البيع ولا خيار لواحد منهما الا من عيب او عدم رؤية

یعنی جب ایجاب و قبول مکمل ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے۔ اور بیچنے اور خریدنے والے میں سے کسی کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا مگر یہ کہ اس چیز میں کوئی عیب ہو یا اس کو پہلے دیکھا نہ ہو۔

یہ تو شریعت اسلامی کے مآخذ قرآن و حدیث اور فقہ کے دلائل تھے مگر دنیا میں غیر مسلم لوگ بھی وعدہ خلافی کرنے اور معاہدہ توڑنے کو قابل نفرت قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا گورنمنٹ کو چاہیئے کہ وہ یہ معاہدہ بغیر کسی حیل و حجت کے پورا کروادے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تجارت بڑھانے کیلئے انعامی کوپن جاری کرنا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

قرعہ اندازی میں جو انعام نکلے جیسے کہ ہم کوئی چیز خریدیں اور اسکے ساتھ کوئی ریفل ٹکٹ بھی ملے جس پر بعد ازاں قرعہ اندازی سے انعام نکل آئے۔ مثلاً گاڑی، فریج، وغیرہ تو وہ انعام لینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

کوئی شخص یا کمپنی اپنے مال کی بکری بڑھانے کیلئے ایسا کرتی ہے کہ پیکٹ یا ڈبے کے اندر ایک کوپن رکھ دیتی ہے، جس پیکٹ میں سے ٹکٹ نکلے گا اس پر انعام دیا جائے گا۔ جن لوگوں کے پیکٹ میں وہ ٹکٹ نکلیں گے، تو ان میں قرعہ اندازی کر کے انعام دیا جائے گا یہ صورت جائز ہے۔ اسی طرح کوئی شخص قرعہ اندازی کر کے حج پر بھیجے تو یہ بھی جائز ہے۔

انعام کا لالچ دے کر قرض لینے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص نے بغرض تجارت ۱۰۰ افراد سے دو لاکھ روپے، اس شرط پر قرض لئے کہ ایک ماہ بعد واپس کردوں گا اور مزید ۵۰ ہزار روپیہ بطور انعام ۱۰ افراد کو قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کروں گا۔ تجارت میں نفع ہو یا نقصان۔ قرعہ اندازی میں ان افراد کے نام نکلے جنہوں نے ۱۰۰ روپیہ یا ۱۰ ہزار روپیہ قرض دیا تھا، ان کیلئے یہ انعام حلال ہے یا حرام؟

سائل: قاضی محمد رفیق، ریلوے پولیس لائن، لاہور

الجواب:

صورت مسئولہ میں قرعہ اندازی کر کے جو انعام دیا جائے گا، وہ جائز ہے اس لئے کہ مال کے ناجائز ہونے کی صورتیں شریعت نے متعین کر دی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ کسی کا مال اس کی اجازت کے بغیر چوری، ڈکیتی، غصب، دھوکہ دہی وغیرہ کسی طرح لے لیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جوئے میں بازی لگا کر لیا جائے یا رشوت میں لیا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ سود میں لیا جائے۔ سود کے معنی شریعت میں یہ ہیں:

الزیادۃ المشروطۃ فی العقد

یعنی قرض دینے میں یہ شرط کر دیا جائے کہ جتنا لیا ہے اس سے زیادہ واپس دے گا۔

اور سود کی دوسری صورت یہ ہے کہ ناپی یا تولی جانے والی چیزوں کو، ان کی ہم جنس کے ساتھ بیچا جائے اور ان میں وزن یا ناپ میں کمی زیادتی کی جائے۔ مثلاً ایک من گیہوں کو ڈیڑھ من گیہوں سے یا ایک صاع کھجوروں کو دو صاع کھجوروں کے بدلے بیچا جائے۔ سوال میں جو صورت مذکور ہے، وہ ان حرمت والی صورتوں میں سے کسی میں داخل نہیں۔ لہٰذا وہ انعام لینا جائز ہے۔

زمین بٹائی پر دینے کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی محمد وقار الدین صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مندرجہ ذیل مسئلے میں آپ سے رہنمائی مطلوب ہے۔

ایک صاحب جو آزاد ذہنیت کے مالک ہیں، کہتے ہیں کہ زمین بٹائی پر دینے سے زمیندار کو جو آمدنی ہوتی ہے، وہ حرام ہے۔ کیونکہ وہ بغیر کسی محنت کے حاصل ہوتی ہے۔

ازروئے شرع آپ بتائیں کہ ان صاحب کا مؤقف درست ہے یا نہیں؟

سائل : سید الیاس علی، پی ای سی ایچ ایس کالونی، کراچی

الجواب :

زمین کو کاشت کیلئے بٹائی پر دینا جائز ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث شریف ہے :

عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ اعطى خيبر اليهود على ان يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما خرج منها

(بخاری شریف، جلد اول، ابواب الحرث والمزارعة وما جاء فيه، باب المزارعة مع اليهود، صفحه: ۳۱۳، قديمی كتب خانه، كراچی)

یعنی حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمین یہودیوں کو دی اس شرط پر کہ اس میں زراعت کا کام کریں اور پیداوار میں آدھا ان کا ہوگا۔

لہٰذا زراعت کیلئے زمین دینا جائز ہے۔ ناجائز کہنے والا جاہل ہے۔ اور جو دلیل اس نے بیان کی ہے وہ لغو ہے۔ اگر بغیر محنت کے کوئی چیز لینا حرام ہوتا تو دوست احباب کو تحائف دینا بھی حرام ہوتا۔ اسی طرح رشتہ داروں کو صلہ رحمی کے طور پر کچھ دینا بھی حرام ہوتا۔ حالانکہ صلہ رحمی کا حکم قرآن و حدیث میں بصراحت موجود ہے۔ اور حدیث میں ہے، اس حدیث کو امام دار الہجرت امام مالک بن انس بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث متوفی ۱۷۹ھ نے حدیث میں سب سے پہلے مدون ہونے والی کتاب مؤطا امام مالک میں نقل کیا :

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ تَصَافَحُوا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُوا تَحَابُّوا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَآءُ

(كتاب الجامع، باب ما جاء فى المهاجرة، صفحه: ۷۰۶، ۷۰۷، نور محمد ! كارخانه تجارت كتب، آرام باغ، كراچی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باہم مصافحہ کیا کرو، کینہ دور ہوگا اور آپس میں تحائف کا تبادلہ کرتے رہو، آپس میں محبت بڑھے گی اور عداوت دور ہوگی۔

بلا محنت حاصل ہونے والی ہر چیز حرام ہوتی تو ہدیہ و تحفہ بھی حرام ہوتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سامان کھیل کی تجارت کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اسلام میں فٹبال، ہاکی، کرکٹ، کیرم بورڈ وغیرہ کے کھیل جائز ہیں یا نہیں اور ان کھیلوں میں استعمال ہونے والی چیزوں کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

سائل: اعجاز احمد قادری، ناظم آباد، کراچی

الجواب:

حدیث شریف میں صرف تین کھیل یعنی تیر اندازی، گھوڑے کو سکھانا اور اپنی بیوی سے کھیلنے کے علاوہ باقی تمام کھیلوں کو باطل کہا ہے۔ لہٰذا سوال میں جن کھیلوں کا تذکرہ ہے، یہ سب ناجائز ہیں، اور ایسے سامان کی تجارت بھی ناجائز ہے۔

مشکوک ذرائع آمدنی کا حکم

الاستفتاء:

جناب مولانا مفتی صاحب! السلام علیکم

جو لوگ سونے کا کاروبار یعنی زیورات بناتے ہیں اور پیتل کا ٹانکا لگاتے ہیں اور اس پیتل کو بھی سونے کے بھاؤ بیچتے ہیں پھر وہی زیور اگر سنار کو بیچا جائے تو وہ اس پیتل کو وزن سے منہا کر کے صرف سونے کے وزن کا پیسہ دیتے ہیں۔ سنار کا یہ عمل شریعت کی رو سے کیا حکم رکھتا ہے؟

جو لوگ فوٹو بناتے ہیں، ان کی روزی حلال ہے یا حرام، ان کے یہاں کھانا پینا حرام ہے یا حلال؟ اگر انکو قربانی میں شریک کر لیا تو قربانی کا کیا حکم ہے؟ اور کاروبار میں شرکت ہوگی تو اس کا کیا ہوگا؟

سائل: نظام الدین، غوثیہ مسجد، نارتھ کراچی

الجواب:

سونے میں اجزاء جوڑنے کیلئے ٹانکا لگایا جاتا ہے عام طور پر یہ ٹانکا تانبہ سے لگایا جاتا ہے۔ صراف (سنار) یہ بتاتے ہیں کہ ٹانکا سونے سے نہیں لگ سکتا۔ جو کچھ بھی ہو جب پرانے زیورات صراف خریدتے ہیں تو ٹانکے کا وزن کاٹ کر سونے کی قیمت دیتے ہیں تو انھیں بیچتے وقت بھی چاہیئے کہ بتا کر ٹانکے کی قیمت کا وزن کاٹ کر زیورات فروخت کریں اگر ایسا نہیں کریں تو یہ ناجائز و گناہ ہے۔ اور اگر اس طرح زیور فروخت کریں کہ یہ زیور اتنی قیمت کا ہے اور سونے کے وزن کے حساب سے قیمت نہ لگائیں اور یہ بھی بتا دیں کہ اس میں اتنا ٹانکا لگا ہوا ہے تو یہ جائز ہے۔

فوٹوگرافر فوٹو کھینچ کر جو روپیہ لیتا ہے، وہ حرام ہے۔ اگر اس کی صرف یہی آمدنی ہے اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے تو اس کے یہاں کھانا کھانا بھی جائز نہیں ہے نیز اگر صرف فوٹوگرافی کی آمدنی ہے تو اسکے ساتھ قربانی میں شرکت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

مشترکہ کاروبار پھر الگ الگ ہونے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہم دو بھائیوں نے مل کر کاروبار کرنا شروع کیا۔ بینک سے قرض لے کر ایک دوکان پگڑی پر لی، جو کہ بڑے بھائی کے نام سے ہے۔ اور بینک کا قرض ہم دونوں نے ملکر دوکان سے ہی ادا کیا بلکہ دوکان پر ہم دونوں برابر برابر محنت کیا کرتے تھے۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد گھر کے تمام اخراجات اسی دوکان کی کمائی سے پورے کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ میری شادی پر کچھ خرچہ زیادہ ہوا جبکہ بڑے بھائی کی شادی کے اخراجات کچھ کم ہوئے۔ ماشاء اللہ بڑے بھائی کے چھ بچے ہیں جبکہ میرے دو ہیں۔ اور سب ساتھ ہی رہتے ہیں۔ عرصہ گیارہ سال سے میں اکیلا گھر اور کاروبار دیکھ رہا ہوں۔ چونکہ میرے بڑے بھائی نے اپنے بھانجے کے ساتھ دو دوکانیں الگ قائم کرلی ہیں جو کہ ایک کراچی میں اور دوسری فیصل آباد میں ہے۔ کراچی کی دوکان پر میرے بڑے بھائی کام کرتے ہیں اور فیصل آباد کی

دوکان بھانجے کے سپرد ہے۔ گھر کے تمام اخراجات، لوگوں کا آنا جانا، کھانا پینا اور دوسرے تمام امور بھی صرف میرے ذمہ ہیں۔ جس دوکان پر میں کام کرتا ہوں اسی سے تمام خرچہ چلتا ہے۔ جبکہ بڑے بھائی کی دوکان سے گھر کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور بھائی کے بیوی بچے میرے ساتھ ہی رہتے ہیں اور ایک ساتھ ہی کھانا پینا چلتا ہے۔ ساری ذمہ داری مجھ پر آن پڑی ہے اور میں اس قدر بوجھ نہیں اٹھا سکتا ہوں۔ نیز اسی دوکان سے بھائی نے حج بھی کیا اور ایک بہن کی شادی کے تمام اخراجات بھی پورے کیے گئے۔

لہٰذا ہم لوگ اس کاروبار کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور بڑے بھائی کے بچے اور میرے بچے سب ساتھ رہتے ہیں اس بناء پر اخراجات بھی مجھ پر ہی ہیں۔ برائے مہربانی تقسیم کیلئے قرآن وحدیث کی روشنی میں مشورہ دیں۔

سائل: حاجی محمد ظہور، ناظم آباد، کراچی

الجواب:

ابتداءً دوکان دونوں بھائیوں نے شرکت میں شروع کی تھی، تو چاہیے یہ تھا کہ ہر بھائی کے حساب میں جو خرچ ہوتا علیحدہ علیحدہ لکھا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ دونوں بھائیوں کی شادیوں اور بیوی بچوں پر خرچ ہوتا رہا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان مصارف پر دونوں بھائی راضی تھے اس لئے جو خرچ ہوا کسی کو ایک دوسرے سے لینے کا حق نہ رہا۔ اب اس دوکان کو موجودہ حالت میں دونوں بھائیوں پر تقسیم کردیا جائے۔ حج پر اور بہن کی شادی پر جو کچھ خرچ ہوا اس کا بھی یہی حکم ہے کہ گویا دونوں کی رضامندی سے خرچ ہوا۔ اور شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ خرچ کرنے سے پہلے اگر اجازت لی جائے تو اس پر عمل ہوگا۔ اور اگر اجازت نہ لی جائے اور خرچ کردیا جائے تو یہ تبرع احسان کہلاتا ہے۔ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائے گا اور اسکا بدلہ دنیا میں طلب نہیں کیا جاسکتا۔

قرض یا عطیہ کو واپس لینے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

چند افراد مل کر کاروبار کرتے تھے، جن میں ان کا منشی بھی شامل تھا۔ تجارت میں نقصان ہوا تو منشی کا خسارہ دیگر شرکاء نے اپنے مال سے پورا کردیا۔ ان سب شرکاء کا انتقال ہوچکا ہے۔ صرف منشی زندہ ہے جس کے نام پر ایک

دوکان ہے۔ مرحومین کے ورثاء کا مطالبہ ہے کہ ہمارے لوگوں نے منشی کا قرض وغیرہ اتارا تھالہٰذا منشی وہ قرض ہمیں واپس کرے۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا منشی سے رقم کا مطالبہ کرنا، ان لوگوں کیلئے جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : معراج الدین، ٹنڈوآدم

الجواب :

منشی کے کھاتے میں نقصان کی جو رقم جمع کی گئی، جمع کرنے والوں نے اگر وہ رقم منشی کے مطالبہ پر قرض دی تھی یا اپنی طرف سے بغیر مطالبہ بطور قرض جمع کرائی تھی، اور دونوں صورتیں گواہوں سے ثابت ہو جائیں تب تو اس رقم کا مطالبہ منشی سے کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر گواہوں سے قرض دینا ثابت نہ ہو تو یہ عطیہ اور منشی پر احسان سمجھا جائے گا۔ اور اسکا مطالبہ کرنے کا حق خود دینے والوں کو بھی نہیں ہے چہ جائیکہ کسی اور کو۔ لہٰذا ورثاء کا یہ مطالبہ غلط ہے۔

مضاربت کابیان

شرائطِ مضاربت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

اسلامی مضاربہ یعنی نفع و نقصان کی بنیاد پر بلا سود سرمایہ کاری مندرجہ ذیل شرائط کے تحت شرعی طور پر جائز ہوگی یا نہیں ؟ معاہدہ سرمایہ کاری، زید نے اپنی فرم کیلئے بکر سے مبلغ ۵۰۰۰ روپے اسلامی مضاربہ پر اپنے ساتھ تجارت کیلئے وصول پائے۔

شرائط معاہدہ

(۱) ہم اپنے ساتھ سرمایہ کاری اسلامی مضاربہ (نفع و نقصان) کی بنیاد پر اپنے کاروبار میں لگاتے ہیں ہم اپنے ساتھ لگائے گئے پیسوں سے نہ کسی کو سود پر پیسے دیتے ہیں اور نہ کسی سے سود پر پیسے لے کر اپنا کاروبار کرتے ہیں ۔ ہمارا کوئی کام سودی نہیں ہے۔ ہم بنک سے لین دین کرنٹ اکاؤنٹ کے ذریعے کرتے ہیں اور بنک سے پیسے ادھار بھی نہیں لیتے۔

(۲) ہمیں جو بھی منافع ہوگا، اس میں ۶ فیصد بکر کو دیا جائے گا۔ منافع کے پیسے باقاعدہ حساب کرکے ہر مہینے ادا کیا کریں گے جبکہ سالانہ حساب کرکے اصل نفع نقصان کا پتہ چلے گا۔

(۳) اگرچہ کاروبار میں نقصان کا امکان کم ہے پھر بھی جتنا نقصان ہو، اس قدر مال کا نقصان بکر کا ہوگا اور ہماری محنت کا۔

(۴) اگر بکر کسی وقت اپنی رقم واپس لینا چاہے گا تو ایک مہینہ پہلے نوٹس دینا ہوگا اور اس مہینے کا جس قدر نفع ہوگا وہ طے شدہ اصول کے مطابق ہم ادا کریں گے۔

میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ ہم سود سے پاک تجارت کرتے ہیں اگر بکر کے ہمارے ساتھ لگائے گئے پیسوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ سود کی آمیزش ہوگی تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گا اور مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

سائل: محمد اکبر

الجواب:

مضاربت کے صحیح ہونے کیلئے یہ شرائط ہیں:

(۱) راس المال! از قبیل ثمن ہو یعنی جو چیز قیمت بننے کے لائق ہو۔

(۲) راس المال! معلوم ہو۔

(۳) راس المال! معین ہو۔

(۴) راس المال! مضارب کو دے دیا جائے۔

(۵) نفع دونوں کے درمیان شائع (واضح) ہو مثلاً نصف نصف وغیرہ۔

(۶) ہر ایک کا حصہ معلوم ہو۔

(۷) مضارب کیلئے نفع دینا شرط ہو۔

نیز مضارب کیلئے یہ بھی جائز نہیں کہ اس مال کے ساتھ کسی سے شرکت کرے یا مال مضاربت کو اپنے مال سے ملائے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر وہ فرم بکر کے روپے سے علیحدہ تجارت کرتی ہے، دوسرے کے مال کو اپنے ساتھ ملاتی ہے نہ اپنے مال کے ساتھ دوسرے کا اور مذکورہ بالا تمام شرائط مضاربت طے کی گئی ہیں تو یہ مضاربت صحیح

ہو گی۔ مگر ظاہر بات یہ ہے کہ فرم ہر ایک شخص کے روپے سے علیحدہ علیحدہ تجارت نہیں کرتی بلکہ متعدد افراد کے روپے ملا کر تجارت کرتی ہے۔ لہٰذا یہ مضاربت فاسد ہے اور مضاربت کا دارومدار دیانت وامانت پر ہے۔

مضارب روپے کا امین ہے اور خرید و فروخت میں وکیل ہے۔ اس طرح لوگوں کے روپے ملانے کے بعد خرید و فروخت کرنا وکالت کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ باطل ہے۔ اور عملاً ناممکن ہے، اس لئے کہ سب شرکاء سے ایک وقت میں فرم نے روپیہ نہیں لیا، مختلف تاریخوں میں فرم روپے لیتی رہتی ہے اور تجارت کرتی ہے۔ منافع تقسیم کرتے وقت سب کو روپے کی مقدار کے اعتبار سے منافع تقسیم کردے تو یہ غلط ہے اس لئے کہ سال بھر میں مختلف اشیاء کو مختلف اوقات میں خرید و فروخت کرنے کیلئے استعمال کیا گیا اور بعد کو جن سے روپیہ لیا گیا وہ کم اشیاء کے خرید و فروخت میں استعمال ہوا۔ لہٰذا دیانت کے ساتھ منافع تقسیم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ایسی فرم کو روپیہ دیکر دیانت کے ساتھ حلال نفع حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

بیع مضاربت میں نفع معین کرنا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک فرم مضاربت پر لوگوں سے پیسہ لیتی ہے۔ پیسہ لیتے وقت وہ واضح کر دیتی ہے کہ آپ کی رقم ڈوب بھی سکتی ہے، منافع یقینی نہیں۔ اور جب وہ لوگوں میں منافع تقسیم کرتی ہے تو تین فیصد کے حساب سے عام طور پر منافع تقسیم کرتی ہے اور کبھی اس سے کم بھی جاتا ہے اور کبھی بڑھ بھی جاتا ہے۔ نقصان کا پہلو اس میں بہت کم ہوتا ہے۔ کیا اس صورت میں اس فرم میں حصہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

سائل: محمد عبدالرشید نوری

الجواب:

صورت مسئولہ میں مضاربت کی اگر تمام شرطیں پائی جائیں، تو یہ مضاربت ہو گی۔ مثلاً جو مال دیا گیا وہ نقد ہو اور یہ کہ نقصان سب مال والے کا ہو گا اور نفع بھی دونوں کے درمیان تقسیم ہو۔ مثلاً آدھا آدھا۔ مضاربت کا دارو

مدار امانت پر ہے۔ لہٰذا صحیح طور پر حساب کر کے نفع تقسیم کیا جائے اور اگر منافع متعین کر دیا جائے کہ مضارب اس سے کم نہیں لے گا تو پھر یہ صورت ناجائز و حرام ہے۔

مضاربت میں فریق ثالث کی رائے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
زید اور بکر نے شراکت میں کاروبار شروع کیا۔ زید کی رقم کاروبار میں لگی ہوئی ہے جبکہ بکر اس سے کاروبار کر رہا ہے۔ یعنی ورکنگ پارٹنر ہے۔ زید اور بکر نفع میں برابر کی بنیاد پر شریک ہیں۔ فرم زید اور بکر کی باہمی رضامندی سے کوئی بھی کام کرے گی نیز ماہانہ اخراجات زید اور بکر منافع میں سے لے سکتے ہیں۔ یہ معاہدہ وکیل کی معرفت کیا گیا ہے۔ کاروبار شروع ہونے کے بعد زید نے برابری کی بنیاد پر منافع دینے سے انکار کر دیا، جس پر تنازعہ شروع ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے فیصلہ دیا کہ زید بکر کو فرم کے اخراجات اور اپنے ماہانہ اخراجات کیلئے پندرہ ہزار روپے دے۔ جس کی زید نے پابندی نہ کی۔ اس بارے میں حکم شرع سے آگاہ فرمائیں۔

سائل : محمد عیسیٰ، فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب :

ایسے عقد کو شریعت میں "مضاربت" کہتے ہیں۔ فریقین میں جو شرائط طے ہو جائیں گی، ان پر عمل کیا جائے گا مگر نقصان میں کام کرنے والا شریک نہیں ہوتا۔ نقصان روپے والے کا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا لوگوں نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ غلط ہے۔ جو دونوں میں پہلے فیصلہ ہو چکا تھا اسی پر عملدرآمد کرنا ہوگا۔

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
اگر کوئی شخص یا ادارہ کاروبار میں رقم لگوانا چاہے، مندرجہ ذیل شرائط کی بنیاد پر :

(۱) اگر کسی معاملے میں نااتفاقی ہوگی تو فیصلہ شریعت کے مطابق کیا جائے گا۔

(۲) ۴۰ فیصد طے شدہ منافع ماہانہ کے حساب کے بعد دیا جائے گا۔

(۳) اگر کوئی فریق معاہدہ توڑنا چاہے تو ایک ماہ پہلے مطلع کرے گا۔

(۴) اس اطلاعی ماہ کا منافع، معاہدہ توڑنے والے کو نہیں دیا جائے گا۔

سائل: محمد طارق ولی

الجواب:

اس طرح کاروبار کرنا کہ روپیہ ایک شخص کا ہو اور کام دوسرا کرے گا یہ شریعت کی نظر میں مضاربت کہلاتا ہے۔ مضاربت کی بہت سی شرطیں ہیں جب ان شرطوں پر عمل ہوگا تو مضاربت صحیح ہوگی اور اگر عمل نہ ہو تو مضاربت باطل ہو جاتی ہے۔ اس کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ نفع اس طرح متعین کیا جائے کہ ملے گا تو دونوں کو ورنہ کسی کو نہیں۔ مثلاً آدھا آدھا ہوگا یا ایک کا ایک تہائی اور دوسرے کا دو تہائی وغیرہ۔ روپیہ دینے والا نقد روپیہ دوسرے فریق کو دے گا جس سے دوسرا فریق تجارت کرے گا اور خود مختار ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معین کر دیا جائے کہ مضارب کس چیز کی تجارت کرے گا۔

مضاربت میں دونوں طرف نقصان برداشت کرنے کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب! دارالعلوم امجدیہ، کراچی

السلام علیکم

جناب عالی مسئلہ یہ ہے کہ آجکل کچھ ادارے نفع نقصان کی بنیاد پر شراکتاً کاروبار کر رہے ہیں اور ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ منافع کی شرح اس طرح مقرر کی جاتی ہے کہ ایک مہینے میں منافع کا اندازہ لگاتے ہیں اور اس کے مطابق گیارہ ماہ تک تقسیم کرتے رہتے ہیں اور پھر سال کے آخر میں جب حساب بند کرتے ہیں تو اگر کچھ بچتا ہے تو وہ بھی تقسیم کر دیتے ہیں۔ شرائط و قواعد حسب ذیل ہیں:

(۱) اس سرمایہ کاری کو .B.T بین الاقوامی ترقیاتی منصوبہ اور اس کی سرگرمیاں A-1 امان چیئر مین اسلامی نظریہ وبنیاد کیلئے استعمال ہوں گی۔

(۲) ہر ماہ بغیر تخمینہ سرمایہ کا ۳.۵ فیصد منافع ادا ہوگا۔ اصل منافع کا تعین سالانہ حساب بند کرنے اور ترغیب دینے پر مقرر کیا جائیگا۔ اگر زیادہ ہوا تو اس کے مطابق کل سرمایہ کاری کا ۵ فیصد منافع تقسیم ہوگا اور اصل منافع کل سرمایہ کاری کا ۵ فیصد سے بڑھتا ہے۔ تو ایسی صورت میں بڑھا ہوا منافع بطور بونس کمپنی کے کارکنوں کو تقسیم کیا جائے گا۔ اس میں نقصانات کے مواقع نہیں ہیں تاہم کبھی اتفاقیہ نقصان کی حالت ہوئی تو کمپنی ۷۵ فیصد برداشت کرے گی جبکہ سرمایہ کار کا ۲۵ فیصد حصہ روکا جائیگا۔

(۳) سرمایہ کار اپنا سرمایہ نکالنے کا خواہش مند ہو تو اس کیلئے تیس دن پہلے کمپنی کو اطلاعی درخواست دینی ہوگی۔

(۴) اطلاعی مدت کا منافع ادا نہیں کیا جائے گا۔

درج بالا صورتوں کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: محمد اسلم، کراچی

الجواب:

ایسا عقد جس میں روپیہ ایک شخص کا ہو اور کام دوسرا کرے، شریعت میں ”مضاربت“ کہلاتا ہے۔ اس کی بہت سی شرائط ہیں، جن میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ نقصان روپے والے کا ہوگا، کام کرنے والا نقصان برداشت نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کی صرف محنت ضائع ہوگی۔ لہٰذا اس سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے، اس میں ۷۵ فیصد نقصان کام کرنے والا برداشت کرے گا اور پچیس فیصد روپے والا، یہ شرط باطل ہے۔ اس کی وجہ سے مضاربت بھی باطل ہے۔ اور یہ شرط ناجائز ہے۔ اگر یہ شرط نہ ہو تو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، منافع ماہوار تھوڑا تھوڑا دے دیا جائے اور سال پورا ہونے پر حساب کر لیا جائے، یہ جائز ہے۔ مگر شرط بہر حال یہی ہے کہ جب نفع ہوگا تو دونوں کو ملے گا اور نقصان ہوگا تو روپے والے کا ہوگا۔

شفعہ کا بیان

حقِ شفعہ کی شرائط

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

مندرجہ ذیل مسئلے پر آپ کی رہنمائی چاہیئے کہ:

ایک ہندو دوکان مالک نے اپنی دوکان فروخت کی، جو کہ ایک مسلمان نے خریدی۔ اس دوکان کے برابر والا دوکاندار بھی مسلمان ہے۔ کیا اس پڑوسی دوکاندار کو شرع کے مطابق حق شفعہ ہے یا نہیں؟ دونوں دوکانوں کی دیواریں آپس میں ملتی ہیں۔

سائلین: سید حشمت علی، سید مظفر علی، ٹنڈوالٰہیار

الجواب:

پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو رئیس المحدثین امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ نے صحیح بخاری میں نقل کیا:

سمعتُ رسُولَ اللّٰہ ﷺ یقُولُ الجارُ احقُّ بسبقہ

(جلد اول ، کتاب السلم ، باب عرض الشفعة علی صاحبہا قبل البیع ، صفحہ: ۳۰۰، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

یعنی پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے شفع کا حقدار ہوتا ہے۔

مگر شفعہ کا حق ثابت کرنے کیلئے تین شرائط ہیں۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ھدایہ میں لکھا

(۱) طلب المواثبة وھو ان یطلبہا کما علم حتی لو بلغ الشفیع البیع ولم یطلب شفعتہ بطلت الشفعة

یعنی شفیع کو جیسے ہی اس کا علم ہو یہاں تک کہ اگر شفیع کو فروخت کرنے کی اطلاع پہنچی اور اس نے اپنا حق شفعہ طلب نہ کیا تو حق شفعہ باطل ہو گیا۔

(۲) دوسری شرط طلب تقریر ہے اور وہ یہ ہے :

ثم ینہض منہ یعنی من المجلس ویشہد علی البائع ان کان المبیع فی یدہ معناہ لم یسلم الی المشتری او علی المبتاع او عند العقار فاذا فعل ذالک استقرت شفعتہ

یعنی پھر وہ اٹھے اس مجلس سے اور بائع (بیچنے والے کے ،اس عمل) پر گواہ بنائے اگر مبیع ،بائع کے قبضہ میں ہو یعنی اس نے مبیع کو مشتری کے حوالے نہ کیا ہو یا خریدار کے پاس جا کر یا بیچی جانے والی چیز کے پاس جا کر (گواہ بنالے) تو جب وہ ایسا کرلے گا تو اس کا دعوٰی شفع قائم ہو جائے گا۔

(۳) تیسری شرط "طلب الخصومة والتملیک" ہے :

واذا تقدم الشفیع الی القاضی فادعی الشراء وطلب الشفعة

(آخرین ، کتاب الشفعة، باب طلب الشفعة والخصومة فیہا، صفحہ: ۳۹۴، ۳۹۳، ۳۹۲، مکتبہ شرکت علمیہ ، ملتان)

یعنی جب شفیع قاضی کے پاس گیا اور اس نے خریدنے کا دعوٰی کیا اور حق شفعہ طلب کرلیا (تو حق شفعہ ثابت ہو جائے گا)

اس حق شفع میں اگر بیچنے والا غیر مسلم بھی ہو، جب بھی مسلمان کو حق شفعہ ہوگا بلکہ کافر کو بھی حق شفعہ ہوتا ہے۔ ہدایہ ہی میں ہے :

والمسلم والذمی فی الشفعة سواء للعمومات ولانهما يستويان فی السبب والحكمة فيستويان فی الاستحقاق

(آخرين، كتاب الشفعة ، باب ما تجب فيه الشفعة وما لا تجب، صفحه: ۴۰۲، مكتبه شركت علميه ، ملتان)

یعنی مسلمان اور ذمی حق شفع میں برابر ہیں دلائل عام ہونے کے باعث اور اس لئے کہ وہ دونوں سبب اور حکمت میں مساوی ہیں پس وہ دونوں برابر ہیں حقوق میں۔

شفعہ سے بچنے کیلئے حیلے سے زمین بیچنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زمین کو ایسے حیلوں سے بیچنا، خریدنا کہ شفعہ کرنے والے کا حق شفعہ ساقط ہو جائے، جائز ہے یا ناجائز؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب :

اس طرح حیلہ کر کے خرید و فروخت کرنا کہ شفعہ کرنے والے کا حق مبیع کے ساتھ متعلق ہی نہ ہو سکے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔ در مختار میں ہے :

واما الحيلة لدفع ثبوتها ابتداء فعند ابی يوسف تذكره وعند محمد تكره ويفتی بقول ابی يوسف فی الشفعة

اور لیکن شروع ہی سے اس کے ثبوت کو ختم کرنے کیلئے حیلہ بہانہ کرنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور لیکن شفعہ میں امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے۔

سود کا بیان

سودی رقم کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

دارالعلوم امجدیہ، کراچی

بینک کے نفع و نقصان والے اکاؤنٹ میں میرا جو روپیہ ہے اس پر نفع لینا چاہیے یا نہیں یا نفع لے کر بلانیتِ اجر و ثواب اور کسی دنیوی مفاد کے بغیر رقم غرباء کو دے دی جائے؟ علمائے دیوبند میں اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں بینک میں کھاتہ رکھا جائے، منافع جو آئے وہ بغیر نیت ثواب غریبوں میں پھینک دیا جائے جیسے کوڑا پھینکا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم رکھی جائے۔ آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:

سوال میں مذکور اسکیم خالصتاً سود ہے۔ لہٰذا اس پر نفع لینا حرام ہے۔ اگر نفع لے لیا ہے تو بغیر نیت ثواب کسی مستحق زکوٰۃ کو یہ رقم دے دی جائے اور آئندہ اس سے بچا جائے اور غیر سودی اکاؤنٹ میں رقم جمع کر دی جائے۔

سودی کھاتوں میں اکاؤنٹ کھول کر اس میں اپنا نام لکھوانا ہی گناہ ہے۔ صدقہ دینے کا حکم اس مجبوری کی صورت میں ہے کہ کسی قانونی وجہ سے یا تجارت کی بناء پر سود حساب میں لگا دیا گیا تو اس کو اپنی ملک سے نکال دے۔

بینک کو سود کا اڈہ کہنے کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی وقار الدین صاحب!

پچھلے دنوں یہاں ایک جلسہ میں ایک عالم نے بتایا کہ ۱۰۰، ۵۰، ۱۱ اور ۱۰ والے انعامی بانڈز وغیرہ پر ملنے والی انعامی رقم ناجائز ہے نیز کچھ علمائے کرام بنک کی ملازمت کو ناجائز بتاتے ہیں۔ انھوں نے چوکیدار سے لے کر آفیسر ز تک کی ملازمت کو ناجائز بتایا اور مثال دی کہ پانی بھرے مٹکے میں ایک قطرہ پیشاب یا شراب گر جائے تو پورا مٹکا ناپاک کر دیتا ہے۔ اسی طرح بینک کا کاروبار سود پر ہے، لہٰذا بینک کی ہر طرح کی ملازمت ناجائز ہے۔

ایک صاحب کہنے لگے کہ "اس طرح پورا پاکستان سود پر چل رہا ہے دلیل یہ دی کہ اس وقت معیشت کا جو نظام قائم ہے وہ بنک چلا رہے ہیں اور پاکستان تقریباً کروڑوں اربوں روپے کا مقروض ہے اور یہ قرضے سود پر ہیں اور کچھ غیر سودی لیکن وہ بھی سود سے پاک نہیں۔ اس طرح بنک میں سودی اور غیر سودی رقمیں مل جاتی ہیں، جس سے ترقیاتی کام، ملازمین کی تنخواہ وغیرہ کی رقم بنک سے جاتی ہے"۔

لہٰذا ان صاحب کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟ اسی طرح ایک اور عالم صاحب سے سنا کہ وہ بنک کو سود کا اڈہ کہہ رہے تھے۔ حکومت نے سود سے پاک لین دین کے کاروبار اور شراکتی کھاتوں کا جو اعلان کیا ہے وہ کہاں تک درست ہے؟

سائل: حفیظ الرحمٰن، مدینہ کالونی، بلدیہ ٹاؤن، کراچی

الجواب:

گیارہ روپے والے پرائز بانڈ کے علاوہ جو بانڈ ہیں، ان کا خریدنا اور قرعہ اندازی کے ذریعہ ان سے ملنے والے انعام کو حاصل کرنا جائز ہے۔ بنک کی ملازمت، جس میں سود کے کاغذات وغیرہ لکھنا نہیں پڑتے ہیں، وہ جائز ہے۔ مثلاً دربان اور ڈرائیور وغیرہ۔ بنکوں میں سب روپیہ سود کا ہی نہیں ہوتا۔ جب بنک شروع کیا جاتا ہے تو حصہ

داراپنے روپے سے فنڈ اکھٹا کر کے بنک کی ابتداء کرتے ہیں، اس کے بعد جو لوگ کرنٹ اکاؤنٹ میں روپے جمع کرتے ہیں، ان کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لوگ "ایل سی" کھولتے ہیں اگر اس میں کل روپیہ جمع کرتے ہیں تو اس کا سود سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس میں بھی سود کا نام نہیں ہے نیز جب بنک پارٹیوں کو قرض دیتے ہیں تو ان سے سود لیتے ہیں۔ جو لوگ سیونگ اکاؤنٹ میں روپیہ جمع کرتے ہیں، ان کو بنک سود دیتے ہیں تو یہ سودی کاروبار ہے۔ لہذا بنکوں میں حرام و حلال روپیہ ملا ہوا ہے۔ مخلوط آمدنی سے قرض لینا، ملازمت کر کے تنخواہ لینا یا کوئی چیز فروخت کر کے قیمت لینا ناجائز ہے۔ آج دنیا میں شاید چند ہی آدمی ایسے ملیں گے، جن کی آمدنی میں ایک پیسہ بھی ناجائز ملا ہوا نہ ہو۔

لہذا سب سے خرید و فروخت اور ملازمت اور سارے معاملات کو ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ حرام کمانا ناجائز، خرچ کرنا ناجائز اور اپنے مال میں ملانا ناجائز۔ مگر دوسرے لوگ جو ان خلط کرنے والوں سے خرید و فروخت اور معاملات کریں وہ ناجائز نہیں۔ ملک کا سارا مالی نظام اسٹیٹ بنک چلاتا ہے، اسٹیٹ بنک میں انکم ٹیکس اور ہر قسم کی ڈیوٹی اور دیگر ٹیکس جمع ہوتے ہیں، وہی بنک کا اصل سرمایہ ہے، اسی کو ملک کی ضروریات میں خرچ کیا جاتا ہے، ترقیاتی منصوبوں اور دفاعی ضروریات اور کارخانوں کیلئے، دیگر ممالک سے قرض لیا جاتا ہے، قرض لینے کی صورت میں سود دیتے ہیں۔ لہذا اس قرض میں جو دیگر ممالک سے لیا ہے سود شامل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پی، ایل، ایس سے منافع اور غیر ملکی اداروں کو زکوۃ دینا

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب آپ سے دریافت کرنا ہے۔

(۱) بنکوں کے (PLS) نفع و نقصان کھاتوں کے منافع کی رقم جائز ہے یا نہیں؟ پہلے تو صرف PLS کھاتوں پر منافع دیتے تھے لیکن اب سیونگ کھاتے بھی PLS کھاتوں میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں، ان کھاتوں پر زکوۃ بھی کاٹی جاتی ہے۔

(۲) جزام کے مرض کا ایک ادارہ کراچی میں غیر ملکیوں کی زیر سرپرستی چل رہا ہے، جس کا نام MA-

RIEADELAIDA LEPROSY CENTRE ہے۔ کیا اس ادارے کو زکوۃ، صدقات، نیاز اور سود وغیرہ کی رقم دینا جائز ہے؟

سائل: عبد العزیز

الجواب:

(۱) پی، ایل، ایس اکاؤنٹ بھی سود سے پاک نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا منافع جائز نہیں ہے۔ حکومت جس طرح دیگر سودی کھاتوں سے زکوۃ کاٹتی ہے، اس طرح اس سے بھی کاٹ لیتی ہے۔
(۲) زکوۃ کی ادائیگی کیلئے شرط ہے کہ مسلمان (غیر سید) مستحقین کو مالک بنا کر زکوۃ دی جائے۔ رفاہی کاموں کے اداروں میں جہاں کوئی مالک نہیں ہوتا ہے، وہاں نہیں دی جاسکتی۔

سودی کاروبار کرنے والی کمپنیوں سے شراکت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل کے بارے میں کہ:
(۱) بنک کا کھاتہ PLS کا شرعی حکم کیا ہے؟ اسی طرح وہ کمپنیاں جو نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر کام کرتی ہیں جبکہ لینے والا بھی اسی بنیاد پر پیسہ لیتا ہے اور دینے والا بھی اسی بنیاد پر پیسہ دیتا ہے۔ مگر اس میں شراکت داروں کو پتہ نہیں ہوتا ہے کہ ان کا نفع و نقصان میں کتنا حصہ ہے؟ کیا یہ شراکت جائز ہے یا ناجائز؟
(۲) وہابیہ وغیرہ بد مذھب کے ساتھ تجارت میں شرکت اور مضاربت پر انھیں مال دینا صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ، جلد اول میں لکھا ہے کہ وہابیہ کا حکم، حربی کافر کا ہے تو کیا اس بناء پر، ان سے سودی کاروبار کیا جاسکتا ہے؟

سائل: محمد عبد الرشید احمد نوری

الجواب :

(۱) یہ اکاؤنٹ بھی سودی اکاؤنٹ ہے، وہ ادارے اور کمپنیاں جو نفع اور نقصان کے نام سے کام کرتی ہیں یہ سب سودی کاروبار ہے، جو ناجائز اور حرام ہے۔ یہاں تو صراحتاً سود ہے اس لئے کہ وہ شرکت کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں کہ اتنے فیصد نفع دیں گے یہی سود ہے۔ شرکت کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ نقصان تمام روپے والے کا ہوگا اور نفع میں دونوں طے شدہ حصے کے مطابق شریک ہوں گے۔

(۲) بد مذھبوں سے تعلقات رکھنا جائز نہیں، جب تجارت میں ان کے ساتھ شرکت کرے گا تو آنا جانا، سلام و کلام وغیرہ تعلقات بھی قائم کرے گا اور حدیث میں بد مذھبوں سے تعلقات قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لہذا ان کے ساتھ شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) مسلمان ہونے کا دعوی کرنے کے بعد توہین نبی کرنے والے اور دوسرے کفریات لکھنے والے ! مرتد ہیں۔ اور مرتد کا حکم شریعت میں یہ ہے کہ اس کے اپنے مال پر ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل احکام مرتد میں دیکھ لیجئے۔ جب وہ مالک ہی نہیں ہے تو اس سے مالی معاملات بھی جائز نہیں ہوں گے۔ حربی کے تمام احکام میں تشبیہ نہیں ہے۔

جی، پی فنڈ پر سود اور پنشن کی خرید و فروخت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں کہ :

(۱) حکومت پاکستان ہر ملازم سے جبری طور پر جی پی فنڈ کی کٹوتی کرتی ہے اور پھر سال کے بعد حساب کر کے سود دیتی ہے کیا اس کٹوتی کے ساتھ شاملہ رقم سود ہے یا نہیں ؟

(۲) حکومت پاکستان نے ۱۹۸۵ میں اعلان کیا تھا کہ جو ملازم جی پی فنڈ پر سود نہیں لینا چاہتا وہ درخواست لکھ کر بھیج دے، لہذا ہم نے درخواستیں دیں لیکن درخواستیں نامنظور کر دیں۔ کیا اب یہ سود لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) مجھے جی پی فنڈ کی اشد ضرورت پڑی، سارا جی پی فنڈ نکال لیا، اس میں سود ہے تو اس سود والی رقم کا کیا کروں؟ حالانکہ سود والی رقم اور بمعہ اصلی رقم پھر تیس مہینے میں حکومت دوبارہ جمع کرتی ہے۔ اب اگر یہ سود ہے تو میں اب نکالوں، پنشن کے وقت نکالوں یا جس طرح مجھے سہولت ہو؟

(۴) جب ملازم پنشن پر جاتا ہے تو کل پنشن کا چوتھائی حصہ حکومت جبری طور پر ملازم سے لے لیتی ہے۔ یعنی خرید کر حکومت اکھٹی کچھ رقم ملازم کو دے دیتی ہے تو یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) چوتھائی حصہ تو حکومت جبری طور پر لے لیتی ہے اور پنشن کا چوتھائی حصہ ملازم اپنی مرضی سے حکومت کو دیتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ پنشن کی خرید و فروخت جائز ہے یا ناجائز، آیا یہ سود ہے یا نہیں؟

مندرجہ بالا سوالات کا برائے مہربانی مدلل و مفصل جواب دے کر ہمارے دلوں کو منور فرمائیں۔

سائل: ماسٹر محمد زمان چشتی، ساؤتھ وزیرستان

الجواب:

(۱) حکومت نے اپنے ملازمین کیلئے قواعد مقرر کئے ہیں اور وہ شائع بھی کر دیئے جاتے ہیں، اور ہر ملازم وہ قواعد جان کر ملازمت کرتا ہے، ان میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ تنخواہ سے کتنا فنڈ کاٹا جائے گا۔ پھر گورنمنٹ اپنی طرف سے کتنا ملائے گی اور اس مجموعہ پر سود دیا جاتا ہے لہٰذا سوال میں یہ لکھنا غلط ہے کہ جی پی فنڈ جبری طور پر کاٹا جاتا ہے۔ اس فنڈ پر جو سود دیا جاتا ہے، وہ سود ہے اور حرام ہے۔

(۲) ملازم کو یہ اختیار ہے کہ وہ درخواست دے دے کہ میرے فنڈ پر سود نہ لگایا جائے تو پھر اسکے فنڈ پر سود نہیں لگایا جاتا۔ اگر درخواست دینے کے باوجود سود لگا دیا گیا، تب بھی اسکا لینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر لے لیا تو اسکا کسی کو بلا نیت ثواب دے دینا واجب ہے۔ اور زکوٰۃ کی طرح کسی غیر سید غیر مالک نصاب مسلمان کو مالک بنا کر دے دیا جائے۔

(۳) جی پی فنڈ سے جو قرضہ لیا ہے اگر اس سب کو واپس کر دیتا ہے تب تو اس میں شامل سود کو واپس لوٹانا ہوگا اور پھر جب ریٹائرڈ ہو تو یہ سب سود مذکورہ بالا طریقہ سے صدقہ کرنا ہوگا اور اگر ابھی سود نکال کر باقی رقم واپس کر سکتے ہیں تو ابھی اتنے سود کو مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق اپنے مال سے نکال دیا جائے گا۔

(۴) پنشن کو خریدنے اور بیچنے کا جو طریقہ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا ہے اور کچھ حصہ ملازم فروخت کرتا ہے یہ دونوں ناجائز ہیں۔ اس لئے کہ ملازم کو نہیں معلوم کہ وہ کتنے دن زندہ رہے گا اور پنشن وصول کرے گا تو اس پنشن کا آدھا اور چوتھائی حصہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا ہے، تو جس چیز کو فروخت کر رہا ہے، وہ مجہول ہے اور کوئی چیز ہے ہی نہیں، جسکو فروخت کر رہا ہے بلکہ ایک حق ہے جو زندہ رہنے کی صورت میں پنشن وصول کرنے کے لائق اس کو بناتا ہے اور حقوق کی بیع بھی ناجائز ہے۔

جی پی فنڈ پر لگنے والے سود کا حکم

الاستفتاء :

محترم مفتی صاحب!

پراویڈنٹ فنڈ پر سود حلال ہے یا حرام؟ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ ہر ادارے میں ہر ماہ ملازمین کی تنخواہ سے طے شدہ رقم کاٹی جاتی ہے اور ادارہ بھی اتنی ہی رقم اس میں جمع کرتا ہے پھر ان دونوں رقوم پر سود ادا کرتا ہے۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے یہ اضافہ حلال بتایا ہے۔ شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ سود کہاں سے آتا ہے؟

(۱) صورت حال یہ ہے کہ جب یہ رقم ادارہ تنخواہ سے کاٹ لیتا ہے تو پھر تمام ملازمین کی رقم ملا کر ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ یا خاص ڈیپازٹ میں رکھتا ہے، جس پر سود وصول ہوتا ہے پھر اس حاصل کردہ سود سے ملازمین کے فنڈ پر سود دیا جاتا ہے۔ یعنی ادارہ اپنی جیب سے نہیں دیتا بلکہ سود کی کمائی ہوئی رقم سے سود دیتا ہے، تو کیا یہ سود حلال ہے؟

(۲) اس سود کے بارے میں ملازمین کو اختیار دیا گیا ہے تو کیا کوئی ملازم اپنی مرضی سے پراویڈنٹ فنڈ کی رقم بڑھادے یعنی ۷% کے بجائے ۱۰ فیصد کر دے تو کیا اس زائد کٹوتی پر جو کہ اس نے اپنی مرضی سے بڑھادیا ہے سود لینا حلال ہے۔

سائل : محمد ابراھیم، کراچی

الجواب :

ملازمین کو وقت ملازمت شرائط ملازمت اور تنخواہ وغیرہ کے بارے میں بتلادیا جاتا ہے اور پراویڈنٹ فنڈ کاٹا

جاتا ہے اور گورنمنٹ کی طرف سے اس میں اتنا ہی شامل کر دینا وغیرہ تمام باتیں ہر ملازم جانتا ہے اور ملازم قبول کرتا ہے۔ تنخواہ سے جو حصہ کاٹا جاتا ہے، دفاتر میں ہر ملازم کے نام سے اس کا حساب علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ رقم ملازم کی ملکیت ہے، اگرچہ قبضہ نہیں ہوتا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے قبضہ اور ملک کا فرق نہیں سمجھا اور قبضہ نہ ہونے کو عدم ملک قرار دے کر احکام مرتب کر دیئے کہ یہ مال اس کمپنی کا ہے جس میں ملازمت کرتا ہے۔ ملازم اسکا مالک نہیں ہے اس لئے اس پر کمپنی جو سود کے نام سے رقم دیتی ہے وہ سود نہیں ہے۔ انہوں نے غلط بنیاد پر غلط عمارت قائم کر دی۔ ہدایہ میں ہے :

الاجرة لا تجب بالعقد وتستحق باحدی معانی ثلاثة اما بشرط التعجیل او بالتعجیل من غیر شرط او باستیفاء المعقود علیه وقال الشافعی تملک بنفس العقد

اس کے بعد صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :

واذا استوفی المنفعة یثبت الملک فی الاجرة لتحقق التسویة

(آخرین ، کتاب الاجارات ، باب الاجر متی یستحق ، صفحه: ۲۹۴، مکتبه شرکت علمیه ، ملتان)

یعنی اجرت عقد اجارہ کرنے سے واجب نہیں ہوتی ہے مگر اجیر کی ملکیت ہو جاتی ہے تین صورتوں میں کسی ایک صورت سے۔ یا تو ملازم نے یہ شرط کر لیا کہ اجرت پہلے دینا ہوگی۔ یا بغیر شرط کے مالک نے اجرت پہلے دے دی۔ یا جن عمل پر عقد ہوا ہے اس کو پورا کر لینے کے بعد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عقد اجارہ کرنے ہی سے اجرت پر ملازم کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ صاحب ہدایہ امام شافعی کو جواب دینے کیلئے فرماتے ہیں کہ جب ملازم سے مستاجر نے منفعت حاصل کر لی تو اجرت پر ملازم کی ملکیت ثابت ہو گئی اس لئے کہ برابری ثابت ہو گئی۔ مالک نے منفعت حاصل کر لی اور ملازم اپنی اجرت کا مالک ہو گیا۔

لہٰذا جو رقم ملازم کی کاٹی گئی، وہ اسکی ملکیت ہے اس پر جو سود دیا جاتا ہے، وہ سود ہے اور وہ حرام ہے۔ ملازم جب لکھ کر دیتا ہے کہ میرے فنڈ پر سود نہ لگایا جائے تو نہیں لگایا جاتا۔ لہٰذا ہر ملازم کو یہ کرنا چاہیئے کہ اپنے محکمہ کو لکھ دے کہ میرے حساب میں سود شامل نہ کیا جائے اور پہلے جو سود شامل کیا گیا ہے اگر محکمہ واپس لے لیتا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسکو لے کر کسی غریب، مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دے دے اور ثواب کی نیت نہ کرے۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زکوٰۃ سے متعلق چند مسائل دریافت کرنے ہیں کہ کمپنی میں میری ایک کثیر رقم پراویڈنٹ فنڈ جمع ہے جو ہر سال بڑھتی جا رہی ہے۔ میں نے اس پر ماضی میں کبھی زکوٰۃ نہیں دی اب دینا چاہتا ہوں۔ پراویڈنٹ فنڈ کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

(۱) کیا اس پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ ہے ؟ اگر ہے تو پچھلے سالوں کی زکوٰۃ کا کیا معاملہ ہوگا ؟

(۲) ایک مکان HBFC سے قرض لیکر بنایا ہے، یہ مکان میری بیوی کے نام ہے۔ صرف بیوی کا نام ہے در حقیقت مالک میں ہوں۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی میں کرتا ہوں۔ کیا پراویڈنٹ فنڈ رقم میں سے HBFC کا قرض جو کئی ہزار ہے، منہا کر کے بقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۳) اگر پراویڈنٹ فنڈ کی رقم میں سے رقم پر زکوٰۃ نہ دی جائے تو کیا میری موت کے بعد پراویڈنٹ فنڈ کی جو رقم میرے ورثاء کو ملے گی، اس پر ان تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟ ملازمت کو چھوڑ دوں تو اس رقم پر تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟ وضاحت سے جواب دیں۔

سائل : عطاء اللہ خان، کراچی

الجواب :

پراویڈنٹ فنڈ کا مالک تو ملازم ہے، جس کی تنخواہ سے یہ فنڈ کاٹا گیا ہے، مگر اس کا قبضہ نہیں ہے۔ لہٰذا قبضہ سے پہلے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لیکن اسکی زندگی میں جب وہ روپیہ اسے ملے گا تو پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اسکا حساب رکھتا ہوگا جو ہر سال ملازمین کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا جس سال میں جتنا روپیہ تھا اتنے روپیہ کی زکوٰۃ دے گا۔ ایسا قرضہ جو وقت معین پر ادا کیا جائے جیسے ہاؤس بلڈنگ کا قرضہ، ایسے قرضہ کو مال زکوٰۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

کے ڈی اے ملازمین کا پراویڈنٹ فنڈ

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

خاکسار تقریباً ۹ سال سے کے ڈی اے کا ملازم ہے۔ کے ڈی اے کے پراویڈنٹ فنڈ کے قواعد کے مطابق ہر ماہ تنخواہ کا دس فیصد ہر ملازم کو پرویڈنٹ فنڈ میں لازمی جمع کرنا پڑتا ہے۔ اور اتنا ہی کے ڈی اے خود اپنی طرف سے ہر ملازم کے فنڈ کے کھاتے میں جمع کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دونوں رقوم پر کے ڈی اے ہر سال کے آخر میں دس یا گیارہ فیصد کے حساب سے سود ہر ملازم کے کھاتے میں جمع کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص چاہے تو سود اپنے کھاتے میں جمع کرنے سے منع کر سکتا ہے، اس سے کے ڈی اے کو کوئی انکار نہیں۔

اب آپ سے گذارش ہے کہ ازراہ کرم شرعی قوانین کی روشنی میں یہ بتائیں کہ یہ رقم جو سود کے نام سے کے ڈی اے اپنے ملازمین کو دیتا ہے سود ہے یا نہیں؟ کے ڈی اے کے ملازمین اس پرویڈنٹ فنڈ کی رقم کو چاہے تو بینک میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ NIT UNITS خرید سکتا ہے اور چاہے تو اس کی آمدنی سے فلیٹ وغیرہ تعمیرات کروا کر فروخت کرنے جیسے ذرائع میں استعمال کر سکتا ہے؟ وضاحت فرمائیں کہ یہ سود جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمد کاشف انصاری، لانڈھی، کراچی

الجواب:

اجارہ میں ملازم ومزدور اجرت کا مالک ہو جاتا ہے، جب عمل کر لیتا ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا:

الاجرة لا تجب بالعقد وتستحق باحدی معانی ثلثة اما بشرط التعجیل او بالتعجیل من غیر شرط او باستیفاء المعقود علیه

اجرت عقد سے واجب نہیں ہوتی ہے اور تین وجہوں میں سے کسی ایک وجہ سے واجب ہو جاتی

ہے۔یا تو عاقدین نے شرط کرلیا کہ اجرت پہلے دیدی جائے گی یا پہلے دیدی جائے گی بغیر شرط کے یاان منافع کو جن پر عقد ہوا تھا حاصل کرلیا جائے۔

اس متن کے تحت صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

واذا استوفی المنفعة یثبت الملک فی الاجرة

(آخرین، کتاب الاجارات، باب الأجر متی یستحق، صفحه: ۲۹۴، مکتبه شرکت علمیه، ملتان)

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جب منفعت حاصل کرلی تو اجرت پر ملک ثابت ہو جائے گا۔

یہی مضمون در مختار، عالمگیری، تبیین الحقائق وغیرہ فتاوٰی جات میں بھی ہے۔

ہمارے یہاں ملازمت کی شرائط میں یہ بھی بیان کردیا جاتا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ اتنا کاٹا جائے گا، اسی اعتبار سے ملازمین کا فنڈ کاٹا جاتا ہے اور اس کا حساب علیحدہ رکھا جاتا ہے۔جس کی اطلاع تفصیل سے ملازم کو دی جاتی ہے۔ تو اس فنڈ پر ملکیت تو مزدور و ملازم کی ہے، صرف قبضہ نہیں ہے، اس کی حیثیت قرض کی ہے جو مزدور کا کمپنی کے ذمہ ہے۔ فتح القدیر میں ہے :

وان کانت دیناً تملک بنفس العقد وتکون بمنزلة الدین المؤجل

(ص ۱۵۳، فتح القدیر)

اور عنایہ میں ایک قول یہ بھی ہے :

یعنی اجرت اگر ایسی چیز ہو جو واجب فی الذمہ ہوتی ہے تو نفس عقد سے بھی اس کی ملکیت ہو جاتی ہے۔اور وہ ادھار قرض کی طرح ہو جاتا ہے۔

لہٰذا یہ بات طے ہے کہ ملازم کا جو فنڈ کاٹا جاتا ہے وہ ملازم کی ملکیت ہے، قبضہ نہیں ہے۔اب کمپنی اس پر سود دیتی ہے اور اسکا حساب بھی باضابطہ ملازم کو بتاتی ہے کہ تمھارا اتنا فنڈ ہے اور اس پر اتنا سود لگایا گیاہے۔اگر کوئی ملازم لکھ کر دیتاہے کہ میرے فنڈ میں سود نہ لگایا جائے، تو اسکے فنڈ میں سود نہیں لگایا جاتاہے۔

بیسی کی رقم میں کمی وزیادتی کا حکم

الاستفتاء :

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

۵۰ آدمیوں نے ملکر ۱۵۰۰ روپے ماہانہ فی کس کے حساب سے بیسی ڈالنے کا معاہدہ کیا۔ اس بیسی کا زید کو سربراہ اور نگران بنادیا جاتا ہے وہ طے کرتا ہے کہ پہلی بیسی جو مبلغ پچھتر ہزار روپے بنتی ہے خود لے گا۔ جس پر عمل بھی شروع ہو جاتا ہے اور جب دوسرے ماہ بیسی ہوتی ہے تو اس بیسی کو نیلام کرنے کیلئے بولی طلب کی جاتی ہے۔ چنانچہ باقاعدہ بولی لگتی ہے کوئی پچاس ہزار بولی لگاتا ہے اور کوئی چالیس ہزار روپے اور اسی طرح کم کرتے جاتے ہیں حتی کہ شرکاء میں سے ہی کوئی خرید لیتا ہے۔ مذکورہ بیسی مبلغ تیس ہزار روپے میں خریدی گئی اور بقیہ پینتالیس ہزار روپے کو تمام شرکاء میں منافع سمجھ کر تقسیم کرلیا جاتا ہے۔ اسی طرح تیسرے ماہ بھی اور چوتھے ماہ بھی اور آخر میں آخری آدمی کو پوری بیسی یعنی مبلغ پچھتر ہزار روپے دیتے ہیں۔ جبکہ یہ اور پہلا ممبر شروع سے لے کر آخر تک منافع مذکور بھی لیتے رہے ہیں اس طرح پہلے اور آخری دونوں ممبروں کو مقررہ رقم ۷۵۰۰۰ روپے مل جاتے ہیں اور درمیانی ممبروں کو پوری رقم ۷۵۰۰۰ روپے نہیں ملتے۔ اول وآخر دونوں کو خوب فائدہ پہنچتا ہے اور درمیانی ممبروں کو نقصان رہتا ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً ایسی بیسی جائز ہے یا ناجائز؟ اگر یہ ناجائز ہے تو کیوں؟ اور ایسی بیسی میں کوئی امام یا مؤذن ممبر ہوں تو کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور مؤذن کی اذان واقامت درست ہوگی یا نہیں اور انکو اس منصب پر فائز رکھنا چاہیئے یا نہیں اور اگر کوئی ایسے شخص کی حمایت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :

روپیہ سونا چاندی کی بیع جب اپنے ہم جنس سے ہو تو نقد دینا اور برابر رکھنا شرط ہے۔ کمی یا زیادتی ہو یا ادھار ہو تو حرام ہے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابو الحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

الصرف هو البيع اذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الاثمان فان باع فضة بفضة اور ذهبا بذهب لايجوز الا مثلاً بمثل وان اختلف في الجودة و الصياغة ولا بد من قبض العوضتين قبل الافتراق

(آخرين ، كتاب الصرف ابتداء، صفحه: ۱۰۴، مكتبه شركت علميه ، ملتان)

لہٰذا صورت مسئولہ میں پچھتر ہزار کی بیسی کو کم یا زیادہ میں بیچنا حرام ہے اور بیسی ڈالنے والوں کا بھی اپنا دیا ہوا روپیہ پورا واپس نہ ملنا بھی ناجائز ہے۔ اس لئے کہ بیسی کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہر مہینے تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کر کے سب کو قرعہ اندازی کر کے پوری رقم ایک ساتھ مل جائے جو امام و مؤذن اس حرام کاروبار میں شریک ہوتا ہے، اسکی امامت اور اذان دینا ناجائز ہے۔ اور ناجائز کام میں حمایت کرنے والا بھی اتنا ہی گناہگار ہے جتنا کہ حرام کام کرنے والا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

و تعاونوا على البروالتقوى ولاتعاونوا على الاثم والعدوان

(سورۃ(۵)المائدۃ،آیت : ۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔

انشورنس کمپنی سے ملنے والے کمیشن کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) ایک کمپنی نے باہر سے مال درآمد کیا اور حکومت کے قانون کے مطابق، اس مال کا انشورنس کروایا گیا۔ انشورنس کی جو رقم دی گئی، اس میں سے انشورنس والوں نے اس کمپنی کے اسٹاف کو کمیشن دیا۔ کیا یہ کمیشن لینا جائز ہے ؟

(۲) اگر یہ کمیشن ناجائز ہے تو چونکہ یہ کمیشن پورے اسٹاف میں تقسیم ہوتا ہے اور نہ لینے کی صورت میں اسٹاف تنقید کرے گا۔ اور اگر لے لیا جائے تو اس کو کس جگہ خرچ کیا جاسکتا ہے ؟ اور اگر نہیں

لیتے ہیں تو اس صورت میں ہمارے حصہ کی رقم بھی پورا اسٹاف تقسیم کرلے گا۔

سائل: اسٹیل کو، رفیق منزل، لارنس روڈ، کراچی

الجواب:

کوئی شخص یا کمپنی جب کمیشن، ملازمین میں تقسیم کرتی ہے تو اس کا کوئی مفاد ہوتا ہے۔ بغیر مفاد کے آج کوئی اپنا روپیہ لوگوں میں تقسیم نہیں کرتا، انشورنس کمپنی کا ایک مفاد تو یہ ہے کہ جتنے زیادہ لوگ یا کمپنیاں بیمہ کرائیں گی وہ پرئمیم ادا کریں گی تو اس لئے وہ ملازمین میں کمیشن تقسیم کرتی ہیں تاکہ یہ ملازمین اپنی کمپنی کے زیادہ سے زیادہ بیمہ ان سے کرائیں۔ اس میں اگر کمپنی کو نقصان نہیں ہے اور مالکوں کو معلوم ہے کہ میرے اسٹاف کو کمیشن دیا جاتا ہے تو اسٹاف کیلئے اس اعتبار سے کمیشن لینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کمپنی کو نقصان پہنچا کر بیمہ کراتے ہیں۔ دوسری بیمہ کمپنیاں کم قیمت پر بیمہ کرتی ہیں اس لئے کمپنی ان کو کمیشن دیتی ہے تو یہ اپنی کمپنی کا نقصان کرتے ہیں تو اس صورت میں یہ کمیشن لینا جائز نہیں ہے۔ یہ تو کمیشن کا حکم ہے۔ مگر بیمہ ناجائز ہے۔ اور بیمہ کمپنیوں کا کام کرنا بھی ناجائز ہے۔ ان کی آمدنی صرف اس ناجائز کام کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اس بناء پر ان سے کمیشن لینا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حرام مال سے کسی طرح کی منفعت اٹھانا جائز نہیں۔

سیونگ سرٹیفکیٹ کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

سول ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ وغیرہ کا مقصد ملک کو چلانا اور بڑی لگانا ہے۔ سیونگ سرٹیفکیٹس میں پیسہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اسکی کیا وجہ ہے؟ قرآن وحدیث سے جواب دیں۔

الجواب:

اس اسکیم میں روپیہ لگانا حرام ہے، کیونکہ یہ بھی سود کی قسم ہے۔ قرآن کریم میں سود کو مطلقاً حرام

فرمایا گیا ہے، اسکی تمام 9 حرام ہو گئیں کسی شخص کو اس میں کسی قسم کا استثناء کرنے کا حق نہیں ہے اور سود کی حرمت خنزیر و شراب وغیرہ کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کی حرمت بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا:

یآ اَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰو اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہ

(سورۃ (۲) البقرۃ، آیات: ۷۹، ۲۷۸)

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود، اگر مسلمان ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔

(کنزالایمان)

لہٰذا ایسے حرام کو حلال بنانے کی کوشش کرنا سخت گمراہی ہے۔

ہاؤس بلڈنگ کا قرض اور واپسی کا طریقہ

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہاؤس فنانس کارپوریشن مکان خریدنے کیلئے قرضہ دیتی ہے، جس کی شکل کچھ یوں ہوتی ہے۔ مثلاً خریدار کو ایک لاکھ روپیہ دے گی اور خریدار وہ مکان پہلے اپنے نام رجسٹری کروائے گا پھر میں بینک والے بینک کے نام رجسٹری کروا لیتے ہیں۔ اور خریدار سے بطور کرایہ اور مع کل قرضہ والی رقم کا ایک مدت معینہ تک قسط مقرر کر دی جاتی ہے۔ مثلاً مکان کا کرایہ بینک والوں نے طے کیا کہ تین سو روپیہ ماہوار دینا ہوگا۔ اور اسی طرح وہ قسط ایک لاکھ روپیہ کی مع تین سو روپیہ ماہوار ۲۰ سال تک کیلئے مقرر کی جاتی ہے۔ یعنی یہ تین سو روپیہ ماہوار بینک کو جو مزید دیا جاتا ہے، یہ سود ہے یا نہیں؟ بینک والے کہتے ہیں کہ "یہ ہمارے خرچ اخراجات کا منافع ہے"۔ اسکے جواز کی کیا صورت ہے؟

نوٹ :

بعض لوگ کہتے ہیں سود بوقت ضرورت جائز ہے؟ جیسا کہ عام طور پر محاورہ ہے کہ شراب بیماری کیلئے جائز ہے؟

سائل : سید عبد الواحد، متعلم دار العلوم امجدیہ

الجواب :

کارپوریشن نے جس شخص کو روپیہ قرض دیا اور اس نے اس روپیہ سے مکان خرید کر قبضہ کر لیا تو یہ اس کا مالکانہ قبضہ ہے۔ اب بینک دوبارہ اس سے وہی مکان خرید کر رجسٹری کرائے گا، تو یہ مالک مکان اور بینک کے درمیان دوسری بیع ہے۔ اس کی قیمت بینک کو دینا ہے۔ مگر قیمت دینے کی جگہ پہلے دیئے ہوئے قرضے کو قیمت قرار دے کر بیع کرتا ہے تو یہ بیع تو ہو گئی لیکن مکان میں رہنے والے کا جو پہلے سے قبضہ تھا وہ اپنے مکان پر مالکانہ قبضہ تھا۔ مالک سے اس کی ملک کا کرایہ وصول کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور بینک جب تک خود اپنے قبضے میں نہ لے لے اس کا کرایہ پر دے دینا قرضہ نہیں کہلاتا ہے۔ شامی میں ہے :

لا لو اودعه او عاره او اجره من البائع

(ج ۴، ص ۵۵)

یعنی اگر خریدار نے مکان بیچنے والے کے پاس امانت رکھ دیا یا عاریت دے دیا یا کرایہ پر دے دیا تو یہ خریدار کا قبضہ نہیں کہلائے گا۔

لہٰذا بینک کا قسط وار وصول کرنا اپنے قرض کو وصول کرنا ہے۔ اور یہ کرایہ وصول کرنا ناحق طریقہ پر مالک سے اس کی ملکیت کا کرایہ لینا ہے۔ یہ اس قرض ہی کی وجہ سے وصول کیا جا رہا ہے۔ فقہی اصول ہے :

كُلُّ دَيْنٍ جَرَّ بِهٖ نَفْعًا فَهُوَ رِبٰوا

جس قرض کی وجہ سے کوئی نفع اٹھایا جائے گا، وہ سود ہے۔

لہٰذا یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے، ناجائز ہے۔ ہاں ایک صورت جواز کی ہو سکتی ہے کہ کارپوریشن مکان کو پہلے ہی خود بیچنے والے سے خرید کر قبضہ کرے اور اس شخص کو کرایہ پر دے دے اور اس

سے اس طرح معاہدہ کرے کہ یہ مکان ایک لاکھ روپے میں فروخت کیا جاتا ہے مگر یہ بیع اس وقت کی جائے گی جب ایک لاکھ روپیہ ادا کر دیا جائے گا یہ قسط وار دیتا رہے۔ اور مکان کا کرایہ بھی دیتا رہے۔ جب ایک روپے لاکھ روپے کی رقم ادا کر دے اس وقت بینک اس کے نام رجسٹری کروادے۔

(۲) سود دینے کی اجازت بھی مجبوری کی صورت میں ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہے اور بغیر سود کہیں سے روپیہ نہیں مل سکتا ہے۔ جس کو خرچ کر کے مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرے تو یہ سود پر روپیہ لے کر مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرے گا۔ آج کل جن کاموں کیلئے بینک سے سود کا روپیہ لیا جاتا ہے مثلاً اپنی پونجی سے زیادہ رقم سے کاروبار کرنے کیلئے یا اپنی استطاعت سے بڑھ کر مکان بنانے کیلئے یہ شرعی اعذار نہیں ہیں۔ بلکہ طلب دنیا اور طلب آسائش کی نفسانی خواہش کی تکمیل کرنا ہے۔ لہٰذا اس طرح سود پر روپیہ لینا حرام ہے۔

تاج کمپنی سے ملنے والے منافع اور اس کی مطبوعات کا حکم

الاستفتاء:

جناب عالی! مسئلہ یہ ہے کہ:

تاج کمپنی لوگوں سے قرآن پاک کی چھپائی وغیرہ کے کاروبار کیلئے رقوم لیتی ہے، حاصل کردہ رقوم پر سالانہ ۱۸ فیصد منافع دیتی ہے۔ کیا یہ سود ہے؟ اگر یہ سود ہے تو کیا اس کمپنی کے شائع کردہ قرآن پاک اور دیگر کتب وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟

سائل: احترام الدین، سی پی برار سوسائٹی، کراچی

الجواب:

تاج کمپنی جن شرائط پر روپیہ لیتی ہے، یہ سودی کاروبار ہے اور حرام ہے۔ مگر اس کی چھپی ہوئی کتب اور قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔

انعامی بانڈ کو زیادتی کے ساتھ بیچنا یا خریدنا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

دس روپے کا بانڈ گیارہ یا بارہ روپے میں خریدنا کیسا ہے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ چونکہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد بر حق الشاہ امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے دس روپے کے نوٹ کو گیارہ میں یا اس سے زیادہ میں بیچنے اور خریدنے کی اجازت از روئے شرع عطا فرمائی ہے۔ جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا و توجروا

سائل: محمد معین الدین القادری الرضوی، فیصل آباد

الجواب:

کوئی بھی انعامی بانڈ یعنی پچاس کا ہو یا پانچ سو کا، زائد از قیمت دے کر خریدنا یا بیچنا قانوناً جرم ہے، چنانچہ یہ شرعاً بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ گرفتار ہونے کی صورت میں جھوٹ بولے گا یا رشوت دے گا یا ہتکِ عزت ہوگی۔ یہ سب باتیں شرعاً ناجائز ہیں۔ اگر یہ خرابی نہ ہو تو جس طرح نوٹ کم یا زیادہ میں بیچا جا سکتا ہے اسی طرح بانڈ بھی کم یا زیادہ میں خریدا اور بیچا جا سکتا ہے۔

لاٹری کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

ا، ب، ج ایک تنظیم ہے، جو اپنے ممبران سے [illegible] اور سہ ماہی پانچ روپے کے حساب سے وصول کرتی ہے، جو ناقابل واپسی ہیں۔ وہی فیس اگر ممبر چاہے تو جمع کرواتے وقت یا بعد میں چندہ کی مد میں شامل کروا سکتا ہے اور اس جمع شدہ رقم میں قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک ممبر کو ہر ایک مہینے اور تین مہینے بعد ایک

عمرے کا ٹکٹ (یا کوئی اور انعام مثلاً نقد رقم) دیتی ہے اور بقایا جمع شدہ رقم اپنی تنظیمی سرگرمیوں میں استعمال کرتی ہے یہ سب کام ممبران کی اجازت سے ہوتا ہے۔

زید! کہتا ہے کہ ''قرعہ اندازی کے بعد جو قابل واپسی رقم ہے وہ تنظیم کے پاس امانت ہو گی جو ممبر کی اجازت سے چندے کی مد میں شامل ہو جائے گی جسے تنظیمی سرگرمیوں میں استعمال کیا جائے گا''۔

بکر! کہتا ہے کہ ''قرعہ اندازی کے بعد جو قابل واپسی رقم ہے وہ بطور امانت رہے گی۔ اور ممبر کی پیشگی اجازت کے باوجود کسی صورت میں چندہ میں شامل نہیں کی جاسکتی۔ یہ ہر صورت میں ممبر کو لوٹانا ہو گی''۔

عمر! کہتا ہے کہ ''اگر ممبر شپ جمع کرواتے وقت تمام ممبران اس کو چندہ کی مد میں شامل کروادیں ،یعنی ایک روپیہ بھی قابل واپسی نہ رہے تو یہ صورت ناجائز ہو گی''۔

ولید! کہتا ہے کہ ''ممبران سے ماہانہ، سہ ماہی فیس تمام ناقابل واپسی ہو گی لیکن اس جمع شدہ ممبر شپ فیس کے ساتھ اس تنظیم کے دیگر ذرائع سے حاصل شدہ فنڈ کو بھی شامل کر کے اس رقم سے قرعہ اندازی کا انعام دیا جائے تو یہ صورت جائز ہو گی''۔

زید، بکر، عمر اور ولید میں سے کس کی بات شریعت کے مطابق ہے جبکہ عمرے کا ٹکٹ (یا کوئی اور انعام) ضروری نہیں کہ ہر ماہ یا ہر تیسرے ماہ دیا جائے لیکن جس ماہ / سہ ماہی کی قرعہ اندازی کی جائے گی اس ماہ / سہ ماہی کی فیس ممبر کیلئے اسی ماہ / سہ ماہی کے دوران جمع کروادینی لازمی ہو گی۔

(۳) آجکل ملکی سطح پر ''فلپس بلب فیکٹری'' اپنے ہر بلب کی خریداری کے ساتھ ایک کوپن جاری کرتی ہے، جسے خریدار چاہے تو پُر کر کے جمع کروادے اور ان جمع شدہ کوپن پر قرعہ اندازی کے ذریعہ انعام دیا جاتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

اسی طرح ا،ب،ج تنظیم اپنے ماہانہ، سہ ماہی رسالہ کی خریداری کے ساتھ کوپن جاری کر کے اور اس کو جمع کروانے پر ان کی جمع شدہ کوپن میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک عمرے کا ٹکٹ (یا کوئی انعام) دے تو کیا جائز ہے؟

الجواب:

ایسی کوئی لاٹری جائز نہیں جس میں قرعہ اندازی کرنے سے اگر کسی ممبر کا نام نہ نکلے تو اس کا اپنا روپیہ ختم ہو جائے گا اور جس کا نام نکلا وہ دوسروں کا روپیہ حاصل کرلے، یہ "جوا" ہے۔ اس قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو عمرے کیلئے بھیجا جائے یا نقد روپیہ اسے دیا جائے۔ فلپس نے جس طرح کی قرعہ اندازی بلب خریدنے والوں کیلئے رکھی ہے اس میں انعام کمپنی اپنی طرف سے دیتی ہے۔ خریدار نے بلب خریدنے کیلئے روپیہ دیا تھا قرعہ اندازی میں روپیہ نہیں دیا تھا، لہٰذا یہ جائز ہے۔ قرعہ اندازی کے بعد باقی روپیہ کس کام میں خرچ کیا جائے گا یہ جن سے لیا گیا ہے، ان کی اجازت پر موقوف ہے۔ لہٰذا چندہ لینے سے پہلے یہ طے کرلیا جائے کہ تمام ممبر جس کام میں خرچ کرنے کیلئے کہیں گے اس میں خرچ کیا جائے گا یا رسید پر لکھ دیں کہ کس کام کیلئے چندہ جمع کیا جارہا ہے۔

پی، ایل، ایس سے منافع اور غیر ملکی اداروں کو زکوٰۃ دینا

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب آپ سے دریافت کرنا ہے۔

(۱) بینکوں کے (PLS) نفع و نقصان کھاتوں کے منافع کی رقم جائز ہے یا نہیں؟ پہلے تو صرف PLS کھاتوں پر منافع دیتے تھے لیکن اب سیونگ کھاتے بھی PLS کھاتوں میں تبدیل کردیئے گئے ہیں، ان کھاتوں پر زکوٰۃ بھی کاٹی جاتی ہے۔

(۲) جزام کے مرض کا ایک ادارہ کراچی میں غیر ملکیوں کی زیر سرپرستی چل رہا ہے، جس کا نام MARIEADELAIDA LEPROSY CENTRE ہے۔ کیا اس ادارے کو زکوٰۃ، صدقات، نیاز اور سود وغیرہ کی رقم دینا جائز ہے؟

سائل: عبدالعزیز

الجواب:

(۱) پی ایل ایس اکاؤنٹ بھی سود سے پاک نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا منافع جائز نہیں ہے۔ حکومت جس طرح دیگر سودی کھاتوں سے زکوٰۃ کاٹتی ہے، اس طرح اس سے بھی کاٹ لیتی ہے۔

(۲) زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے شرط ہے کہ مسلمان (غیر سید) مستحقین کو مالک بنا کر زکوٰۃ دی جائے۔ رفاہی کاموں کے اداروں میں جہاں کوئی مالک نہیں ہوتا ہے، وہاں نہیں دی جا سکتی۔

سودی کاروبار کرنے والی کمپنیوں سے شراکت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) بنک کا کھاتہ PLS کا شرعی حکم کیا ہے؟ اسی طرح وہ کمپنیاں جو نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر کام کرتی ہیں جبکہ لینے والا بھی اسی بنیاد پر پیسہ لیتا ہے اور دینے والا بھی اسی بنیاد پر پیسہ دیتا ہے۔ مگر اس میں شراکت داروں کو پتہ نہیں ہوتا ہے کہ ان کا نفع و نقصان میں کتنا حصہ ہے؟ کیا یہ شراکت جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) وہابیہ وغیرہ بد مذہب کے ساتھ تجارت میں شرکت اور مضاربت پر انھیں مال دینا صحیح ہے یا نہیں؟

(۳) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ، جلد اول میں لکھا ہے کہ وہابیہ کا حکم، حربی کافر کا ہے تو کیا اس بناء پر، ان سے سودی کاروبار کیا جا سکتا ہے؟

سائل: محمد عبد الرشید احمد نوری

الجواب:

(۱) یہ اکاؤنٹ بھی سودی اکاؤنٹ ہے، وہ ادارے اور کمپنیاں جو نفع اور نقصان کے نام سے کام کرتی

ہیں یہ سب سودی کاروبار ہے، جو ناجائز اور حرام ہے۔ یہاں تو صراحتاً سود ہے اس لئے کہ وہ شرکت کا طریقہ بھی بتلاتے ہیں کہ اتنے فیصد نفع دیں گے یہی سود ہے۔ شرکت کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ نقصان تمام روپے والے کا ہوگا اور نفع میں دونوں طے شدہ حصے کے مطابق شریک ہوں گے۔

(۲) بد مذھبوں سے تعلقات رکھنا جائز نہیں، جب تجارت میں ان کے ساتھ شرکت کرے گا تو آنا جانا، سلام و کلام وغیرہ تعلقات بھی قائم کرے گا اور حدیث میں بد مذھبوں سے تعلقات قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۳) مسلمان ہونے کا دعوی کرنے کے بعد توہین نبی کرنے والے اور دوسرے کفریات لکھنے والے ! مرتد ہیں۔ اور مرتد کا حکم شریعت میں یہ ہے کہ اس کے اپنے مال پر ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل احکام مرتد میں دیکھ لیجئے۔ جب وہ مالک ہی نہیں ہے تو اس سے مالی معاملات بھی جائز نہیں ہوں گے۔ حربی کے تمام احکام میں تشبیہ نہیں ہے۔

رشوت کا بیان

رشوت کی تعریف

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) رشوت کی تعریف کیا ہے؟

(۲) اگر کسی جائز کام میں رکاوٹ ہو اور رشوت دے کر وہ کام کروایا جائے تو کیا اس صورت میں بھی مسلمان گناہ گار ہوگا؟

(۳) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مجبوراً رشوت دیتے ہیں تو مجبوری کی تعریف کیا ہے اور کن صورتوں میں رشوت دینے والا گناہ گار نہ ہوگا؟

(۴) ہمارے ملک میں اسلامی قانون نافذ نہیں اور نہ ہماری کوئی اسلامی حکومت رہی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں حکومت جو قوانین مرتب کرتی ہے، جن کا تعلق انکم ٹیکس اور ایکسائز ڈیوٹی وغیرہ سے ہے، ان قوانین کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

(۵) زید اور بکر ایک پلاسٹک کی فیکٹری چلاتے ہیں، جس پر ساڑھے بارہ فیصد سیلز ٹیکس حکومت نے لگایا ہے، اس طرح ایک لاکھ روپیہ صرف سیلز ٹیکس کا بنتا ہے۔ زید اور بکر سیلز ٹیکس کی پوری رقم ادا نہیں کرتے کیونکہ ایسا کرنے سے فیکٹری منافع کے بجائے نقصان کرے گی۔ لہٰذا وہ ایک لاکھ کے بجائے ۳۵۰۰ روپے سیلز ٹیکس حکومت کو ادا کرتے ہیں باقی رقم کو بچانے کیلئے (یا باقی مال کو بغیر سیلز ٹیکس دیئے فیکٹری کی حدود سے نکالنے کیلئے) حکومت کی ۶ سے ۷ ایجنسیوں کو ۱۰ سے ۱۲ ہزار رشوت کے طور پر (یا ان کی اجرت کے طور پر) دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں جو کل آمدنی ہوگی اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ ایسی آمدنی کا تصرف نیز اسکو کسی دوسرے کاروبار میں لگانا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا

سائل: محمد جاوید قادری

الجواب:

(۱) رشوت کے معنی اپنے مفاد کیلئے یا کسی کی حق تلفی کیلئے رقم دے کر وہ کام کرنا ہے۔ کتاب التعریفات، باب الراء میں رشوت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

الرشوة ما یعطی لابطال حق اولاحقاق باطل

یعنی رشوت وہ رقم ہے جو اپنے ناجائز فائدے یا دوسرے کا حق مارنے کیلئے دی جائے۔

(۲) ایک اور صورت یہ ہے کہ کسی کا حق مارا جارہا ہے اور ظلم ہورہا ہے رشوت کے بغیر حق ملنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو رشوت دینا جائز ہے۔ یہ یہ رشوت نہیں ہے، بلکہ ظالم سے بچنے کیلئے پیسہ خرچ کرنا ہے۔

(۳) مگر آج کل فیکٹری چلانے والے ناجائز کام کرانے کیلئے اور ڈیوٹی بچانے کیلئے ایکسائز والوں کو روپیہ دیتے ہیں۔ یعنی ناجائز طریقہ پر مفاد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اس کے جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ معاملات کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مال بھی حرام ہے اور عقد کرنے والا گناہگار بھی ہے۔

دوسری صورت یہ کہ مال حلال ہے لیکن عقد کرنے والا گناہگار ہے۔ پہلی صورت کی مثال کوئی شخص چوری کا مال فروخت کرتا ہے یا کوئی ایسی چیز بیچی جو مسلمان کے حق میں مال نہیں ہے جیسے خنزیر اور شراب کی بیع وغیرہ۔ اس میں جو قیمت لی، وہ حرام ہے۔ اور اس قیمت کا لوٹانا بھی فرض ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نے اپنے مال کو فروخت کیا۔ بیع شریعت کے مطابق صحیح کی۔ چوری کی اور

نہ وزن وناپ میں کمی کی۔ مگر قانون کے خلاف تھی۔ مثلاً مسلمان کو اختیار ہے کہ وہ اپنا مال جہاں چاہے فروخت کرے مگر قانوناً یہ منع ہے کہ وہ اپنا مال ملک سے باہر لے جاکر فروخت کرے یا باہر سے لاکر اپنے ملک میں فروخت کرے۔ ایسا کرنے والا گناہ گار ہے۔ اس لئے کہ اس کا یہ عمل اسمگلنگ میں آتا ہے اور اسمگلر اگر پکڑا جائے تو جھوٹ بولے گا۔ اگر جھوٹ سے کام نہ چلا تو رشوت دے گا اور اگر رشوت سے کام نہ بنا تو جیل جائے گا اور بے عزت ہوگا۔ لہٰذا مسلمان ایسا بھی نہ کرے، جس سے بے عزتی ہوتی ہو۔ اور جھوٹ ور شوت وغیرہ کی نوبت آئے۔ ایسا کرنے سے گناہگار تو ہوگا مگر مال حرام نہیں ہوگا۔

یہی صورت سوال میں مذکور ہے یعنی فیکٹری والا اپنا مال بیع صحیح کر کے فروخت کرتا ہے مگر رشوت دیتا ہے۔ لہٰذا یہ رشوت دینے والا گناہ گار ہے۔ مگر مال کے بدلے مال حاصل کیا ہے لہٰذا مال جائز ہے، یہ صحیح ہے کہ شرعی قوانین یہاں نافذ نہیں اور ٹیکس کے معاملے میں ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں جن میں رشوت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انکم ٹیکس، ایکسائز ٹیکس اور سیلز ٹیکس اتنی مقدار میں رکھا جاتا ہے کہ ظلم کی حد تک پہنچ جاتا ہے اس لئے تاجر رشوت دے کر اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں اور گورنمنٹ کو ٹیکس نہیں دیتے۔ اگر مناسب مقدار میں ٹیکس لگائے جائیں اور رشوت خور آفیسروں پر سختی کر کے رشوت کو روکا جائے تو تاجر خوشی ٹیکس ادا کریں گے اور جتنی آمدنی اب ہوتی ہے گورنمنٹ کی آمدنی اس سے زیادہ ہو جائے گی۔ مگر گورنمنٹ کے ظالمانہ قوانین پر عمل ختم کرنا ہوگا ورنہ رشوت کا گناہ لازم آئے گا۔

نوکری کیلئے رشوت دینا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

آجکل کے دور میں رشوت کی وباء عام ہو چکی ہے اور کوئی شعبہ بھی اس وباء سے پاک نہیں ہے یہاں تک کہ نوکری حاصل کرنے کیلئے بغیر رشوت کے کوئی چارہ نہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص نوکری حاصل کرنے کی غرض سے بامر مجبوری رشوت دے تو اس صورت میں اس کا رشوت دینا کس حد تک درست ہے؟ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔

سائل: حیات نور

الجواب :

ظلم سے بچنے کیلئے اگر رشوت دے دے تو رشوت دینے والا گناہ گار نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنا حق حاصل کرنے کیلئے رشوت دینا پڑتی ہے تو بھی رشوت دینے والا گناہ گار نہیں، مگر لینے والا بہر حال گناہ گار ہے۔ مگر ناجائز فائدہ حاصل کرنے اور دوسرے کا حق مارنے کیلئے رشوت دینا حرام ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس ملازمت کا اہل ہے، جس کیلئے کوشش کر رہا ہے اور بغیر رشوت کے وہ ملازمت نہیں ملتی، تو رشوت دینے والا گناہ گار نہیں۔

غیر مسلم سے رشوت لینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

جو مسلمان دار الحرب میں رہتے ہیں اور وہاں گورنمنٹ ملازم ہیں وہ اگر رشوت کے نام پر غیر مسلم سے پیسہ لیں یا غیر مسلم از خود اپنا کام کروانے کی وجہ سے پیسہ دیتا ہے تو مسلمان کیلئے یہ روپے لینا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : ضیاء المصطفیٰ نورانی، نیپال گنج، نیپال

الجواب :

دار الحرب ! میں بھی کسی کافر کو تنگ اور ظلم کر کے اس سے رشوت لینا ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی کافر کا جائز کام وقت پر کر دیا اور اس نے از خود کچھ دے دیا تو وہ لینا جائز ہے، جبکہ مسلمان سے اس طرح کچھ لینا دار الحرب اور دار الاسلام دونوں جگہوں میں ناجائز ہے۔

قلیل آمدنی کی وجہ سے رشوت لینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص انکم ٹیکس کے محکمہ میں ملازم ہے۔ تنخواہ ۱۲۰۰ روپے ملتی ہے۔ جبکہ گھر کے چھ افراد کے ساتھ اس تنخواہ پر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ وہ رشوت نہیں لیتا اور نہ ہی کرایہ وغیرہ کے نام پر رقم لیتا ہے کیونکہ وہ اس کو بھی رشوت تصور کرتا ہے۔ کئی دوسری جگہوں پر ملازمت کی کوشش کی ہے لیکن ذرائع وسائل اور سفارش نہ ہونے کی بناء پر ناکامی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ گورنمنٹ کے قانون کے مطابق ایک ملازمت کے ساتھ دوسری ملازمت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایک طرف یہ قیود ہیں اور دوسری طرف اس کے مسائل زندگی۔ جبکہ اس کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔ ان حالات میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مطلوب ہے :

(۱) کیا وہ ان حالات اور مجبوریوں کی بناء پر رشوت لے سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) جو لوگ اپنا کام ہو جانے کے بعد ۵۰، ۶۰ روپے دیں، وہ لے لئے جائیں جیسے پوسٹ مین کو خط وصول کرنے کے بعد کچھ پیسے دے دیئے جاتے ہیں۔

سائل : عبدالقادر خان، گلبرگ، کراچی

الجواب :

گورنمنٹ ملازم کام کرنے کا ملازم ہے۔ اس کی وہ تنخواہ لیتا ہے، جن لوگوں کا کام اس سے پڑتا ہے یہ ان کا ملازم نہیں اور نہ ان سے کوئی معاوضہ لے سکتا ہے۔ لوگ اپنے مفاد کیلئے اسی طرح گورنمنٹ ملازمین کو رشوت دیتے ہیں اور فائدے اٹھاتے ہیں۔ عقل والا یہ تو سمجھتا ہے کہ کوئی شخص اپنا روپیہ کسی کو بلا وجہ نہیں دیتا ہے، کچھ نہ کچھ اسے فائدے کی امید ہوتی ہے فی الحال یا آئندہ۔ اس لئے یہ تمام صورتیں جو سوال میں مذکور ہیں، سب حرام ہیں۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو امام بخاری محمد بن اسماعیل متوفی ۲۵۶ھ نے صحیح بخاری میں نقل کیا ہے :

ایک صحابی کو حضور علیہ السلام نے زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تھا وہ واپس آئے تو انہوں نے کچھ اموال حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ میں یہ وصول کر کے لایا ہوں اور کچھ مال علیحدہ رکھ کر عرض کیا کہ یہ مال لوگوں نے مجھے تحفے میں دیا ہے۔ حضور علیہ السلام بہت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر تو گھر میں بیٹھا رہتا جب بھی کوئی تجھے تحفہ دیتا؟ اور وہ سارا مال لے کر بیت المال میں جمع کروادیا۔

جلد(۲) کتاب الاحکام، باب محاسبة الامام عماله، صفحه : ۱۰۶۸،

قدیمی کتب خانه، کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ ملازم! ملازمت میں تحفہ یا ھدیہ قبول کرے، وہ رشوت میں شمار ہوتا ہے۔ گذارہ نہ ہونا رشوت کو جائز نہ کردے گا، جتنی آمدنی ہے اسی میں گذارہ کرنا مسلمان کو ضروری ہے اور زیادہ کیلئے جائز طریقہ سے کوشش کرتا رہے اور اللہ تعالٰی سے بہتری کی امید رکھے۔ گورنمنٹ ملازم کیلئے دوسری ملازمت کی پابندی ہے نہ کہ اپنا کام کرنے کی۔

حصولِ ملازمت کیلئے رشوت دینا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

جو شخص ملازمت کا مستحق ہے اور اس عہدے کی قابلیت بھی رکھتا ہے لیکن بغیر رشوت ملازمت نہیں ملتی تو ایسی صورت میں رشوت دے کر ملازمت حاصل کرنا اور اس ملازمت سے ملنے والی تنخواہ کے جواز وعدم جواز کا کیا حکم ہے؟

سائل: غلام نبی قادری، لانڈھی، کراچی

الجواب:

اگر واقعی یہ ملازمین اپنی ذاتی قابلیت کی بناء پر اس ادارے کی ملازمت کے اھل تھے اور اس وقت ان سے زیادہ اور کوئی قابل نہ تھا، اس کے باوجود ان کو اس ادارے کی ملازمت بغیر کچھ دیئے حاصل نہیں ہو رہی تھی، تو ان کا کچھ دیکر ملازمت حاصل کرنا درست ہے۔ اور انکی تنخواہ بھی جائز ہوگی۔

ملازمت کا بیان

معاہدہ ملازمت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید ایک کمپنی کے مالی وسائل سے، چلنے والے تعلیمی ادارے میں، ایک مدرس کی حیثیت سے ملازم ہے۔ اس پر انٹرویو کے وقت یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ بنیادی تنخواہ اور الاؤنسز یہ، یہ ہوں گے۔ دوسرے کام کرنے والے ملازمین کی طرح اس کو بھی سال میں دوبار "بونس" ملے گا۔ ورکرز فنڈ میں وہ حصہ دار ہوگا۔ بغیر کرایہ کے کوارٹر بجلی، پانی، گیس کی سہولت کچھ فرنیچر کچھ سفری الاؤنس بھی ملے گا اور علاج مفت ہوگا۔ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے وقت پراویڈنٹ گریجویٹی پنشن کا حقدار بھی ہوگا، وہ ان سہولتوں کے عوض وہ تمام فرائض سر انجام دے گا جو ایک مدرس تعلیمی اداروں میں دیتا ہے۔ نصابی و ہم نصابی تمام سرگرمیاں سر انجام دینی ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کیلئے کوئی اوور ٹائم نہیں ملے گا۔

برسوں تک وہ تمام کام انجام دیتا ہے، کچھ دنوں کے بعد اس کے رویہ میں تبدیلی ہوئی اور دیگر شعبوں میں ملازمین کو جو اوور ٹائم وغیرہ پر معاوضے وغیرہ ملتے ہیں، ان کا بھی یہ مطالبہ کرنے لگتا ہے۔ آیا زید کی یہ تبدیلی ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

سائل: سید آل رسول واسطی

الجواب:

ملازمت میں کمپنی اور ملازم کے درمیان ملازمت کے وقت، جو شرائط طے کی جائیں گی، جب کوئی فریق ان شرائط کی پابندی نہیں کرتا ہے تو دوسرے فریق کو حق ہے کہ وہ ملازمت ختم کردے۔ سوال میں جو صورت مذکور ہے کہ شرائط ملازمت کے خلاف ملازمین کام میں کوتاہی کررہے ہیں اور کمپنی کو مجبور کررہے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ ملازم جب تک ملازمت کرے گا تو صحیح طور پر وقت کی پابندی کے ساتھ پورا کام کرے گا یا ملازمت چھوڑ دے گا۔ کام میں کوتاہی کرکے جو تنخواہ وصول کرے گا، وہ ناجائز ہوگی۔

معاہدے کی اہمیت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کی حکومت کے قائم کردہ کمیشن نے ۱۹۷۷ء میں تمام بینکوں کے افسران کی تنخواہ اور دیگر مراعات نیز شرائط ملازمت کے بارے میں جو فیصلہ کیا، اس کا اعلان خود صدر مملکت نے کیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ "تمام آفیسرز کو کرایہ مکان تنخواہ کا ساٹھ فیصد حصہ دیا جائے گا"۔ آفیسرز ایسوسی ایشن نے اسے منظور کرلیا تھا اور اس پر عمل بھی ہوتا رہا۔ اب جنوری ۱۹۸۰ء میں بینک کی انتظامیہ نے اپنی مرضی سے کرایہ مکان گھٹا کر چالیس فیصد کردیا ہے۔ جس سے اوسطاً ملازمین کو دو سے تین سو روپے تک ماہانہ نقصان ہو رہا ہے۔ اور یہ کمی تمام افسران کے حق میں نہیں ہے بلکہ بعض کے حق میں ہے۔ اور بعض لوگوں کو اب بھی وہی ساٹھ فیصد کرایہ مکان دیا جارہا ہے۔ علمائے کرام سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا شرعی نقطہ نظر سے انتظامیہ کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :

منتظمین و ملازمین کے درمیان، جو باتیں طے ہو جائیں، وہ ایک معاہدہ ہے۔ معاہدے کی پابندی کرنا مسلمان پر لازم ہے۔ اس کے خلاف کرنے پر قرآن و حدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے :

اَلَّذِیْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝

(سورة (٨) الانفال، آیت: ٥٦)

وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں ۔ (کنزالایمان)

یہ آیت اگرچہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مگر اصول کا قاعدہ یہ ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوص واقعہ کا نہیں اور مفسرین اپنی تفسیروں میں تحریر فرماتے ہیں :

کل اٰیة نزلت فی الکفار تجر فی ذیلها العصاة

یعنی ہر وہ آیت جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ اپنے ضمن میں ان گناہ گار مسلمانوں کو بھی لیتی ہے، جو اس جیسی معصیت میں مبتلا ہیں۔

کچھ بھی ہو آیت سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ معاہدے کی خلاف ورزی طریقہ کفار ہے۔ حدیث میں فرمایا، اس حدیث کو امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری متوفی ٢٥٦ھ نے صحیح بخاری میں نقل کیا ہے :

اِنَّ الْغَادِرَ یُنْصَبُ لَهٗ لِوَآءٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُقَالُ هٰذِهٖ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ

(جلد(٢) کتاب الادب، باب ما یدعی الناس بأبائهم، صفحه: ٩١٢، قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر معاہدہ توڑنے والے کیلئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی معاہدہ شکنی ہے۔

نیز بخاری ہی میں ہے :

قَالَ اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِیْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ

وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

(جلد(۱) کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، صفحہ: ۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ چار باتیں ایسی ہیں کہ وہ جس میں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو گی تو اس میں منافق کی ایک خصلت پائی جائے گی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب معاہدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور جب کسی سے جھگڑا کرے تو فحش گوئی کرے۔

ان آیات اور احادیث کی روشنی میں منتظمہ کو معاہدے کی پابندی کرنی چاہیئے اور اخروی محاسبہ سے بچنا چاہیئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ملازمت اور پابندیٔ وقت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوال کے بارے میں کہ:

میں ایک مل میں بحیثیت کنسٹرکشن سپروائزر کے ملازم ہوں۔ میری ڈیوٹی مل کی طرف سے کام کی نگرانی کرنا ہے اور جو بھی بل ٹھیکیداروں کے ہوں، ان کو چیک کر کے جنرل مینیجر صاحب کو پیش کرنا ہے۔ جناب عالی مسئلہ یہ ہے کہ آج کل مل کی توسیع کا کام ہو رہا ہے، جس کا ٹھیکہ ایک صاحب کو دیا گیا ہے، جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے، مگر کام کی سوجھ بوجھ اچھی ہے۔ یہ ٹھیکیدار چاہتا ہے کہ میں اس کا کام نقشہ کے مطابق اپنی نگرانی میں کرادوں جو کہ ایک اضافی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری مل کی طرف سے مجھ پر عائد نہیں ہوتی ہے، ٹھیکیدار مجھے اس ذمہ داری کا معاوضہ دینے کو تیار ہے، جسے قبول کرنے میں مجھے تامل ہے۔

ازراہ کرم مجھے اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ کریں کہ کیا میں یہ ذمہ داری قبول کر کے اس کا معاوضہ وصول کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اور کر سکتا ہوں تو کیا مجھے اپنی مل انتظامیہ کو آگاہ کرنا ہو گا کہ نہیں؟ جواب دیکر مشکور فرمائیں۔ نوازش ہو گی۔

سائل : محمد انور ولد علیم الدین

الجواب :

ملازمت کرنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی ملازمت کے ڈیوٹی کا جتنا وقت مقرر کیا گیا ہے، اتنا وقت وہ ڈیوٹی پر گذاریں۔ کام نہ ہو، جب بھی وہ وقت پورا کریں۔ وقت پورا کرنا ان پر لازم ہے۔ ڈیوٹی کے علاوہ اوقات میں وہ جو چاہیں کریں مگر جس کمپنی میں ملازم ہیں اسی کے کام کرنے والے ٹھیکیداروں کا کام ڈیوٹی کے علاوہ اوقات میں کرتے وقت یہ خیال رکھیں جب ٹھیکیدار کے سپروائزر بھی ہیں اس ٹھیکیدار کے مفاد کیلئے کمپنی کے مفاد کو نقصان نہ پہنچے۔

بینک میں ملازمت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :

بینک کی ملازمت جائز ہے یا نہیں ؟ ایک عالم فرمارہے تھے کہ "بینک کی ملازمت، جس میں سودی رقم آتی ہے، اس کو لکھنے والے، جمع کرنے والے سب سود میں ملوث ہیں، سوائے چوکیدار اور ڈرائیور کے"۔ پوچھنا یہ ہے کہ چوکیدار بھی تو حرام مال کی حفاظت کرتا ہے اور ڈرائیور بھی حرام مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے۔ کیا یہ لوگ حرام کام میں ملوث نہیں، جبکہ ان لوگوں کو تنخواہ بھی سودی روپے سے دی جاتی ہے۔

سائل : الشیخ احمد رضا فاروقی

الجواب :

بینک کی ہر "ملکیت" حرام نہیں ہے اور نہ بینک کا تمام روپیہ حرام ہے۔ اس لئے کہ جب بینک کھولا جاتا ہے تو کچھ فنڈ بینک والے اپنے پاس سے جمع کرتے ہیں، اس سے بینک شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس میں سود کی رقم بھی شامل ہوتی ہے، اس طرح وہ مخلوط آمدنی ہے۔ مخلوط (حلال و حرام مکس) مال میں سے جائز کام کی مزدوری لینا جائز ہے۔ اگر مخلوط مال سے مزدوری ناجائز ہو تو اس وقت کون شخص ہے ؟ جو یقین سے کہہ سکے کہ اس کے مال میں کوئی ناجائز پیسہ ملا ہوا نہیں ہے۔ یوں تو ساری دنیا کا نظام ختم ہو جائے گا اس لئے آپ کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

بینک میں کام کرنا جائز ہے یا ناجائز ؟ خاص کر کلرک یا پیون کا کام ؟

سائل : محمد شفیق، جہانگیر روڈ، کراچی

الجواب :

چونکہ حدیثوں میں سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کاغذ کی گواہی دینے والے پر بھی لعنت آئی ہے، اس لئے بنک کی کوئی ایسی ملازمت جائز نہیں ہے، جہاں سود کے کاغذات لکھنا پڑیں اور جن لوگوں کو سود کے کاغذات لکھنا نہیں ہوتے ہیں مثلاً دربان، پیون اور ڈرائیور، ان کی ملازمتیں جائز ہیں۔

بینک کے ملازم کی تنخواہ کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

ایک مسئلے کا جواب درپیش ہے :

مسئلہ یہ ہے کہ زید نے بنک میں ملازمت کی ہے مگر بکر نے یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے کہ بنک والوں کو تنخواہ سود سے ملتی ہے نہ کہ گورنمنٹ کے خزانے سے، اس لئے زید کو ملنے والی تنخواہ ناجائز اور حرام پیسوں سے ہے ۔اس لئے اس کی تنخواہ قرآن وسنت کی رو سے ناجائز ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا :

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِی یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذَالِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

(سورۃ (۲) البقرۃ ، آیت: ۲۷۵)

یعنی وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ، جسے آسیب نے

چھو کر مخبوط بنادیا ہو یہ اس لئے کہ انھوں نے کہا کہ بیع بھی تو سود کی مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو۔

اب علمائے کرام سے استفتاء ہے کہ بکر کا قول درست ہے یا زید کی تنخواہ جائز ہے ؟ کیونکہ دوسرے محکموں کے ملازمین کو بھی بینک سے ہی تنخواہ ملتی ہے۔

سائل : غلام قادر میمن، گورنمنٹ ہائی اسکول مورو، نوابشاہ

الجواب :

بینکوں میں صرف سود کی ہی رقم نہیں ہوتی ہے۔ اسٹیٹ بینک میں تو ملک کے تمام ٹیکس جمع ہوتے ہیں اور دوسرے بینک جب کھولے جاتے ہیں تو ابتداءً اسکے شرکاء اپنے روپے سے شروع کرتے ہیں۔ اسکے بعد لوگوں کے روپے بھی اس میں جمع ہوتے ہیں اور لوگ بینک سے قرض بھی لیتے ہیں اور سود کا لینا دینا شروع ہوتا ہے۔ بینک اس کے علاوہ اور بہت سے کام کرتے ہیں۔ لہٰذا بینک کا سرمایہ مخلوط ہو جاتا ہے، اس سے تنخواہ لینے کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مخلوط آمدنی سے دوسرے لوگوں کا لینا جائز نہیں ہوتا ہے اور اگر بینکوں سے تنخواہ وغیرہ لینا حرام ہو جائے تو پھر پاکستان کے کسی بھی شخص کی آمدنی حلال نہیں رہے گی۔ بینکوں میں ملازمت کر کے تنخواہ لینے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ملازم کو سود لکھنا پڑتا ہے تو اسکی ملازمت بھی ناجائز اور تنخواہ لینا بھی ناجائز۔ احادیث میں سود کا کاغذ لکھنے والے کے بارے میں سخت وعید آئی ہے اور جن ملازمین کو سود لکھنا نہیں پڑتا مثلاً دربان اور ڈرائیور وغیرہ تو ان کی ملازمت بھی جائز ہے اور تنخواہ بھی۔

بینک ملازم کے یہاں دعوت میں شرکت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

بینک کا وہ ملازم جو سودی لین دین کا حساب کتاب رکھتا ہو اور سود طے کرتا ہو اس کی ملازمت جائز ہے یا نہیں ؟ اور اگر ناجائز ہے تو اس تنخواہ سے جو سامان خریدا وہ سامان اور اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ نیز بینک ملازم کے یہاں دعوت میں شریک ہونا کیسا ہے ؟

الجواب :

بینک کے جو ملازم سود کا حساب کتاب لکھتے ہیں یا سود طے کرتے ہیں، ان کی ملازمت ناجائز ہے۔ مگر وہ چیزیں جو اپنی تنخواہ کے پیسوں سے خریدیں گے، ان چیزوں کے حرام ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ روپیہ معین کر کے کوئی چیزیں خریدیں۔ مثلاً نوٹ ہاتھ میں لے کر یہ کہے کہ "اس نوٹ کے عوض دے دو" اور وہی نوٹ ادا کر کے چیز لے لے اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو خریدی ہوئی چیز جائز رہتی ہے۔ مثلاً دوکاندار سے کہا کہ پانچ روپے کی چیز دے دو۔ اس کے بعد تنخواہ سے اس چیز کی قیمت ادا کر دی، اس میں "بیع" ناجائز مال پر نہیں تھی ادا ناجائز مال کیا گیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ناجائز نوٹ دکھا کر کہا کہ "اس نوٹ کے بدلے میں فلاں چیز دے دو" اس کے بعد ادا یہ نوٹ نہیں کیا بلکہ دوسرا نوٹ کیا، اس میں بیع ناجائز مال پر ہے، مگر ادا اس معین مال کی نہیں ہے، تو خریدی گئی چیز میں کوئی قباحت شرعی نہیں۔ ہمارے ملک میں اس طرح خرید و فروخت نہیں ہوتی ہے، جس طرح پہلی صورت میں لکھا گیا ہے۔ اس لئے خریدی ہوئی چیز میں حرمت نہیں ہوتی ہے۔ للہذا دعوت کھانے میں تو کوئی حرج نہیں ہے، مگر ایسے ملازم سے تعلقات اور شادی بیاہ اس لئے مناسب نہیں کہ اس کی عزت کرنا ہوگی۔

انشورنس کمپنی میں کام کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

انشورنس کمپنی میں کام کرنا، اس کا ایجنٹ بننا اور انشورنس کروانا، شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں ؟

برائے مہربانی اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔

سائل : محمد جاوید

الجواب :

بیمہ ہر قسم کا ناجائز ہے اور ناجائز کام کیلئے ملازمت کرنا اور اس سے تعاون کرنا بھی ناجائز ہے۔

سود کی کتابت اور ملازمت

الاستفتاء :

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

میں ایک فرم میں شعبہ اکاؤنٹ میں ملازم ہوں۔ میرے ذمہ فرم کی کتابیں وغیرہ لکھنے کی ذمہ داری کے ساتھ ماہانہ حساب کتاب پیش کرنے کی ذمہ داری بھی ہے۔ اس میں دو تین مہینے کے دوران ایک انٹری سود کے بارے میں بھی ہوتی ہے۔ اور پھر مزید ماہانہ حساب میں بھی پیش کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح مجھے صرف سود کی رقم لکھنا ہوتی ہے، رقم میرے پاس یا میرے ذریعہ سے نہیں آتی۔ آپ سے گذارش ہے کہ آپ شرع کی روشنی میں بتائیے کہ سود کی تحریر کا کیا حکم ہے؟ یہاں نوکری جاری رکھنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل : محمد جاوید قادری

الجواب :

اجارہ! جب کسی معصیت (گناہ) پر ہو تو اجرت بھی حرام ہوتی ہے۔ صورت مسئولہ میں صرف سود کا حساب لکھنے کیلئے معین کر کے نہیں رکھا گیا ہے۔ لہٰذا اجارہ تو جائز ہے اور تنخواہ بھی حلال۔ مگر جب سود کا حساب و کتاب کیا جائے تو یہ فعل ناجائز ہوگا۔

ملازمت میں ناجائز کام کرنا

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

بعد سلام عرض ہے کہ میں ایک سخت الجھن کا شکار ہوں۔ برائے مہربانی مجھے کوئی مفید مشورہ دیجئے۔

میں ایک دفتر میں ملازم ہوں جہاں درآمدات وبرآمدات کا کام ہوتا ہے۔ میرے ذمہ تمام تر کام تحریر کا ہے۔ اس کے علاوہ بینک سے لان (قرض) لیا ہوا ہے اور بینک ہر تین ماہ بعد ہم سے سود لیتا ہے۔ مالک امریکہ میں ہے۔ بعض اوقات مالک کے دستخط کی ضرورت پڑتی ہے، تو وہ بھی مجھے ہی کرنے پڑتے ہیں۔ مختلف اداروں سے کام نکلوانے کیلئے رشوت دینی پڑتی ہے۔ رشوت میں اپنے ہاتھوں سے تو نہیں دیتا مگر اس مد کی رقم بینک سے میں ہی لاتا ہوں۔ یہ تمام تر کاروائی میرے ذریعہ ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے۔ مالک روپیہ حاصل کرنے کیلئے کیا کچھ کرتے ہیں، اس کی تفصیل کافی لمبی ہے۔ اس صورت حال سے میں بہت پریشان ہوں۔ ایک طرف مالک کا حکم ہے کہ جس کا وہ مجھے معاوضہ دیتا ہے اور دوسری طرف شریعت! سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ میں کیا کروں؟ نوکری چھوڑتا ہوں تو فتنہ کھڑا ہوگا۔ برائے مہربانی مجھے بتایئے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

سائل: محمد امتیاز قادری

الجواب:

ایسی ملازمت، جس میں ناجائز کام کرنے پڑیں، وہ ناجائز ہے۔ للہذا مسلمان کو یہ عقیدہ پختہ رکھنا چاہیئے کہ رازق اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ اسکی رضامندی کیلئے ایسی ناجائز ملازمت کو چھوڑ دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے رزقِ حلال کے اور ذرائع پیدا فرمادے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

داڑھی اور ملازمت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص ملک وقوم کی خدمت کے جذبہ سے فوج میں ملازمت کرنا چاہتا ہے اور جب بھرتی کیلئے آفس میں جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹریننگ کے دوران داڑھی نہیں رکھ سکتا۔ تربیت کے بعد داڑھی رکھنے کی اجازت ہے، دوران تربیت داڑھی منڈوانا ہوگی۔ کیا ایسی نوکری کرنی اور دوران تربیت جو تنخواہ ملے گی اس کا لینا جائز ہے؟

سائل: محمد جنید، نیو کراچی

الجواب:

داڑھی رکھنا مذھب صحیح میں واجب ہے۔ لہٰذا ایسی نوکری کرنا جائز نہیں، جس میں داڑھی نہ رکھنے کی شرط ہو۔

قرض کی وصولی کیلئے کمیشن پر ملازم رکھنے کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

ادھار کی وصولیابی کرنے والے ملازم کو تنخواہ کے بجائے کمیشن دیا جاتا ہے۔ جیسے سو روپے پر پانچ روپے یا دس روپے۔ اس طریقہ کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں۔

سائل: محمد شاہد قادری

الجواب:

اس طرح کمیشن پر قرضہ وصول کرنا ناجائز ہے۔ حدیث میں فرمایا:

نھی رسول اللہ ﷺ عن قفیز الطھان

یعنی مزدور کے فعل سے جو چیز حاصل ہوگی، اس میں مزدوری مقرر کرکے اجارہ ناجائز ہے۔

بروکر! کی اجرت سے ملازمین کو کمیشن دینے کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

گزارش عرض یہ ہے کہ زید کپڑا مارکیٹ میں نوکری کرتا ہے اور مارکیٹ میں ایک اصول بنا ہوا ہے کہ "بروکر" (دلال) کو جو اجرت دی جاتی ہے، اس میں وہ دسواں حصہ دوکان کے دیگر ملازمین کو دیتا ہے اور بعض اوقات مالکان بروکر کو اجرت دینے سے پہلے ہی دسواں حصہ کاٹ لیتے ہیں اور ملازمین کو دے دیتے ہیں۔ اس اصول سے مالک، ملازم اور بروکر سب واقف ہوتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ رقم جو ہم ملازمین کو دی جاتی ہے، جائز ہے یا نہیں؟ مجھے امید ہے کہ آپ اس سوال کا جواب جلد ارسال کریں گے۔

سائل: محمد الطاف قادری رضوی

الجواب:

اگر مارکیٹ میں یہ بات متعارف ہے اور سب جانتے ہیں، دلال بھی راضی ہے اور مال خریدنے والے اور بیچنے والے بھی واقف ہیں، تو ملازمین کو یہ روپیہ لینا جائز ہے۔

مع تنخواہ طویل رخصت کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ھذا میں کہ:

زید ایک کمپنی یا فرم میں ملازمت کرتا ہے، سال کے اختتام پر ایک ماہ کی چھٹی مع تنخواہ کے دی جاتی ہے۔ کیا شرعاً یہ تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

سائل: حافظ حبیب احمد

الجواب:

کمپنی نے جو شرائط ملازمت طے کئے ہیں، ان پر عمل کیا جائے گا اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ سال میں ایک مہینے کی چھٹی مع تنخواہ دی جاتی ہے۔ کمپنی کے معاملات کو اس کی شرائط پر طے کرنا آسان ہے۔ لیکن وقف کا معاملہ مشکل ہوتا ہے، کیونکہ وقف کی آمدنی کو خرچ کرنے کی شرائط سخت ہوتی ہیں، اس میں فقہاء نے مدرسین، ائمہ اور قاضی وغیرہ کو چھٹی کے زمانے کی تنخواہ لینا جائز لکھا ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاوٰی شامی میں لکھا:

قال فی الاشباہ وقد اختلفوا فی اخذ القاضی مارتب لہ فی بیت المال فی یوم بطالتہ فقال فی المحیط انہ یاخذ لانہ یستریح للیوم الثانی

اس کے بعد ہے :

فحیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلثاء والجمعۃ وفی رمضان و العیدین یحل الاخذ

(کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفۃ فی یوم البطالۃ، صفحہ: ۴۱۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

الاشباہ والنظائر میں فرمایا کہ فقہاء نے قاضی کو چھٹیوں کے دن کی تنخواہ لینے میں اختلاف کیا ہے جو قاضی کیلئے بیت المال میں سے مقرر کیا گیا ہے تو محیط میں فرمایا کہ چھٹی کے دن کی تنخواہ لے گا کیونکہ دوسرے دن آرام کرے گا۔ بس اس طرح کی جو چھٹیاں مشہور معروف ہیں منگل، جمعہ، رمضان اور عیدین میں۔ تو ان دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کمپنی کی اجازت کے بغیر اوور ٹائم کا معاوضہ لینا

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

میرا دوست ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کرتا ہے، اس کا ٹائم صبح آٹھ بجے سے دو بجے تک ہے، مگر اسکو وہاں کبھی ایک گھنٹہ اور کبھی دو گھنٹے اضافی دینے پڑتے ہیں۔ اس کیلئے کمپنی سے جب بات کی تو اس نے اوور ٹائم دینے سے انکار کر دیا۔ کام کمیشن کا ہے کہ اپنے ٹھیک ٹائم پر وہ نکل نہیں سکتا اور نہ کام چھوڑ سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ کمپنی کو بتائے بغیر کمیشن میں سے دو گھنٹہ زائد کام کرنے کا معاوضہ لے سکتا ہے؟

الجواب:

کمپنی اگر اوور ٹائم کا معاوضہ نہیں دیتی ہے، تو آپ اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں اور آپ کا مطالبہ کمپنی تسلیم نہ کرے، تو آپ ملازمت چھوڑ سکتے ہیں مگر کمپنی کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں لے سکتے۔

اصل ڈیوٹی چھوڑ کر دوسری ڈیوٹی کی تنخواہ کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص گورنمنٹ کے کسی شعبہ میں ملازمت کرتا ہے، لیکن وہ وہاں اپنی ڈیوٹی ادا نہیں کرتا بلکہ اس ادارے میں واقع مسجد میں امامت کرواتا ہے۔ جبکہ اس کو تنخواہ اس ڈیوٹی کی ملتی ہے نہ کہ امامت کی۔ اس صورت میں امام صاحب کیلئے تنخواہ وصول کرنا جائز ہوگا یا نہیں، اور ان امام صاحب کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

سائل: عبد الجلیل

الجواب:

گورنمنٹ ملازمین اس بات کے پابند ہیں کہ جس کام کیلئے انھیں ملازم رکھا گیا ہے وہ کام کریں اور ڈیوٹی کا پورا وقت اس آفس میں گذاریں، ملازمین میں سے کسی ملازم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ایسی رخصت دیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ آفس کی ڈیوٹی پوری کرے اور جب نماز کا وقت آئے تو آفس والوں کی امامت بھی کرے۔ صورت مسئولہ میں امام گورنمنٹ کا، کام نہیں کرتا ہے اور تنخواہ وصول کرتا ہے اور سرکاری کام کی جگہ نماز پڑھا دیتا ہے، یہ ناجائز ہے۔ اسکے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ (دوبارہ پڑھنا واجب) ہے۔

مخلوط سرمایہ رکھنے والی کمپنی میں ملازمت کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

میں جس کمپنی میں ملازم ہوں، وہ دوائیاں وغیرہ بناتی ہے۔ میرے ذمہ کمپنی کے مندرجہ ذیل معاملات کو سنبھالنا ہے :

(۱) آمدن ٹیکس کے معاملات (۲) انشورنس (۳) واجب الادا قرضہ جات میں سود انشورنس اور قرضہ جات کے بارے میں وضاحت۔

میں بذات خود یہ کاروبار نہیں کرتا بلکہ محض کمپنی کے ملازم کی حیثیت سے، ان کا حساب و کتاب رکھتا ہوں اور تنخواہ میری محنت کا عوض ہے۔ لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ :

(۱) ایسی صورت میں میری تنخواہ کس نوعیت کی کہلائے گی ؟ جائز، ناجائز، حرام، مکروہ، خبیث یا کچھ اور ؟

(۲) اگر صورت اس طرح جاری رہے تو اس آمدنی کے مصارف کے میری اور میری بیوی بچوں کی روح و جسم پر کیا اثرات ہوں گے، حج، زکوٰۃ اور دیگر نفلی صدقات کی قبولیت کس درجہ کی ہو گی ؟

(۳) اگر میری تنخواہ کسی صورت میں ناجائز ہے تو کیا ملکی، معاشی اور معاشرے کے اجتماعی بگاڑ کے پیش نظر یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر کوئی جواز کی صورت ہے کہ میں اپنی ملازمت اسی صورت میں جاری رکھ سکوں ؟ اگر کوئی جواز ممکن نہیں تو ملازمت کی موجودہ ذمہ داریوں میں تبدیلی ضروری ہو گی۔ لہٰذا اب تک کی حاصل اور جمع شدہ سرمایہ کے بارے میں میرے لئے کیا شرعی حکم ہے، کیا یہ میری ملکیت ہے، کیا میں اس میں تصرف کا مجاز ہوں ؟ میری ملکیت میں ایسی چیزیں ہیں مثلاً مکان، مکان سے کرایہ کی آمدنی، فارن سرمایہ، تجارت کا نفع، جمع رقم، نیز میری موت کے بعد کیا وراثت کی منتقلی میں کوئی خلل واقع ہو گا ؟

الجواب :

معصیت (گناہ) پر جو اجارہ ہوتا ہے، وہ فاسد ہے اور اسکی اجرت بھی ناجائز ہوتی ہے۔ مثلاً گانا بجانا اور تصویر بنانا وغیرہ۔ اکاؤنٹنٹ کی ملازمت کمپنی کا حساب لکھنے کی ہوتی ہے، اس میں کوئی خاص معین فعل پر ملازمت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ملازمت جائز ہے۔

اس میں جن ذرائع سے آمدنی ہوتی ہے اور جس طرح خرچ ہوتا ہے، اس سب کا اندراج اکاؤنٹنٹ کرتا

ہے۔ کمپنی کا ڈائریکٹر اور مالکان بینکوں سے سود کے روپے کی وصولی، سود کی شرح نیز سود کے کاغذات پر وہ خود دستخط کرتے ہیں، اکاؤنٹنٹ کو وہ بتادیتے ہیں کہ بینکوں سے اتنا روپیہ قرضہ لیا گیا ہے، وہ آمدنی میں لکھ دیتا ہے۔ پھر جب بینکوں کو ادا کیا جاتا ہے، بینک حساب کر کے بتادیتا ہے کہ اتنا سود ہوا اور اصل کے ساتھ مل کر یہ رقم ہو گئی، مالکان ادا کرتے ہیں، اکاؤنٹنٹ کو بتاتے ہیں کہ بینکوں کو اتنی رقم ادا کی گئی اور اس کی تفصیل بتاتے ہیں کہ اتنی اصل رقم ہے، اتنا سود ہے، اکاؤنٹنٹ خرچ کی مد میں اسے تفصیل سے لکھ دیتا ہے۔ اسی طرح مالک حضرات رشوت دیتے ہیں رشوت کھاتوں میں لکھی نہیں جاتی تو حکم دیتے ہیں کہ متفرق عنوان دیکر لکھ لو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اکاؤنٹنٹ سود کے حساب کتاب کا نقل کرنے والا ہے۔

حدیث میں سود کا کاغذ لکھنے والے پر لعنت آئی ہے، اس سے مراد وہ اقرار نامہ لکھنا ہے، جس میں سود کا حساب کتاب لکھنا ہوتا ہے۔ مثلاً اسٹامپ پیپر پر معاہدہ لکھنا ہے کہ میں فلاں ابن فلاں نے فلاں ابن فلاں سے اتنا روپیہ قرض لیا اور یہ شرح سود مقرر ہوئی اور دوسری شرائط جو طے ہوں، ایسا اقرار نامہ لکھنے والے پر لعنت ہوتی ہے۔

اسی طرح بینکوں میں مینیجر اختیارات کے مطابق قرض دیتے ہیں اور شرح سود طے کرتے ہیں۔ ٹائپ کرنے والوں کو مضمون بتادیتے ہیں وہ فارمز پر ٹائپ کر دیتے ہیں۔ یہ کاغذات لکھنے والے اور ٹائپ کرنے والے سود کا حساب کرنے والے بھی، اسی وعید میں داخل ہیں۔ اکاؤنٹنٹ اس قسم کی کوئی تحریر نہیں کرتا ہے۔ للہذا اس وعید میں تو داخل نہیں، مگر اس کیلئے یہ لکھنا بھی اچھا نہیں۔ بینک کی ملازمت چونکہ مطلقاً حساب کتاب کی ہے۔ بہر حال اکاؤنٹنٹ کی ملازمت اجارہ فاسدہ نہیں ہے اور اسکی اجرت بھی ناجائز نہیں ہوگی۔

دفتر وغیرہ سے بلا اجازت ٹیلیفون کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کے دفتر میں ٹیلیفون ہے۔ اگر وہ اپنے افسر انِ بالا سے پوچھ کر کرتا ہے، تو اس کو اجازت مل جاتی ہے۔
مسئلہ یہ ہے کہ افسر دفتر سے جا چکا ہے اور دفتر کا وقت ختم ہو گیا ہے، اب زید وہیں ٹھہر کر بلا اجازت چوری چھپے ٹیلی

فون کر لیتا ہے، جبکہ افسر بالا کو معلوم نہیں نہ ہی زید اسکو بتاتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ فون کا بل افسر کے نام نہیں آتا، بلکہ اس محکمہ کے کھاتے میں آتا ہے، جہاں زید اور اس کا افسر کام کر رہے ہیں۔ زید چاہتا ہے کہ فون کرنے کے پیسہ دے لیکن اس کی کوئی صورت نہیں کیونکہ فون کے بل کی ادائیگی محکمہ کرے گا۔ اب اس کا کفارہ کیا ہے، کیا وہ یہ رقم کسی غریب کو دے سکتا ہے، کہ اس کے سر پر گناہ نہ رہے؟ تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب :

گورنمنٹ کے محکموں میں تو کسی افسر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے پرائیویٹ کاموں کیلئے فون کرے۔ صرف سرکاری کاموں کیلئے ٹیلیفون کر سکتا ہے، آفیسر کو اپنے لئے استعمال کا اختیار نہیں ہے، دوسروں کو اجازت کس طرح دے سکتا ہے؟ پرائیویٹ کمپنی میں مالک کو اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہے ٹیلی فون کرنے کی اجازت دے دے، اس کی بغیر اجازت مینیجر اور دوسرے لوگوں کو بھی ٹیلی فون استعمال کرنا اور دوسروں کو اجازت دینا بھی جائز نہیں ہے۔ جتنی بار ٹیلی فون استعمال کر چکے ہیں، حساب کر کے یا اندازہ کر کے کسی غریب آدمی کو جو زکوٰۃ لینے کا ہو، مالک بنا کر اتنے روپے دے دیئے جائیں۔ یہ حکم ان کالز کا ہے، جو لاعلمی میں کر چکا ہے۔ آئندہ یہ بھی جائز نہیں ہے کہ جان بوجھ کر کسی کا مال ضائع کرے اور اتنا مال فقیروں کو دے دے۔

بونس اور چھٹیوں کی تنخواہ کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) اگر کوئی ادارہ اپنے ملازمین کو سالانہ بونس، وردی، جوتے اور ٹوپی کے پیسہ دیتا ہو لیکن وردی پہن کر ڈیوٹی دینے کی سختی نہ ہو تو بونس اور ان چیزوں کے پیسے لینا جائز ہیں یا نہیں؟

(۲) مہنگائی وغیرہ کی وجہ سے پیسے بڑھانے کیلئے یونین کا مالکان سے معاہدہ کرنا نیز مروجہ چھٹیوں کے پیسے لینا جائز ہیں یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ممنون مشکور فرمائیں۔

سائل : غلام نبی قادری، لانڈھی، کراچی

الجواب :

(۱) سوال میں مذکورہ چیزوں کیلئے پیسہ لینا اور مہنگائی کی صورت میں اضافی رقم لینا درست ہے۔

(۲) ہر ادارہ اپنے ملازمین کی ہفتہ واری چھٹی اور سرکاری چھٹی معہ تنخواہ کے دیتا ہے۔ لہٰذا اس ادارے کے مزدوروں کا بھی ان چھٹیوں کے پیسے لینا جائز ہے۔

حدود کا بیان

قاتل اور قتل کروانے والے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ :
ایک شخص کسی کو قتل کروانے کیلئے کسی کو اجرت پر مامور کرتا ہے۔
(۱) جس نے قتل کیا وہ مجرم ہے یا قتل کروانے والا ؟
(۲) قتل کروانے والا قتل کروانے کے بعد حج پر جانا چاہتا ہے۔ آیا اس کا حج ادا ہو گا یا نہیں ؟

سائل : ضیاء الدین احمد، شیریں جناح کالونی، کلفٹن، کراچی

الجواب :

قصاص ! کے احکام میں مجرم وہی ہے، جس نے قتل کیا۔ قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔ مگر گناہ میں دونوں شریک ہیں۔ اس کام کیلئے روپیہ خرچ کرنا اور قتل کا پیسہ لینا دونوں حرام ہیں۔ حقوق العباد حج سے بھی معاف

نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس نے یہ قتل کرایا اسے مقتول کے اولیاء سے معافی مانگنی چاہیئے اور توبہ کر کے حج کو جانا چاہیئے ،اس سے اولیاء کا حق ساقط ہو جائے گا، لیکن مقتول کا حق پھر بھی باقی رہے گا۔ اور اس کا فیصلہ قیامت میں ہو گا۔

غیر ارادی قتل کا کفارہ

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں کے ساتھ پلنگ پر محو خواب تھا، ماں نے کروٹ بدلی اور بچہ ماں کے جسم کے نیچے دب کر مر گیا۔ ماں کو کچھ پتہ نہیں کہ بچہ کس طرح مرا ہے ؟ اب اس کا کیا کفارہ ہے ؟ میرے علاقہ ضلع ''دِیر'' کے مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ ''ماں پر ٦٠ دن کے روزے رکھنا بطور کفارہ لازم ہیں''۔ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مذکورہ مسئلے کے بارے میں فتویٰ لکھ کر ارسال فرمائیں۔

سائل : کرم دین، ساہیوال

الجواب :

قتل کی اقسام میں سے یہ قسم ''قائم مقام خطاء'' ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سوئے ہوئے شخص پر کوئی گرے اور وہ سونے والا مر جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور قاتل کے عصبہ (ورثاء) پر دیت اور قاتل میراث سے بھی محروم ہوتا ہے۔ قتل کا گناہ نہیں ہوتا ہے۔ اسکی تفصیل عالمگیری کتاب الجنایات صفحہ : ٣، جلد ٦، بحر الرائق صفحہ ٢٩٢، جلد ٨، درمختار و شامی صفحہ : ٤٦٩، جلد ٥، تبیین الحقائق صفحہ : ١٠١، جلد ٦، درر غرر صفحہ : ٩١، جلد ٢ میں ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں ماں کو کفارہ دینا ہو گا اور وہ یہی ہے کہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

قصاص صرف تلوار سے لینے کا حکم

الاستفتاء:

مکرمی و محترمی حضرت مولانا مفتی وقار الدین صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ جناب کے مزاج بخیر ہوں گے۔ حضرت مولانا منیب الرحمٰن نے مجھے بتایا کہ جناب نے میری ایک ریڈیو کی تقریر سماعت فرمائی تھی، اس تقریر میں میں نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ "قصاص میں بجائے تلوار کے اگر مجرم کو پھانسی پر چڑھادیا جائے یا کسی اور چیز سے ماردیا جائے تب بھی درست ہے"۔ جناب نے اس پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ یہ مذہب اہل حنیفہ کے خلاف ہے اور "لا قود الا بالسیف" کے بھی خلاف ہے۔ فقیر استصواب کیلئے جناب کی خدمت میں چند سطور درج کررہا ہے۔ امید ہے کہ جناب ان سطور پر غور کے بعد قیمتی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔

میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ "لا قود الا بالسیف" میں حصر اضافی ہے اور صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قصاص میں قتل کیلئے طریقہ قتل یا آلہ قتل میں مماثلت ضروری نہیں ہے جیسا کہ بعض ائمہ نے فرمایا ہے بلکہ صرف "ازہاق روح" (روح کا جسم سے نکلنا) مقصود ہے اور اس کیلئے شریعت کے عمومی احکام اور اس حدیث مذکور کے پیش نظر "ایسر احسن" (آسان ترین) طریقہ ازہاق روح کا یہی ہے اس لئے حنفیہ نے اسکو اختیار کیا لیکن ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اس سے بھی "ایسر" (آسان) کوئی اور طریقہ موجود ہو تو اس پر عمل کی ممانعت انکے کلام کا مفہوم نہیں ہے۔ اس اجمال کے بعد گذارش ہے۔ اس حدیث کا ایک اور مفہوم بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے

معنی الحدیث ان القصاص لا یجب علی القاتل الا اذا قتل بالحدیدة او ما فی معناہ

(اعلاء السنن ،جلد (۱۸) کتاب الجنایات، باب قولہ لا قود الا بالسیف، صفحہ: ۷۷،۷۶، مکتبہ عباس احمد باز، مکۃ المکرمۃ)

اس اعتبار سے یہ حدیث قاتل کے قتل کا طریقہ بتانے کیلئے نہیں ہے بلکہ اس میں یہ بتایا جارہا ہے کہ قتل عمد جب ہی ہوگا جبکہ تلوار سے ہو۔

عبدالقادر عودہ کہتے ہیں :

الاصل فی اختیار السیف اداة للقصاص انها اسرع فی القتل وانه یزهق روح الجانی بأیسر ما یمکن من الالم والعذاب فاذا وجدت اداة اخرٰی اسرع من السیف واقل ایلاماً فلا مانع شرعاً من استعمالها فلا مانع من استقاء القصاص بالمقصلة والکرسی الکهربائی وغیرهما مما یفضی الی الموت بسهولة واسرع ولا یخلف الموت عنه عاده ولا یترتب علیه تمثیل بالقاتل ولا مضاعفة تعذیبه

(التشریع الجنای، جلد (۱) المبحث الرابع ، صفحه:۱۵۴، دار الکاتب العربی ، بیروت)

ان معروضات کے ساتھ گذارش ہے کہ اس مسئلے پر مزید غور فرما کر فقیر کو مطلع فرمائیں۔

والسلام مع التحیات الائقہ

سید شجاعت علی

الجواب :

محبّی جناب مفتی شجاعت علی صاحب قادری !

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جب تک آپ کا خط نہیں آیا تھا تو میں حسن ظن کی بناء پر آپ کے جواب کو سہو (بھول) سمجھتا تھا مگر آپ کا خط آنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ جواب عمداً دیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ کو یہ جواب لکھ رہا ہوں۔ آپ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ قصاص میں قتل کا کوئی مقرر طریقہ ہے یا نہیں ؟ تو حنفی مفتی ہونے کے اعتبار سے آپ کو یہ جواب دینا چاہیے تھا کہ " قصاص صرف تلوار کے ذریعہ لیا جائے گا" اس لئے کہ ائمہ ثلاثہ (یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم) کا یہی قول ہے اور اس کے خلاف فقہ حنفی میں منقول نہیں ہے۔ اور لا قود الا بالسیف (قصاص صرف تلوار کے ذریعہ ہے) اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ امام جعفر احمد بن محمد ازدی المصری طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے شرح معانی الآثار میں باب کا عنوان یہ مقرر کیا "باب الرجل یقتل رجلا کیف یقتل" اور اس بارے میں "لا قود الا بالسیف" کو متعدد اسناد کے ساتھ بیان کرنے کے بعد تحریر فرمایا :

وھو قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمة الله علیہم اجمعین

(جلد(۲) کتاب الجنایات، باب الرجل یقتل رجلا کیف قتل ، صفحہ: ۱۰۲، مکتبہ حقانیہ ، ملتان)

یعنی اور یہی امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد کا فرمان ہے۔

اسکے علاوہ بخاری و مسلم و صحاح کی اکثر کتابوں میں ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو قتل کر دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس اس یہودی کو لایا گیا :

فقتله رسول الله ﷺ بین حجرین

تو رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی کو پتھر کے درمیان قتل فرمادیا۔

اس واقعہ کی بناء پر حنفیہ کے علاوہ تمام ائمہ و محدثین کا مسلک یہ ہے کہ قاتل جیسے قتل کرے گا قصاص میں اسی طرح قتل کیا جائے گا۔ اس حدیث پر امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں :

وَ مِنْهَا اَنَّ الْجَانِیَ عَمَدًا یُقْتَلُ قِصَاصًا عَلَی الصِّفَةِ الَّتِیْ قُتِلَ فَاِنْ قَتَلَ بِالسَّیْفِ قُتِلَ ھُوَ بِالسَّیْفِ وَ اِنْ قَتَلَ بِحَجَرٍ اَوْ خَشَبٍ اَوْنَحْوِھِمَا قُتِلَ بِمِثْلِهٖ لِاَنَّ الْیَھُوْدِیَ رَضَخَھَا فَرُضِخَ ھُوَ

(مسلم شریف، جلد(۲) کتاب القسامة ، باب ثبوت قصاص، صفحہ : ۵۸، قدیمی کتب خانہ ، کراچی)

اور ان ہی مسائل میں سے یہ بھی ہے کہ قصداً زیادتی و جرم کرنے والا قصاصاً قتل کیا جائے اسی طرح جس طرح اس نے جرم کیا تھا پس اگر اس نے تلوار سے قتل کیا تھا تو وہ بھی تلوار سے قتل کیا جائے گا اور اگر پتھر، لکڑی یا ان جیسی کسی اور چیز سے قتل کرے تو اس کو بھی اس جیسی چیز سے قتل کیا جائے گا چونکہ یہودی نے اس عورت کا سر کچل دیا تھا اس لئے اس یہودی کا بھی سر کچل دیا گیا۔

درج بالا حدیث کی شرح عمدة القاری میں شارح بخاری الشیخ الامام العلامہ بدر الدین ابی محمد محمد بن احمد العینی التوفی ۸۵۵ھ نے لکھا :

واختلف العلماء فی صفة القَوَد فقال مالک انه یقتل بمثل ما قتل به فان قتله بعصا او بحجر او بالخنق او بالتغریق قتل بمثله وبه قال الشافعی واحمد وابو

ثور واسحاق وابن المنذر وقال الشافعی ان طرحه فی النار عمداً حتی مات طرح فی النار حتی یموت وقال ابراهیم النخعی وعامر الشعبی والحسن البصری وسفیان الثوری وابو حنیفة واصحابه لا یقتل القاتل فی جمیع الصور الا بالسیف واحتجوا بما رواہ الطحاوی

اور قصاص کے طریقہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا جس طرح قاتل نے قتل کیا تھا بعینہ اسی طرح قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا مثلاً اگر اس نے لاٹھی، پتھر یا گلا گھونٹ کر یا پانی میں ڈبو کر قتل کیا تھا تو اسی طرح اس کو بھی قتل کیا جائے گا اور یہی امام شافعی، امام احمد، امام ابو ثوری، امام اسحاق اور ابن منذر کا بھی قول ہے۔ اور امام شافعی نے فرمایا اگر اس نے قصداً آگ میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو قاتل کو بھی آگ میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے اور امام ابراہیم نخعی، عامر شعبی، حسن بصری، امام سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ اور صاحبین نے فرمایا کہ قاتل تمام صورتوں میں تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا اور ان لوگوں نے امام طحاوی کی روایت کو دلیل بنایا ہے۔

اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

وهولاء ستة انفس من الصحابة رووا عن النبی ﷺ انّ القود لا یکون الا بالسیف ویشد بعضه بعضاً واقل احواله ان یکون حسنا فصح الاحتجاج به

(جلد(۲۴) کتاب الدیات، باب سوال القاتل حتی یقر والاقرار فی الحدود، صفحہ: ۳۹، مطبوعه دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اور ان چھ حضرات صحابہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ قصاص تلوار ہی سے لیا جائے گا اور بعض روایتیں بعض کو تقویت دیتی ہیں اور اس کا کم از کم حال یہ ہو گا کہ وہ "حسن" ہے۔ لہٰذا اس کو دلیل بنانا صحیح ہے۔

ان دو اقوال کے علاوہ تیسرا کوئی قول نہیں ہے، آپ غور فرمائیں کہ "لا قود الا بالسیف" میں تاویل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی جبکہ یہ قولی حدیث ہے اور چھ صحابہ کرام سے مروی ہے، درجہ حسن ہے۔ اور یہودی والی حدیث میں چونکہ یہ لفظ موجود تھا "علی اوضاح" یعنی چاندی کے زیور کی وجہ سے یہودی نے قتل کیا تھا اس لئے وہاں صرف قصاص نہ تھا بلکہ مال لوٹنا بھی تھا۔ لہٰذا قولی حدیث کے مقابلے میں وہ محتمل فعل (احتمال والا کام) حنفیہ کے نزدیک قابل استدلال نہ ہوا مگر آپ کا جواب کہ "قتل کیلئے کوئی طریقہ مقرر نہیں ہے" کسی مذہب پر صحیح نہ ہوا۔ کیونکہ حدیث کی روشنی میں دو طریقوں میں سے کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر ہے اور بلاوجہ حدیث میں تاویل صحیح نہیں ہے۔

بلاوجہ کافر کو قتل کرنے کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب! السلام علیکم

اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں داخل ہو گیا ہو تو کیا وہ دار الحرب میں حربی کافر کو قتل کر سکتا ہے نیز حربی کا مال چوری کر کے یا کسی اور طریقہ سے حاصل کر کے استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

سائل: رشید محمد صدیقی

الجواب:

کسی شخص کو یہ جائز نہیں ہے کہ کسی کافر و مرتد کو دار الاسلام یا دار الکفر میں قتل کرے۔ کفار کو مندرجہ ذیل شکل و صورت میں قتل کیا جائے گا۔ اولاً انھیں دعوت اسلام دی جائے گی اگر قبول کر لیں تو وہ مسلمانوں کے بھائی ہوئے اور اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر جزیہ دینے پر آمادگی ظاہر کی تو پھر بھی انھیں قتل نہیں کیا جائے گا لیکن اگر جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو پھر ان سے جہاد کیا جائیگا۔ اور ان کو قتل کرنا جائز ہے جو مقابلے میں آئیں گے۔ اسی طرح کسی کافر کا مال لوٹ کر، چوری کر کے یا وعدہ خلافی کر کے دار الحرب سے دار الاسلام میں لانا مسلمان کیلئے جائز نہیں۔ کیونکہ مسلمان دھوکہ باز نہیں ہوتا۔

ضارب و مضروب کیلئے حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

حارصہ اور دامعہ میں قصاص ہے یا دیت یا دونوں سزائیں؟ چار افراد نے عمداً زید کو اتنے مکے مارے کہ زید نیم جان ہو گیا اور دو ماہ تک مضروب کے جسم پر نشانِ ضرب باقی رہے۔ حکومتِ عدل ضاربین پر شرعاً قصاص کا حکم کرے یا دیت کا یا ہر دو کا اور دیت کی ادائیگی مشترکہ کریں گے یا علیحدہ علیحدہ۔ ہر ایک ضارب پر قصاص ادا کرنے کا حکم کیا ہے؟

سائل: قاری عابد حسین، جامع مسجد شمس العارفین، کنگی والا، جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ

الجواب :

صورت مسئولہ میں قصاص ودیت نہیں۔ حکومت! انصاف کی برتری کے لئے یہ اقدام کرے کہ شخص مضروب کے ٹھیک ہونے تک معالج اور ادویہ پر جتنا خرچ ہوگا وہ ان ضاربین کو ادا کرنا لازمی ہوگا۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے الدر المختار میں لکھا:

والحارصة والدامعة والباضعة والمتلاحمة والسمحاق حكومة عدل

اسکے بعد آگے چل کر فرمایا:

تفسير الحكومة هو ما يحتاج اليه من النفقة اجرة الطبيب والادوية الى ان يبرأ

(برحاشيه شامی، جلد (۵) كتاب الديات، فصل فی الشجاج، صفحه: ۴۱۲، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

یعنی کھال پھٹنے والے زخم، خون بہنے، خون نکلنے، گوشت پھٹنے اور سر کی ہڈی کے زخم میں برابری کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور فیصلہ مساوات یہ ہے کہ جارح سے ڈاکٹر کی فیس اور ادویات کی قیمت وصول کی جائے گی۔

رجم و سنگسار کا بیان

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

آپ کو معلوم ہے کہ بہت سارے پاکستانی عرب میں ہیں۔ اکثر اوقات دینی مسائل میں گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ بعض مسائل ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ہمیں عربی زبان پر عبور حاصل نہیں اس لئے ہم سعودی علماء سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے۔ آج کل ہمارے یہاں رجم (سنگسار) کا موضوع چل رہا ہے۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

سائل : نصیر احمد، سعودی عرب

الجواب :

رجم کا حکم قرآن کریم میں تھا اور الفاظ یہ تھے :

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھا نکالاً من اللّٰہ واللّٰہ عزیز حکیم o

یعنی بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو رجم کرو اللہ کی جانب سے یہ عتاب ہے اور اللہ غالب ہے اور O والا ہے۔

اس آیت کی تلاوت منسوخ ہو گئی۔ حدیث پاک میں ہے اور اس حدیث کو عساکر الملت والدین ابو الحسین امام مسلم بن الحجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ نے اپنی صحیح مسلم میں نقل کیا ہے :

عن عبد الله بن عباس يقول قال عمر بن الخطاب وهو جالس على منبر رسول الله ﷺ ان الله بعث محمداً ﷺ بالحق و انزل عليه الكتاب فكان مما انزل الله عليه اية الرجم قرأناها بها ووعيناها وعقلناها و رجمنا بعده فاخشى ان طال بالناس زمان ان يقول قائل ما نجد الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة انزلها الله وان الرجم في كتاب الله حق على من زنى اذا احصن من الرجال والنساء اذا قامت البينه او كان الحبل اوالاعتراف

(جلد(۲) کتاب الحدود، باب حد الزنا ، صفحه: ۶۵، قديمی کتب خانه ، کراچی)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنھما) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے منبر رسول پر بیٹھے ہوئے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب

نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو آیات نازل کیں، ان میں رجم کی آیت بھی تھی ہم نے اسکو پڑھا، یاد رکھا اور سمجھا ۔ اور رسول اللہ ﷺ نے رجم فرمایا اور اس کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ سو مجھے خوف یہ ہے کہ زیادہ زمانہ گذرنے کے بعد کوئی کہنے والا یہ کہے گا کہ کتاب اللہ میں رجم کی آیت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فرض کو ترک کر کے لوگ گمراہ ہو جائیں گے بے شک رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں باقی ہے ان شادی شدہ مرد و عورت کیلئے جو زنا کریں اور گواہی سے اسکا ثبوت ہو جائے یا وہ حاملہ ہو جائے یا ان میں سے کوئی بھی اعتراف کر لے۔

اور بخاری و مسلم ہی میں دوسرے واقعہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اغد يا انيس الى امرأة هذا فان اعترفت فارجمها قال فغدا عليها فاعترفت فامر بها رسول الله ﷺ فرجمت

(حوالہ بالا)

اور اے انیس اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اگر وہ اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ صبح اس کے پاس گئے اس نے اقرار کر لیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کو رجم کر دیا گیا۔

نیز بخاری و مسلم میں ایک طویل حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ یہودیوں میں ایک مرد و عورت نے زنا کیا تھا وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور توریت کے بارے میں حضور ﷺ نے ان سے سوال کیا تھا کہ اس میں رجم کا حکم ہے یا نہیں تو انہوں نے انکار کیا تو توریت منگوائی گئی انہوں نے توریت کو کھولا اور آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر چھپا لیا اور اس کے بعد اور پہلے والی آیات پڑھ دیں جب ان کا ہاتھ اٹھوایا گیا تو اس میں آیت رجم لکھی ہوئی تھی تو ان دونوں زانیوں کو رجم کیا گیا۔

(حوالہ بالا)

اس سے معلوم ہوا کہ رجم کا حکم توریت میں بھی تھا اس کے بعد مسلمانوں کیلئے اس میں تردد کی کوئی وجہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حد قذف

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زنا کی تہمت لگانے والے کی کیا سزا ہے؟ وضاحت فرمائیں جبکہ گواہی بھی مکمل نہ ہو۔

سائل: محمد عبداللہ، نارتھ کراچی

الجواب:

زنا کیلئے چار مردوں کا گواہی دینا شرط ہے، اور وہ بھی اس طرح دیکھیں کہ جیسے سلائی، سرمہ دانی میں ہوتی ہے۔ اگر گواہان چار بھی ہوں مگر اس طرح نہ دیکھیں بلکہ مرد و عورت کو کمرے میں کسی طرف دیکھیں اور وہ برہنہ ہوں تب بھی کسی پر زنا کی تہمت نہیں لگا سکتے اور اگر زنا کی تہمت لگائیں گے تو ان پر "حد قذف" لگائی جائے گی۔ اور وہ اسی کوڑے ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَo

(سورۃ(۲۴)النور، آیت: ۴)

اور جو پارسا عورتوں پر عیب لگائیں پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انھیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں۔

تہمت لگانے والے کیلئے شرعی حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ایک شخص کی شادی ہوئی اور میاں بیوی خوش رہنے لگے۔ اس لڑکی کی ماں اپنی بیٹی کے گھر جاتی ہے اور وہاں رہتی ہے، پھر وہ الزام لگاتی ہے کہ میرے داماد نے میرے ساتھ زنا کیا ہے۔ اور اپنی لڑکی کو ساتھ لاتی ہے۔ داماد اس الزام پر قسم اٹھاتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، جھوٹ ہے۔ ساس کا دعوی ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ تو اس صورت میں شرعی فیصلہ کیا ہوگا۔ کیا اس صورت میں اس شخص کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں اور کون مجرم ہوگا اور کس کی بات مانی جائے گی؟ براہ کرم شرعی فیصلے سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا وتوجروا

سائل: غلام قمر الدین، مدرس دار العلوم امجدیہ

الجواب :

کسی عورت کا کسی شخص پر بلا ثبوت یہ الزام لگانا کہ اس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے، قابل قبول نہیں۔ شریعت میں زنا کے بارے میں یہ قانون مقرر کیا گیا ہے کہ زنا کا ثبوت چار مرد، عاقل، بالغ مسلمانوں کی شہادتوں سے ہو سکتا ہے۔ اگر گواہ چار سے کم ہوں تب بھی کسی شخص پر زنا کا الزام نہیں لگا سکتے ہیں۔ اگر چار سے کم گواہ ہوں اور وہ کسی شخص کے متعلق زنا کرنے کی بات کریں تو قرآن کریم نے ان کو جھوٹا کہا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اسی کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔

لہٰذا ساس کا داماد پر الزام قابل قبول نہیں۔ اسے توبہ کرنی چاہیئے اور داماد سے معافی مانگنی چاہیئے۔ اس بارے میں شرعی حکم تو یہ ہے۔ لیکن داماد کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اگر اس نے شہوت کے ساتھ ساس کو ہاتھ بھی لگایا ہے یا "معاذاللہ" زنا کیا ہے، تو اسکی بیٹی ہمیشہ کیلئے اس پر حرام ہو گئی۔ لہٰذا آخرت کا خیال کر کے اگر واقعی ایسا ہوا ہے جیسا ساس نے الزام لگایا ہے تو اسے فوراً اپنی بیوی سے جدا ہو جانا چاہیئے، ساس پہلے ہی حرام تھی اور بیوی اب حرام ہو گئی ہے۔

جانور کے ساتھ بد فعلی

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) ایک شخص ایسا ہے، جس نے ایک گائے سے غیر فطری فعل کیا۔ گائے کے مالک نے گائے کی قیمت وصول کی، اس شخص کے والد نے اس گائے کو دوسری جگہ فروخت کر دیا۔

(۲) گائے فروخت کر کے گھر نہیں پہنچا تھا کہ رستہ میں اس کے بیٹے کے دوسرے فعل کے بارے میں معلوم ہوا۔ اس نے بکری کے ساتھ بھی ایسا ہی فعل بد کیا ہے۔ شخص مذکور نے متعدد بار ایسے کام مختلف گایوں اور بکریوں کے ساتھ کئے ہیں۔ ایسے آدمی کیلئے شرع مطہرہ میں کیا حکم ہے؟ نیز ایسے بدبخت شخص کی پشت پناہی کرنے والے کیلئے کیا حکم ہے؟

سائل : ملک امان

الجواب :

حدیث شریف میں ایسے شخص کے بارے میں سخت توبیخ فرمائی گئی، جس نے بار بار ایسی حرکت کی ہے وہ سخت گناہ گار ہے۔ اسے توبہ کرنی چاہیئے۔ اور جب تک وہ توبہ نہ کرے لوگ اس کے ساتھ تعلقات نہ رکھیں۔ ایسے جانور کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کو ذبح کر کے جلادیا جائے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا ہے :

تذبح ثم تحرق

(بر حاشیه شامی ، جلد (۳) کتاب الحدود، مطلب فی وطی الدابة ، صفحه: ۱۷۰، مکتبه رشیدیه ، کوئٹه)

اس جانور کو ذبح کر کے جلادیا جائے۔

اور اس جانور کی قیمت اس شخص سے لی جائے گی۔

قسم اور گواہی کا بیان

حلف پر فیصلہ صادر کرنا

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

گذارش عرض یہ ہے کہ کیا عدالت فریقین کو عدل وانصاف کے حصول کیلئے دستاویزی ثبوت کے حق سے محروم کر کے صرف حلف کے ذریعہ فیصلہ صادر کر سکتی ہے اور یہ فیصلہ ازروئے شریعت درست اور قابل عمل ہوگا یا نہیں؟

سائل: محمد کفیل، قصبہ کالونی، کراچی

الجواب:

شریعت کا قانون یہ ہے کہ مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں اگر وہ شریعت کی شرائط کے مطابق گواہ پیش

کردے گا تو اسکا دعوٰی ثابت ہو جاتا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے اور مدعی علیہ (جس پر دعوی کیا گیا) اگر اس دعوی سے انکار کر رہا ہے تو اس سے حلف (قسم) لیا جائے گا اگر وہ حلف اٹھالیتا ہے تو مدعی کا دعوی باطل ہو جائے گا۔ اور اگر وہ حلف سے انکار کر دے تو مدعی کا دعوی صحیح مان کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا:

البیّنۃُ علی المُدّعِیْ والیمینُ علی المُدّعی علیْہِ

(جلد(۱) کتاب الرھن، باب اذا اختلف الراھن والمرتھن، صفحہ: ۳۴۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

یعنی گواہی پیش کرنا دعوی کرنے والے پر ہے اور قسم اس کیلئے ہے جس پر دعوی کیا گیا۔

مدعی نے اگر تحریری دستاویزی ثبوت پیش کر دیا اور اس دستاویز کے گواہ بھی پیش کر دیئے تو اس سے بھی دعوی ثابت ہو جائے گا لیکن مدعی سے کسی صورت میں حلف نہیں لیا جائے گا۔ اس قانون شرع کے خلاف اگر کوئی قاضی فیصلہ کرے گا تو شرعاً وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

صرف دعوی پر فیصلہ صادر کرنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ:

فرض کریں کسی مکان میں صرف ایک مرد اور ایک عورت یعنی خاوند بیوی یا بہن بھائی رہتے ہیں۔ اب کوئی مرد کو قتل کر دے تو جس کی گواہ صرف وہ ایک عورت ہے، عورت قاتل کو اچھی طرح پہچانتی بھی ہے۔ آیا اس ایک عورت کی گواہی پر عدالت قاتل سے قصاص لے گی یا کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا

سائل: مقصود احمد

الجواب :

کسی چیز کا واقع میں ہونا اور بات ہے اور دنیاوی کورٹ، کچہری یا قاضی کے سامنے واقعہ کا ثابت ہونا اور بات ہے۔ تمام دنیا کے قوانین میں جج اور حاکم، شہادت (گواہی) کی بنیاد پر فیصلہ کرتے ہیں۔ شہادت نہ ہو تو دعوٰی ثابت نہیں ہوتا ہے۔ آپ نے جو فرضی صورت لکھی ہے، اس میں تو گواہ ہے ہی نہیں، وہ عورت تو مدعیہ ہے۔ مدعی اور گواہ کا فرق تو آپ سمجھتے ہی ہوں گے۔ اگر صرف مدعی کے کہنے پر دعوؤں کا ثبوت ہو جائے، تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اسی بات کو حدیث میں بیان کیا گیا اور اس حدیث کو عساکر الملت والدین ابو الحسین امام مسلم بن الحجاج القشیری متوفی: ۲۶۱ھ نے اپنی صحیح مسلم میں نقل کیا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَوْ یُعْطَی النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَی النَّاسُ دِمَآءَ رِجَالٍ وَّ اَمْوَالِهِمْ وَلٰكِنَّ الْیَمِیْنَ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ

(جلد (۲) کتاب الاقضية، باب اليمين على المدعٰى عليه، صفحه: ۷۴، قديمی کتب خانه، کراچی)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر لوگوں کو صرف ان کے دعوی کی بناء پر ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے تو وہ لوگوں کے خون اور مال کا دعوٰی کر دیں گے اس لئے صرف دعوٰی کوئی چیز نہیں البتہ مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔

لہٰذا آپ کی فرضی صورت دنیا میں کوئی بھی دعوی کے ثبوت کیلئے کافی نہیں سمجھے گا۔

خدا اور رسول ! کو حاضر و ناظر کہہ کر جھوٹی گواہی دینا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

اگر کوئی شخص کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دے اور کہے کہ خدا اور رسول کو حاضر و ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں مگر اس کے دل میں احساس ہوتا رہے کہ میں نے غلطی کی ہے تو ایسے شخص کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب :

جھوٹی گواہی دینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ اور یہ کہہ کر کہ خدا اور رسول کو حاضر و ناظر جان کر بات کہہ رہا ہوں اور وہ بات جھوٹ ہو، تو ایسا کہنے والے کو تجدیدِ ایمان اور اگر شادی شدہ ہے تو تجدیدِ نکاح بھی ضروری ہے۔

ایفائے عہد

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک آدمی دوسرے سے وعدہ کرے کہ میرے ہاں اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کو میں تمھیں دے دوں گا۔ اتفاقاً اس کے ہاں دو بچیاں پیدا ہوئیں، ان میں بڑی بچی کے بارے میں اس نے فیصلہ کیا کہ میں وعدے کے مطابق اس آدمی کو دے دوں گا مگر گھر والوں نے دینے سے انکار کر دیا اور اس بچی کا انتقال بھی ہو گیا۔ اب اس صورت میں اس کا وعدہ پورا ہو گیا یا نہیں اور ایسا وعدہ کرنا چاہیے یا نہیں ؟

سائل : بابو دین قادری، لانڈھی، کراچی

الجواب :

اس طرح کے وعدے نہیں کرنے چاہئیں۔ بچہ کب پیدا ہو گا، بڑے ہونے تک کیا حالات ہوں گے یہ سب کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسا وعدہ نہ کرے اور اگر کرے تو انشاء اللہ کے ساتھ مقید کرے۔ بچی کا جب انتقال ہو گیا تو وعدہ پورا کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور ایفائے عہد کا بھی وجوب شرعی نہیں ہے۔ اخلاقیات میں سے ہے۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے وعدہ پورا نہ کر سکے تو گناہ نہیں ہوتا ہے۔ احادیث میں وعدہ خلافی کی جو وعیدیں آئی ہیں وہ "اس صورت میں ہے کہ جب وعدہ کرنے والا زبان سے وعدہ کرے اور دل میں یہ طے کر لیا ہے کہ اس کو پورا نہیں کروں گا"۔

قسم کا بیان

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
کوئی شخص گواہی دیتے ہوئے یوں کہے "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو بات کہوں گا سچ کہوں گا یا میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں" پھر وہ گواہی دیتے ہوئے واقعہ کے خاص پہلو کو ظاہر نہ کرے کہ جس کا تعلق سزا یا رہائی سے ہو۔ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا

الجواب :

اس نے قسم کھاتے ہوئے جو کہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بیان کرے گا، وہ سچ ہوگا جھوٹ نہیں ہوگا۔ یہ نہیں کہا جو کچھ جانتا ہوں سب بیان کروں گا، اس میں سے چھپاؤں گا نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر کچھ باتوں کو بیان نہ کرے تو اس کی قسم پر کچھ فرق نہیں پڑے گا یعنی کفارہ نہیں ہے۔

جھوٹی قسم کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
میں ایک سرکاری ملازم ہوں اور آج کل دفاتر وغیرہ کا جو حال ہے، اس سے آپ بھی بخوبی واقف ہوں گے۔ غلط بیانی سے کام لیا جاتا ہے۔ میں نے حکام بالا کے مجبور کرنے پر غلط بیانی اور جھوٹا بیان حلفیہ دیا لیکن میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے، آخرت کا اندیشہ ہے۔ نوکری باقی رکھنے کیلئے حکام بالا کے حکم اور زبردستی سے جھوٹی گواہیاں دینی پڑتی ہیں۔ ان حالات میں بہتری کی کیا سبیل ہو سکتی ہے۔ جواب عنایت فرمائیں۔ آپ کا مشکور ہوں گا۔
سائل : صوبیدار محمد سرور، گوادر

الجواب :

آپ نے جو باتیں لکھی ہیں، اگر یہ صحیح ہیں تو ایسی جھوٹی قسم جو جان بوجھ کر کھائی گئی، سخت ترین گناہ کبیرہ ہے۔ "رزاق اللہ تعالیٰ ہے"۔ انسان پر لازم ہے کہ ملازمت باقی رکھنے یا دنیاوی مفاد کیلئے اس طرح کی جھوٹی قسمیں نہ کھائے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔ اگر ملازمت چلی جائے گی تو اللہ تعالیٰ حصول رزق کا کوئی اور ذریعہ بنا دے گا۔ جو گناہ کبیرہ آپ کر چکے ہیں، سچے دل سے توبہ کریں اور خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور گناہ بخشنے والا ہے۔

عملِ مستقبل کیلئے کھائی جانے والی قسم کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں نے ایک عورت سے قسم کھائی تھی کہ میں تم سے شادی کروں گا لیکن اس بات کا میرے گھر والوں کو علم نہ تھا۔ میرے گھر والوں نے میری شادی اپنی مرضی کے مطابق کر دی۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے کیونکہ میں نے جس عورت سے شادی کی قسم کھائی تھی، اس سے شادی نہ کر سکا۔ آیا قسم کا کفارہ دینا ہوگا یا کوئی اور حل ہے ؟

سائل : عبدالوحید، کورنگی، کراچی

الجواب :

اس قسم میں یہ قید نہیں ہے کہ میں تم ہی سے شادی کروں گا۔ لہٰذا قسم ابھی ٹوٹی نہیں۔ اب بھی قسم پر عمل کرنا ممکن ہے کہ آپ اس عورت سے بھی شادی کر لیں۔ قسم کا کفارہ قسم توڑنے کے بعد واجب ہوتا ہے۔ اگر قسم اٹھانے والے کی نیت میں یہ ہے کہ میں تم ہی سے شادی کروں گا اور کسی سے نہیں کروں گا تو اس صورت میں قسم ٹوٹ گئی۔ اب کفارہ دیں۔ اور اگر یہ نیت نہ تھی تو قسم موت کے وقت ٹوٹ جائے گی اس وقت یہ ثابت ہوگا کہ اس عورت سے شادی نہ کی اس صورت میں کفارے کی وصیت کرنا ہوگی کہ مرنے کے بعد ادا کر دیا جائے۔

کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں جس کو صبح کھلائیں اسی کو شام کے وقت

بھی کھلائیں۔ یہ اختیار ہے کہ دسوں کو ایک دن کھلادیں یا ایک کو دس دن تک روزانہ دونوں وقت کھلائیں اور اگر کھانا کھلانے کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھیں۔ اور قسم ٹوٹنے سے پہلے اگر کفارہ دے دیا جائے تو ادا نہیں ہوتا ہے۔

امین (امانت دار) سے چوری ہونے والے مال کے تاوان کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مؤذن یا کوئی شخص مسجد کی بجلی کے بل کی رقم جمع کروانے جارہا تھا، راستہ میں اس کی جیب کٹ گئی۔ کیا اسکو تاوان دینا ہوگا؟

سائل: محمد احسان، جمشید روڈ، کراچی

الجواب:

علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ نے فتاوٰی قاضی خان میں لکھا:

وللمودع ان یسافر بمال الودیعة

(برحاشیه عالمگیری، جلد(۳) کتاب الودیعة، فصل فیما یضمن المودع، صفحه: ۳۷۳، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

یعنی امین کیلئے جائز ہے کہ وہ مال امانت کو ضرورتاً اپنے ساتھ سفر میں لے جائے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں شخص مذکور مسجد کے بل کی ادائیگی کیلئے جو رقم اپنے ہمراہ لے جارہا تھا اور وہ اسی طرح اس کی حفاظت کر رہا تھا، جس طرح کہ وہ خود اپنی رقم کی حفاظت کرتا ہے اور جیب کٹ گئی تو ایسی صورت میں اس پر اس رقم کا تاوان نہیں۔

امانت ضائع ہونے پر امین سے تاوان لینے کا حکم

الأستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک آدمی اپنے گاؤں جارہا تھا، لوگوں نے اس کو اپنا کچھ سامان وغیرہ اپنے اپنے گھر والوں کے لئے دیا۔ راستہ میں اسکو ریل گاڑی میں بے ہوش کر کے سارا سامان لوٹ لیا گیا۔ اب تمام لوگ اپنا سامان یا اس کی قیمت مانگ رہے ہیں۔ مال ضائع ہونے میں اس کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ کیا اس شخص پر سامان کا تاوان دینا ضروری ہے ؟

سائل : کالو خان، منظور کالونی، کراچی

الجواب :

صورت مسئولہ میں شخص مذکور نے اگر واقعی اپنے حوالے کی جانے والی امانتوں کی، اسی طرح حفاظت کی تھی، جیسا کہ وہ اپنے سامان کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے باوجود، اس سے یہ امانتیں چھین لی گئیں، تو ایسی صورت میں اس شخص پر تاوان نہیں۔ اور اگر اس شخص نے ان امانتوں کی اس طرح حفاظت نہیں کی، جس طرح یہ اپنے مال اور سامان کی حفاظت کرتا ہے، تو اس صورت میں اس پر تاوان ہے۔

زندگی میں تقسیم وراثت کا بیان

زندگی میں تقسیم وراثت کے بارے میں اصول

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میرے بھائی کی بیوی کے انتقال کو عرصہ دراز ہو گیا ہے، ان کے بطن سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے، جو کہ اس وقت شادی شدہ ہے۔ میرے بھائی نے ایک مکان خریدا جو کہ میری بھاوج مرحومہ کے نام تھا۔ میری بھاوج کے انتقال کے بعد میرے بھائی نے نکاح ثانی کیا۔ دوسری بھاوج کے بطن سے ۴ لڑکے ہیں۔ میرے بھائی کا کہنا ہے کہ میں اس مکان کا حصہ اپنے بچوں کو شریعت محمدی ﷺ کے مطابق دینا چاہتا ہوں۔ لہٰذا انتہائی ادب کے ساتھ حضور والا سے استدعا ہے کہ شریعت کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں۔

درخواست گذار : اظہار احمد عرف محمد شبیر ولد حافظ نور احمد مرحوم، لیاقت آباد، کراچی

الجواب :

مکان جب بیوی کے نام سے خریدا گیا تھا تو ظاہر یہی ہے کہ وہ بیوی کی ملکیت تھا۔ بیوی کے مرنے کے بعد اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا اور خود شوہر وارث ہوئے۔ اس مکان کا ایک چوتھائی حصہ شوہر کو ترکہ میں ملا ایک چوتھائی لڑکی کو اور آدھا لڑکے کو۔ اب شوہر اپنے اس چوتھائی حصہ کو اگر زندگی میں دینا چاہتا ہے تو اسے پہلی بیوی کی اولاد اور دوسری بیوی کی اولاد سب کو برابر دینا ہوگا۔ لڑکے اور لڑکی کے حصہ میں فرق مرنے کے بعد ترکہ تقسیم کرنے میں ہوتا ہے۔ زندگی میں برابر دینا ہوگا۔ کمی وزیادتی کرنے کو یا کسی کو دینے اور کسی کو نہ دینے کو حدیث میں ظلم قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر وہ دینا چاہتا ہے تو اپنا حصہ دونوں بیویوں کی اولادوں کو برابر برابر دے دے۔

نوٹ :

زندگی میں مال کی جو تقسیم ہوتی ہے اسے عطیہ کہا جاتا ہے اور جو مرنے کے بعد مال کی تقسیم ہوتی ہے اسے ورثہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا زندگی کی تقسیم میں لڑکے لڑکی کو برابر برابر دینا پڑتا ہے جبکہ وراثت میں لڑکی کے مقابل لڑکے کو دوگنا ملتا ہے۔ (مرتب)

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میں نے تقریباً ۲۰ سال قبل شادی کی۔ اولاد نہ ہونے کے سبب بیوی کی اجازت سے دوسری شادی کی، جس سے دو بچیاں ہیں۔ دونوں بیویوں سے برابری کا سلوک کرتا ہوں۔ میرے پاس ایک مکان اور کچھ بینک بیلنس بھی ہے، میں چاہتا ہوں کہ زندگی میں یہ شرعی تقاضوں کے مطابق تقسیم ہو جائے۔ براہ کرم رھنمائی فرمائیں کہ شریعت کے مطابق دونوں بیویوں اور بچیوں کو کتنا کتنا حصہ آئے گا۔

سائل : محمود حسین

الجواب:

ترکہ کے احکام مرنے کے بعد ہوتے ہیں۔ زندگی میں ہر شخص کو اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن اولاد میں برابر تقسیم کرے گا یہاں تک کہ لڑکے اور لڑکی کو برابر دے گا۔ بیویوں کو جتنا چاہے دے سکتا ہے۔ مگر دونوں بیویوں کو برابر دے۔

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

گذارش عرض یہ ہے کہ زندگی میں اپنا مال ورثاء میں تقسیم کرنا ہو، تو کیسے تقسیم کیا جائے؟

سائل: خالد رفیق، ملیر سٹی، کراچی

الجواب:

زندگی میں اگر کوئی شخص اپنی اولاد میں مال تقسیم کرنا چاہتا ہو تو لڑکے اور لڑکی کو برابر دے، کم زیادہ نہ دے۔ اور کسی کو دے اور کسی کو نہ دے، اس کو حدیث میں ظلم فرمایا ہے۔ صرف دینی فضیلت کی وجہ سے زیادہ دے سکتا ہے یعنی جو اولاد دینداری میں زیادہ ہو، اس کو زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو امام ابی جعفر احمد بن محمد ازدی المصری الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے شرح معانی الآثار میں نقل کیا:

یعطی الابنۃ مثل ما یعطی الابن

بیٹی کو بیٹے کے مثل دیا جائے گا۔

(طحطاوی ج ۳، ص ۱۰۰۴)

اسی قول کو مفتی بہ بتایا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

زندگی میں تقسیم ورثہ اور ورثاء کو قبضہ دینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میری چھ اولادیں ہیں۔ چار لڑکیاں اور دو لڑکے۔ ایک لڑکے کے علاوہ باقی سب کی شادیاں ہوگئی ہیں۔ میری کچھ جائیداد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی زندگی میں اس کو فروخت کر کے جس کا جو حصہ بنتا ہے اس کو دے دوں۔ تاکہ آخرت میں جوابدہ نہ ہوں۔

سوال یہ ہے کہ جو لڑکا غیر شادی شدہ ہے، اس کی شادی کے اخراجات نکال کر بقیہ رقم تمام ورثاء میں تقسیم کردوں؟ نیز لڑکیوں اور لڑکوں کا حصہ کتنا کتنا بنتا ہے؟

سائل : عبدالکریم، حیدرآباد، سندھ

الجواب :

شریعت کا اصول یہ ہے کہ ترکہ کو مورث کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ زندگی میں مرض الموت سے پہلے پہلے ہر شخص کو اپنے مال میں تصرف کرنے کا اختیار ہے۔ لیکن باپ اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو اگر کچھ دینا چاہے تو لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر برابر دے۔ اور جس کو دے گا اس کے قبضے میں دے دینا بھی شرط ہے۔ ورنہ ہبہ باطل ہو جائیگا۔ جس لڑکے کی شادی نہیں ہوئی ہے، اس کی شادی کیلئے رقم علیحدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اپنی اولاد میں سے کسی کو دینا اور کسی کو نہ دینے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید اپنی ماں کیلئے مکان بنانا چاہتا ہے، اپنے خرچ سے۔ یعنی مکان کی زمین بھی خرید رہا ہے اور مکان بنانے کا خرچہ بھی برداشت کرے گا۔ اب ماں یہ چاہتی ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں یہ مکان میرے نام پر رہے اور میرے

مرنے کے بعد یہ مکان اپنے کسی ایک یا ایک سے زائد بیٹوں کو دے دوں یعنی ابھی وصیت لکھ دوں تو کیا یہ شرعاً جائز ہے ؟ جبکہ ان کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں موجود ہیں۔

الجواب :

ماں کے نام سے مکان بنادینا بہت اچھی بات ہے مگر ماں مالک ہونے کے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کیلئے وصیت نہیں کر سکتی ہے اور اگر وصیت کرے گی تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے، اور اس حدیث کو ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابی داؤد میں نقل کیا :

فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

(حصه دوم، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الوصية لوارث ، صفحه: ۴۰، مكتبه حقانيه ، ملتان)

یعنی وارث کے حق میں کوئی وصیت قابل قبول نہیں۔

اور اگر اپنی زندگی میں کسی کو ہبہ کرے گی تو تمام اولاد کو ہبہ کرنا ہوگا اور لڑکے اور لڑکیوں کو برابر دینا ہوگا کسی کو دینے اور کسی کو نہ دینے کو حدیث میں ظلم فرمایا اور پھر جن کو ہبہ کرے گی ان کو قبضہ بھی دینا ہوگا ورنہ ہبہ باطل ہو جائے گا۔

نافرمان اولاد کو میراث سے محروم کرنے کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

گذارش عرض یہ ہے کہ اگر کسی کی اولاد نافرمان ہو، تو کیا باپ ان کو میراث سے محروم کر سکتا ہے اور کیا

اولاد کو دینے کے بجائے اپنا مال واسباب کسی نیک کام میں لگادے مثلاً مسجد بنادیناوغیرہ کیا یہ جائز ہے ؟ از روئے شرع وضاحت فرمائیں۔

سائل : حافظ فخر الدین، ڈرگ کالونی، کراچی

الجواب :

اولاد اگر فاسق ہو اور باپ کی نافرمان ہو تو باپ کیلئے یہ جائز ہے کہ اپنا مال کسی نیک کام میں خرچ کردے اور اولاد کو میراث سے محروم کردے۔ علامہ زین الدین المعروف ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا :

ولو كان ولده فاسقًا فاراد ان يصرف ماله الى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه

(جلد(۷) كتاب الهبة ، صفحه: ۲۸۸، مكتبه رشيديه ، كوئٹه)

یعنی اگر کسی کی اولاد فاسق ہو اور باپ چاہتا ہو کہ اپنے مال کو نیکی کے کاموں میں لگادے اور انھیں میراث سے محروم کردے تو ان کو دینے سے یہ بہتر ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاد کے جو حالات لکھے ہیں ایسی اولاد کو نہ دیناہی بہتر ہے اور مسجد کیلئے وقف کردینا اچھا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

عاق ! کی شرعی حیثیت

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

کیا والدین اپنی اولاد میں سے کسی کو اپنی جائیداد سے عاق کرسکتے ہیں یعنی نافرمان قرار دے کر جائیداد سے محروم کرنا اور انکا یہ فیصلہ شرعی طور پر نافذ العمل ہوگا یا نہیں ؟

سائل : ایوب انصاری

الجواب :

عاق کے معنی نافرمان کے ہیں۔ لیکن باپ کا اولاد کو عاق کر دینا اور اخباروں میں چھاپ دینا، اولاد کو وراثت سے محروم نہیں کرتا۔ ہر شخص زندگی میں اپنے مال کا مالک ہے، جو چاہے تصرف کرے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کی تقسیم اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی اور سب کے حصے قرآن پاک میں مقرر کر دیئے۔ لہٰذا اسی کے مطابق سب کو حصہ ملے گا۔

مورث کا برابر تقسیم نہ کرنا

الاستفتاء :

جناب عالی!

السلام علیکم

گذارش عرض یہ ہے کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ ورثاء میں دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ میرے والد مرحوم نے ایک دوکان اور اس میں تجارتی سامان، جس کی مالیت تقریباً ۲۵ لاکھ روپے ہے، میرے بھائیوں کے نام کر دی۔ مگر ابھی انہوں نے بھی اس کو آپس میں تقسیم نہیں کیا۔ میرا حصہ اس دوکان کے علاوہ جو جائیداد ہے، تقریباً تین لاکھ ہے۔ اس میں میرا حصہ صرف ساٹھ ہزار رکھا ہے۔ اور تیسری جائیداد جو تقریباً پانچ لاکھ مالیت کی ہے۔ اس میں والد مرحوم نے بھائیوں کے کہنے کے مطابق اس میں سے تہائی حصہ اپنی پوتیوں کیلئے وصیت کر دی۔ یعنی تقریباً کل جائیداد ۳۳ لاکھ ہے اور میرے حصے میں تین لاکھ ساٹھ ہزار آئی ہے۔ کیا میرے والد کو اس قسم کی تقسیم کرنے کا شرعاً کوئی حق حاصل تھا یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

سائلہ : شمیم اختر بتوسط امتیاز حسن، ماڈل کالونی، کراچی

الجواب :

جو دوکان والد نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکوں کو دے دی تھی اگر اس پر لڑکوں کو قبضہ بھی دے دیا تھا تو یہ

ہبہ صحیح ہو گیا تھا اور لڑکے اس کے مالک ہو گئے تھے۔ والد نے یہ گناہ کیا کہ صرف لڑکوں کو اتنی مالیت کی دو کان دے دی اور لڑکی کو کچھ نہ دیا۔ حدیث شریف میں اس کو ظلم کہا گیا۔ اور اگر قبضہ نہیں دیا تھا صرف زبانی یا تحریری طور پر دیدی تھی تو یہ دینا باطل ہے۔ ہبہ بغیر قبضہ کے باطل ہو تا ہے۔ للہذا اس میں ترکہ تقسیم ہو گا پانچ حصے کر کے دودو حصے دونوں بھائیوں کے اور ایک بہن کا ہو گا۔ اور تین لاکھ میں سے آپ کو ساٹھ ہزار دے دیئے وہ صحیح دیئے۔ باقی جائیداد جسکے متعلق وصیت کا تذکرہ سوال میں ہے اگر اس وصیت کا ثبوت شرعی طور پر گواہوں سے ہو جائے تو وصیت پر اس طرح عمل کیا جائے گا کہ کل ترکہ میں سے ایک تہائی مال میں وصیت پر عمل ہو گا باقی دو تہائی وارثوں میں تقسیم ہو جائیگا۔

سوال میں جو صورت لکھی اسکے اعتبار سے اگر دو کان کا ہبہ صحیح ہو گیا تھا تو ترکہ تین لاکھ روپیہ نقد کا مکان ہے تو آٹھ لاکھ میں سے ایک تہائی یعنی دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے پوتیوں کو دے دیئے جائیں گے۔ باقی مکان کی قیمت کے پانچ حصے کر کے دودو حصے لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو مل جائے گا اور اگر دو کان کا ہبہ صحیح نہیں ہوا تھا یعنی قبضہ نہیں دیا تھا تو ۲۵ لاکھ کی دو کان اور نقد اور مکان سب ملکر ۳۳ لاکھ ترکہ ہو گیا، اس میں سے پانچ لاکھ کے مکان کی وصیت تہائی سے کم ہے۔ للہذا پورا مکان پوتیوں کو دے دیا جائے گا۔ باقی دو کان اور نقد روپیہ ۵ حصے کر کے دودو حصے لڑکوں کو اور ایک حصہ لڑکی کو دے دیا جائے گا۔

وصیت کا بیان

مرحوم کی وصیت کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

حاجی محمد ابراہیم کا انتقال ہو گیا۔ حاجی صاحب کی اولاد نرینہ نہیں ہے، صرف ایک لڑکی ہے، ایک بیوہ، برادر حقیقی اور بہن ہے۔ حاجی صاحب کی کوئی وصیت نہیں۔ صرف ایک کاغذ پر ضرور لکھا ہے کہ میرے بعد میرے بھائی میری بہن جو پنجاب میں ہیں میری بیوی اور میری لڑکی ہے۔ اور میری بیوی اور میری لڑکی زندگی تک مالک ہیں۔ اب حاجی صاحب مرحوم کی ملکیت اور مال کی تقسیم کس طرح ورثاء میں ہو۔ کیا حاجی صاحب مرحوم کی بیوہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو تمام ملکیت کی مالک بنادے یا لکھ دے۔ جبکہ حاجی صاحب مرحوم کی اس قسم کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ خلاصہ کیفیت سے مطلع فرمائیں۔

سائل: جنید رفیق، ملیر، کراچی

نوٹ :

حاجی محمد ابراھیم مرحوم کی بیوہ سخت بیمار ہے اگر اس دوران مرحوم کی بیوی کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کا حصہ کس کو ملے گا۔ دوسرے اگر یہ جائیداد مرحوم کی موروثی ہے تو اس کی ذاتی جائیداد کی تقسیم کیسے ہو گی ؟

سائل : محمد رفیق لطفی محمد اسلام، شہداد پور، ضلع سانگھڑ، سندھ

الجواب :

المسئلہ ۸

میت---------------------------حاجی محمد ابراھیم

بیوی	لڑکی	بھائی	بہن
۱	۴	۲	۱

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض ترکہ حاجی محمد ابراھیم (مرحوم) آٹھ سہام (حصوں) پر منقسم ہو کر چار سہام (حصے) ان کی لڑکی کو ایک بیوی کو ایک بہن کو اور دو بھائی کو ملیں گے۔ محمد ابراھیم صاحب کا وہ مال جو انہوں نے کمایا اس طرح تقسیم ہو گا۔ اور جو موروثی مال ہے اس میں سے محمد ابراھیم صاحب کے حصے میں جو آئیگا وہ بھی اسی طرح تقسیم ہو گا۔ اور ان کی بیوی کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں کی تفصیل معلوم ہونے کے بعد حکم بتایا جائے گا۔ ابراھیم صاحب کا وصیت کرنا اگر ثابت بھی ہو جائے تو بھی وصیت باطل ہے۔ اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی۔ حدیث میں ہے، اور اس حدیث کو ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابی داؤد میں نقل کیا :

فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

(حصہ دوم، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الوصیۃ لوارث، صفحہ: ۴۰، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

یعنی وارث کے حق میں کوئی وصیت قابل قبول نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تقسیم وراثت اور متوفی کی وصیت پر عمل

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میرا چچا زاد بھائی مسمّٰی جمعہ ولد شاد اللہ ! کراچی میں ایک کمپنی میں ملازمت کرتا تھا۔ ریٹائرڈ یا مدت ملازمت کے بعد کمپنی کی طرف سے جو واجبات ملتے ہیں وہ کسی کے نام کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے بھائی نے وہ واجبات ایک پیر صاحب کے نام کر دیے۔ دوران ملازمت موصوف کا انتقال ہو گیا کمپنی کی طرف مرحوم کے تقریباً ۲۲ ہزار روپے بنتے ہیں۔ مرحوم کا میں واحد وارث ہوں اور عدالت نے مجھے وارث ثابت کر دیا ہے۔ اب پیر صاحب کے ایک خلیفہ مجھے مذکورہ رقم وصول کرنے نہیں دیتے۔ از راہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں کہ آیا میں مذکورہ رقم حاصل کرنے کا حق دار ہوں یا نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: رحمت اللہ ولد یاسین، شکاراں، بالاکوٹ

الجواب:

گورنمنٹ یا کمپنی کے ملازمین کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تنخواہ کا کچھ حصہ پراویڈنٹ فنڈ کے نام پر کاٹا جاتا ہے۔ ملازمین یہ بات جان کر ملازمت کرتے ہیں اور اس روپے کے کاٹے جانے پر راضی رہتے ہیں۔ ہر سال ملازمین کو ایک بیلنس شیٹ دی جاتی ہے، اس میں لکھا ہوتا ہے کہ سال بھر میں تمھارے اتنے روپے کاٹے گئے، یہ کمپنی کے پاس ہیں اور اس پر اتنا سود دیا گیا۔ وہ بھی تمھاری امانت میں جمع ہے۔ جو لوگ سود نہیں لینا چاہتے، وہ لکھ کر دے دیتے ہیں۔ ان کے حساب میں سود شامل نہیں کیا جاتا۔

اب غور طلب معاملہ یہ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کیلئے کاٹی جانے والی رقم کس کی ملکیت ہے؟ کمپنی کی یا ملازم کی؟ پراویڈنٹ فنڈ پر ملکیت تو ملازم کی ہو جاتی ہے، لیکن قبضہ نہیں ہوتا ہے لہٰذا وہ تمام تصرفات جائز ہوتے ہیں، جن کا انحصار ملکیت پر ہوتا ہے تو صورت مسئولہ میں مسمّٰی جمعہ کی وصیت پیر صاحب کیلئے صحیح ہو گئی مگر وصیت میں حکم یہ ہے کہ ایک تہائی مال تک وصیت کی جا سکتی ہے۔ اگر اس سے زیادہ وصیت کرے گا تو تہائی میں نافذ ہو گی تہائی سے زیادہ میں ورثاء کی اجازت پر موقوف ہو گی۔

صورت مسئولہ میں صرف ایک چچازاد بھائی وارث ہے، وہ اپنا حق طلب کر رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تہائی سے زائد پر راضی نہیں ہے۔ ایک تہائی مال پیر صاحب کو دے دیا جائے اور دو تہائی مال سائل رحمت اللہ کو دے دیا جائے۔

وارث کیلئے وصیت کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

باپ نے اپنے دو بیٹوں کیلئے کچھ رقم کی وصیت کی اور لڑکوں نے وصیت کے مطابق وہ رقم وصول کر لی اور اس کو کاروبار میں لگادیا اور کچھ رقم باپ نے اپنے عمرے کیلئے رکھ لی لیکن عمرے پر جانے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد لڑکوں نے اسی رقم سے اپنی بہن کو عمرے پر بھیجا، اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

سائل : عبدالکریم، یوسف گوٹھ، کراچی

الجواب:

لڑکوں کیلئے وصیت کرنے کے متعلق باپ کی جو تحریر ملی، وہ وصیت باطل تھی۔ حدیث میں ہے، اور اس حدیث کو ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابی داؤد میں نقل کیا :

فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

(حصه دوم، كتاب الوصايا، باب ما جاء فى الوصية لوارث، صفحه: ۴۰، مكتبه حقانيه، ملتان)

یعنی وارث کے حق میں کوئی وصیت قابل قبول نہیں۔

لہٰذا اس وصیت پر عمل کرنا ناجائز تھا۔ ان لڑکوں نے جو روپیہ وصیت پر عمل کرتے ہوئے لیا وہ تمام وارثوں کے ساتھ ناانصافی کر کے ناجائز طور پر لیا۔ وہ روپیہ بھی تمام وراثوں میں اسی طرح تقسیم ہو گا جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اس سے جو نفع کمایا، اس میں سے ترکہ تقسیم نہیں ہو گا۔ وہ ناجائز مال ان دونوں لڑکوں کی ناجائز کمائی ہے۔ اور عمرے کیلئے والد نے جو روپیہ رکھا تھا وہ بھی سب وارثوں کا تھا بہن کو عمرے کیلئے اس روپے سے سب وارثوں کی

اجازت سے بھیجا گیا تو یہ جائز تھا۔ اور اگر بعض کی اجازت سے بھیجا اور بعض کی اجازت نہیں لی گئی تو جن لوگوں سے اجازت نہیں لی گئی ان کے حصے کے روپے اجازت دینے والے وارث ادا کریں گے۔

وراثت میں وقف اور وصیت کا فرق

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

چند مسائل آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ شرعی طور پر ان کا جواب مطلوب ہے۔

میرے بہنوئی (محبوب احمد مرحوم) عرصہ دراز سے کراچی میں مقیم تھے لیکن رشتہ داروں سے بہت کم ملنا جلنا تھا اور انھوں نے پوری زندگی مست ملنگ گذار دی۔ بیوی ان کی بہت عرصہ پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔ بچے وغیرہ بھی نہیں تھے۔ میرے علاوہ پاکستان میں مرحوم کا کوئی سگا رشتہ دار نہیں تھا۔ ہاں ان کے دو بھائی ہندوستان میں رہتے تھے۔ محمد یعقوب جو کہ مرحوم کے سگے بھائی ہیں دوسرے محمد ابراھیم جو کہ مرحوم کے باپ شریک بھائی ہیں۔ مرحوم اپنے سوتیلے بھائی سے ہی دلچسپی رکھتے تھے۔ اور ان ہی سے © ت بھی اچھے تھے۔

انتقال سے کچھ عرصہ پہلے مرحوم نے مجھے اپنی جائیداد کا نگراں بنایا اور وصیت نامہ بھی تحریر کیا (جو کہ میرے پاس موجود ہے) وصیت نامہ یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرے سالے حبیب الرحمٰن کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ میری جائیداد میرے بھائی محمد ابراھیم تک پہنچادے۔ کچھ عرصہ بعد میں حج پر جانے لگا تو میں نے مرحوم سے کہہ دیا کہ وصیت نامہ سے میں اپنی ذمہ داری ختم کرتا ہوں۔

اسکے بعد ہمیں پتا نہیں چلا کہ انہوں نے کیا انتظام کیا بہر حال مئی ۱۹۸۵ء جب انکا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے محلے میں بھی یہی مشہور کیا ہوا تھا کہ ان کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے بلکہ وہ تنہا ہیں اور بعد میں پتا چلا کہ انہوں نے اپنے مکان کی فائل رفاہی ادارے عبدالستار ایدھی ٹرسٹ کو دے دی تھی اور تحریرا لکھا تھا کہ میرا کوئی رشتہ دار وغیرہ نہیں ہے۔ بہر حال اس عرصہ میں مرحوم کے بھائی ابراھیم بھی پاکستان آئے۔ اور میں انھیں لے کر ایدھی صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں مرحوم کا رشتہ دار ہوں اور یہ مرحوم کے بھائی ہیں تو ایدھی

صاحب نے کہا کہ مرحوم نے تو وصیت نامہ میں یہ لکھا ہے کہ ان کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا تھا اور اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ مکان مرحوم کے بھائی کو مل جائے۔ جب ایدھی صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے مکان کی فائل ہمیں دے دی۔ اس مکان میں محمد رفیق نامی ایک شخص رہتا ہے۔ اب محمد ابراھیم نے تحریری طور پر لکھ کر دیا ہے کہ محمد رفیق یہ مکان اپنے نام پر ٹرانسفر کرالے اور پھر بیچ کر دونوں ہندوستان والے بھائیوں کو، محمد رفیق کو اور ایدھی ٹرسٹ کو حصہ دار بنایا جائے اور رقم تقسیم کی جائے۔

لہٰذا اب آپ بتائیں کہ مکان ایدھی کو دیا جائے؟ یا اسے فروخت کر کے مندرجہ بالا تحریر کردہ صورتحال کے مطابق رقم تقسیم کر دی جائے نیز یہ بھی بتائیں کہ رقم کی تقسیم کا عمل کس تناسب سے کیا جائے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مرحوم کی بینک میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ کی رقم موجود ہے اس رقم کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟ مرحوم نے اس کے بارے میں کوئی واضح وصیت وغیرہ تحریر نہیں کی ہے۔ لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں کیونکہ پاکستان میں ایک طرح سے میں بھی ان کا وارث یا ان کی دیکھ بھال کرنے والا تھا۔ اب میں پریشان ہوں کہ مرحوم کی وصیت کے مطابق عمل کیا جائے یا مرحوم کے بھائیوں کو انکا حق پہنچایا جائے۔ امید ہے کہ آپ اس مشکل وقت میں میری رہنمائی فرما کر تاحیات شکریہ کا موقع بخشیں۔

سائل: حبیب الرحمٰن، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:

ایدھی ٹرسٹ کے نام محبوب احمد مرحوم نے جو اسٹامپ لکھا ہے، اس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقف نہیں ہے بلکہ وصیت ہے اور وصیت کا حکم یہ ہے کہ ایک تہائی ترکہ میں نافذ ہوتی ہے، اس سے زیادہ میں نہیں۔ لہٰذا جب نصف مکان کی وصیت ایدھی ٹرسٹ کیلئے کی ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے۔ اور مرحوم کا ڈیڑھ لاکھ روپیہ بھی ہے۔ لہٰذا مکان کی کل قیمت کا اندازہ کیا جائے اور اس قیمت کو ڈیڑھ لاکھ روپے کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے گا کہ نصف مکان کی قیمت اگر مجموعہ کے تہائی حصے کے برابر ہو یا اس سے کم تو یہ وصیت صحیح مانی جائے گی۔ اور اگر تہائی سے زیادہ ہو تو جتنی مقدار زیادہ ہے اس میں وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ اگر مرحوم کا سگا بھائی جو وارث ہے، اس زائد حصے کی وصیت کو جائز کر دے گا تو یہ وصیت جائز ہو جائے گی۔ وصیت کرنے والے نے وصیت کر دی اور ایدھی نے جب کاغذات لے لئے تھے تو یہی وصیت کا قبول کرنا تھا لہٰذا وصیت صحیح ہو گئی۔ وصیت ایدھی ہسپتال اور ان کے

رفاہی کاموں کیلئے ہے، ایدھی صاحب کو یہ حق نہیں کہ وہ اس وصیت کو قبول کرنے سے انکار کریں۔ بہر حال اس وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

سائل کے بیان اور کاغذات دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ ایک مکان بھی اس وصیت کرنے والے محبوب احمد کی ملکیت تھا اس کا وصیت نامہ مرحوم نے اپنے باپ شریک بھائی ابراھیم کے نام لکھا تھا مگر اس مکان کو بیچ دیا گیا۔ وصیت کرنے والا اپنی وصیت سے رجوع کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ وصیت سے رجوع ہو گیا اور وہ وصیت ختم ہو گئی۔ اور یہ نصف مکان جس کی وصیت ایدھی کیلئے کی ہے، بعد کو خریدا ہے۔ لہٰذا اس مکان کا پہلے والی وصیت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ابراھیم محبوب مرحوم کے وارث بھی نہیں ہیں۔ ایدھی صاحب کیلئے وصیت کئے گئے مکان کا کچھ حصہ اگر تہائی سے زیادہ ہوتا ہے تو وہ زائد حصہ اور نقد روپے مرحوم کے ماں باپ میں شریک بھائی محمد یعقوب کو ملیں گے۔ اور ابراھیم کو کچھ نہیں ملے گا۔ مکان میں جو شخص رہتا ہے اس کو فوراً مکان خالی کر کے حقداروں کو دیدینا لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تقسیم وراثت میں ہبہ اور وصیت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

مسمّی حاجی قادر بخش مرحوم جائیداد منقولہ و غیر منقولہ از قسم اراضی زرعی دوکانات وغیرہ کے مالک تھے۔ مرحوم کے تین بیٹے ہیں۔ جو شادی اور صاحب اولاد ہیں پوتوں میں سے ایک پوتے محمد انیس کی والدہ کا انتقال ہو گیا اس نے دادی کی گود میں پرورش پائی اور حاجی صاحب مرحوم نے اسے اپنا بیٹا بنالیا۔

(۲) حاجی قادر بخش کا انتقال حال ہی میں چند روز قبل ہوا ہے، انھوں نے وفات سے تقریباً ایک سال پہلے ایک تحریر بعنوان وصیت نامہ لکھ دی، جس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی حاضر ہے۔

(۳) مرحوم نے زرعی اراضی ۲۱۰ بیگھے میں سے ۱۸۰ بیگھے اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی اور باقی

ماندہ ۳۰ بیگھے بھی فروخت کر کے رقم خود لے لی تھی۔

(۴) مرحوم نے تین مکانات بھی اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیئے۔ ایک مکان اپنی بیویوں اور پوتے محمد انیس کیلئے رکھا۔

(۵) مرحوم کی ملکیت میں ایک سفید عمارت واقعہ بالمقابل بلدیہ احمد پور بھی شامل تھی، جسکے تین حصے مرحوم کے بیٹے محمد اکبر کے تھے اور ایک حصہ مرحوم کا تھا۔ اس کے بارے میں مرحوم نے لکھا کہ میں نے اپنا حصہ ۱۹۵۶ء میں محمد انیس کو دیدیا تھا۔

(۶) مرحوم کی ملکیت میں دو مکان رحیم یار خان میں بھی تھے۔

(۷) گھر کے تمام اثاثے اور نقد رقم کی تحریر بھی موجود ہے۔

مذکورہ بالا پوری تحریر کی نقل جناب کی خدمت میں پیش ہے، مرحوم نے جو کچھ اپنے پوتے محمد انیس کو دیا یا دینے کیلئے لکھ کر گئے ہیں، وہ محمد انیس کو ملے گا یا اس میں وراثت جاری ہو گی۔ شرعی حکم سے آگاہ فرمایا جائے۔

سائل: یوسف مرزا، گولی مار، کراچی

الجواب:

مرحوم حاجی قادر بخش صاحب نے طویل وصیت نامہ لکھا ہے نہ اس کا کوئی گواہ ہے نہ وہ تحریر رجسٹرڈ ہے۔ لہٰذا ان کے ورثاء اگر اس وصیت نامہ کو درست تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی یہ ان کا تحریر کردہ ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ جن چیزوں کے متعلق انھوں نے یہ لکھا کہ میں نے اپنے پوتے انیس کو زبانی یہ چیزیں دے دیں تو وہ ھبہ ہے۔ اور ھبہ کی شرط یہ ہے کہ دینے کے بعد قبضہ بھی دے دیا جائے اور مشترک چیز میں سے اپنا حصہ علیحدہ معین کر کے ھبہ کیا جائے۔ لہٰذا انھوں نے جو مشترکہ زمین میں سے اپنا حصہ جو چوتھائی تھا، انیس کو دینے کیلئے لکھا، یہ ھبہ باطل ہے۔ اور دوسری چیزیں جن کو زبانی دینے کے متعلق لکھا ان پر اگر قبضہ دیدیا تھا تو یہ ہبہ صحیح ہو گیا تھا اور اگر قبضہ نہیں دیا تھا تو یہ ہبہ بھی باطل ہو گیا تھا۔

یہ حکم ان چیزوں کا ہے، جن کے متعلق انھوں نے لکھا کہ میں نے اپنے پوتے کو زبانی دے دیں، تو جب ہبہ باطل ہو گیا تو وہ وارثوں میں ان کے حصے کے مطابق تقسیم ہو جائے گا اور جن چیزوں کے متعلق یہ لکھا کہ میرے مرنے کے بعد میرے پوتے انیس کو دے دینا یہ وصیت ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مرحوم اپنی زندگی میں جن

کو جو دے چکے تو وہ ترکہ سے خارج ہو گیا اس کے علاوہ مرحوم کے انتقال کے وقت انکی ملکیت میں جو زمین جائیداد وغیرہ تھی اور وہ زمین جس کا ہبہ باطل تھا یہ سب ترکہ ہے۔ کل ترکہ میں سے ایک تہائی حصہ تک کی وصیت پوتے کیلئے کر سکتے تھے۔ لہٰذا پوتے کیلئے جو وصیت کی ہے اگر اس کی قیمت کل ترکہ کی ایک تہائی یا اس سے کم ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا اور پوتے کو وصیت کے مطابق وہ مال مل جائے گا۔ اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہے تو بقدر ایک تہائی کے اس کو دے دیا جائے گا اور جتنا زیادہ ہو گا وہ وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اگر وارث چاہیں تو ایک تہائی سے زیادہ جو حصہ ہے وہ حصہ دے سکتے ہیں ورنہ انیس کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

وقف کیلئے کی گئی وصیت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک خاتون نے چار سونے کے کڑے یا اس کی مالیت مسجد میں دینے کا کہا اور پھر وہ انتقال کر گئی۔ اب یہ بتائیں کہ یہ پیسے یا کڑے اس کی بھانجی کی شادی میں لگائے جا سکتے ہیں یا ان کڑوں کی مالیت سے کسی عالم دین کو فقہ کی کتابیں یا قرآن کریم خرید کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا ان کڑوں کی مالیت یا پیسے بالکل کسی کو بھی نہ دیں اور اپنے ہی مصرف میں رکھ لیں۔ از روئے شرع جواب سے نوازیں۔

الجواب :

صورت مسئولہ میں یہ دیکھا جائے گا کہ مرنے والی کا کل ترکہ ان کڑوں کے ساتھ ملا کر کتنا ہے اگر یہ چار کڑے کل ترکے کا ایک تہائی یا اس سے کم ہیں تو ان کو وصیت کے مطابق مسجد میں ہی دینا واجب ہے۔ کسی دوسرے کام میں خرچ نہیں کر سکتے۔ اور ایک تہائی سے زیادہ ہیں تو جتنا ایک تہائی سے زیادہ ہے، وہ وارثوں کا ہے اور ایک تہائی میں جتنے کڑے ہوں گے وہ مسجد میں دیئے جائیں گے۔

مکان کی پرانی اور نئی قیمت سے ترکہ پانے کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

بعد سلام گذارش ہے کہ ہم چھ بھائی اپنی والدہ کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہیں۔ تین بہنیں ہیں جن کی شادیاں ہو چکی ہیں وہ اپنے گھروں میں رہتی ہیں۔ ہمارے والد صاحب کی ملکیت ہے، والد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے ۔ موجودہ مکان سب کیلئے ناکافی ہے۔ بھائیوں نے ازسر نو تعمیر کا فیصلہ کیا تو بہنوں نے اپنا حصہ مانگا۔ اور طویل عرصہ بعد بات چیت طے ہوئی کہ بھائی بہنوں کو حصے کی رقم ادا کریں گے۔ لیکن بھائیوں کے پاس ابھی تو رقم نہیں ہے، ارادہ ہے کہ مکان اور نیچے دو کانیں بنا کر انھیں فروخت کیا جائے گا اور پھر بہنوں کا حصہ شریعت کے حکم کے مطابق ادا کریں گے۔ لیکن نئی عمارت میں بھائیوں نے تقریباً دس لاکھ روپیہ ادھار کر کے اپنی طرف سے لگایا۔ بہنوں کا مطالبہ یہ ہے کہ نئی عمارت کی موجودہ قیمت کے حساب سے ہمیں ترکہ ملنا چاہیئے۔

سوال یہ ہے کہ بہنوں کو پرانے والد کے بنائے ہوئے مکان کی قیمت میں سے حصہ ملے گا یا نئی عمارت کی موجودہ قیمت سے ؟

سائل : سید محمد امین قادری، میٹھادر، کراچی

الجواب :

اگر واقعی اس وقت پرانے مکان کی قیمت طے کر کے ترکہ تقسیم کرنا سب نے تسلیم کیا تھا، تو اسی کو تقسیم کیا جائے گا۔ اگر اس کی تعمیر میں لڑکوں نے جو روپیہ خرچ کیا وہ والد کی کمائی کا تھا تو مکان کی موجود قیمت لگائی جائیگی اور اس رقم میں بھی ترکہ دیا جائیگا۔ اور اگر والد کی کمائی کا روپیہ نہیں تھا تو اس کی تفصیل بتانے کے بعد حکم بتایا جائیگا۔

کسی کے پلاٹ پر قبضہ رکھ کر وراثت پانے کا حکم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

گذارش عرض یہ ہے کہ ایک کمرشل پلاٹ خریدا گیا، جو کہ مرحوم عبد العزیز کے نام تھا لیکن پلاٹ پر قبضہ محبوب احمد کا تھا۔ جب عبد العزیز کا انتقال ہو گیا تو پلاٹ کی فائل محبوب احمد کے پاس لائی گئی اور اس سے کہا گیا یہ پلاٹ مرحوم عبد العزیز کی بیوی کے نام کر دو۔ جس پر محبوب احمد نے کہا کہ اس پلاٹ پر عمارت میری لاگت سے بنوائی ہوئی ہے۔ لہٰذا جب تک میں زندہ رہوں گا اس پلاٹ و مکان کا کرایہ میں لیتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے بعد میرا کوئی عزیز کرائے کا مطالبہ نہیں کر سکے گا۔ اور اس کی مالکہ عبد العزیز کی بیوی ہو گی۔ صورت مسئولہ میں آپ ارشاد فرمایئے کہ کیا محبوب احمد کو اس قسم کی کوئی شرط عائد کرنا یا اس پلاٹ میں شرعاً اس کا کوئی حصہ ہے؟

سائل : دلاور خان، سکنہ دیر، سرحد

الجواب :

یہ پلاٹ عبد العزیز کی ملکیت تھا، اس پر عمارت محبوب احمد نے بنوائی اور خود یہ کہہ دیا کہ "اپنی زندگی میں اس کا کرایہ میں وصول کروں گا، اس کے مرنے کے بعد عبد العزیز کی بیوی مالک ہو جائیگی"۔ محبوب کا یہ کہنا بالکل لغو اور باطل ہے۔ اس لئے کہ وہ پلاٹ کا مالک نہیں ہے۔ اس نے عبد العزیز کی بیوی کے نام یہ پلاٹ منتقل کیا، یہ جعل سازی ہے۔ اور ورثہ کی حق تلفی ہے۔ لہٰذا یہ سب باطل ہے۔ اس میں محبوب کا کوئی حصہ نہیں۔ بلکہ یہ پلاٹ مع عمارت کے تمام عبد العزیز کے وارثوں کا ہے۔

تقسیمِ وراثت کی مختلف صورتوں کا بیان

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

محمد ناصر قریشی کا انتقال ہوا۔ مرحوم نے اپنے ورثاء میں ایک بیوی، تین لڑکیاں اور دو بھائی وارث چھوڑے ہیں۔ مرحوم کا ترکہ ازروئے شرع کس طرح تقسیم ہوگا۔

سائل : محمد قاسم قریشی، نزد سندھ مدرسۃ الاسلام

الجواب:

المسئلہ ۲۴ x ۶ = ۱۴۴

میت -- محمد ناصر

بیوی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	بھائی	بھائی
۳		۱۶		۵	
۱۸	۳۲	۳۲	۳۲	۱۵	۱۵

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء فی المذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث ترکہ محمد ناصر قریشی (مرحوم) ایک سو چوالیس سہام پر منقسم ہو کر اٹھارہ زوجہ کو اور ہر لڑکی کو بتیس اور ہر بھائی کو پندرہ سہام ملیں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

زید نے دو شادیاں کیں اور ان دونوں سے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ پہلی بیوی سے دو لڑکے اور ایک لڑکی اور دوسری سے تین لڑکے اور ایک لڑکی۔ پہلی بیوی کا انتقال شوہر کی حیات میں ہو گیا تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے ترکہ میں سے کس کس کو کتنا کتنا حصہ ملے گا۔

سائل : محمد شوکت علی، پاکستان کوارٹر گارڈن ویسٹ، کراچی

الجواب :

المسئلہ ۸ x ۱۲ = ۹۶

میت -- زید

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۷	۱						
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثہ فی المذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث ترکہ زید چھیانوے سہام پر منقسم ہو کر بارہ سہام بیوہ کو چودہ چودہ سہام لڑکے کو اور سات سہام ہر لڑکی کو ملیں گے۔

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میری بہن بدر النساء کا انتقال ہوا، مرحومہ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ مرحومہ نے ایک مکان جو کہ پیر کالونی میں واقع ہے، ترکہ میں چھوڑا۔ پس ماندگان میں علاوہ میرے تین بھتیجے بھی ہیں جبکہ ان کے والد کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ درج بالا تفصیل کی روشنی میں وراثت کے احکام سے مطلع فرمائیں۔ آپ کی مہربانی ہو گی۔

دعا گو : اقبال النساء، پیر کالونی، کراچی

الجواب :

مرحومہ کا کل ترکہ مکان وغیرہ جو کچھ بھی ہے، اس کا نصف حصہ بہن (سائلہ) کو ملے گا اور نصف حصہ تینوں بھتیجوں پر برابر برابر تقسیم ہو گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

تقسیمِ وراثت کی صورتیں اور اصول

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

بعد سلام گذارش یہ ہے کہ وراثت کے بارے میں ہمیں کچھ شرعی معلومات درکار ہیں۔ ازراہ کرم آپ شرعی احکامات کی روشنی میں ہمارے حسب ذیل مسائل کے جوابات دیکر ہماری رہنمائی فرمائیں۔ عین نوازش ہو گی۔

ہم کل نو بھائی تھے اور ہماری کوئی بہن نہیں ہے۔ ہمارے والد محترم کا ۱۹۷۰ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ اور والدہ محترمہ کا ۱۹۷۱ء میں۔ اسکے بعد ہمارے ایک بھائی کا انتقال ۱۹۷۶ء میں ہو گیا۔ ہمارے والد اور والدہ کے نام پر ایک ایک نجی مکانات ہیں جو کافی بڑے بنگلے نما ہیں۔ ہماری دو کانیں اور فیکٹری بھی ہے، جو ہمارے والد، چچا، تایا اور

دادا کی شراکت میں چل رہی تھیں۔ مگر والد محترم اور والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد چھوٹے بھائیوں نے ۱۹۷۵ء میں ہمارا کاروبار بند کروادیا۔ جب سے اب تک ہمارا کاروبار بند ہے۔ دونوں مکانات میں سے ایک مکان ہمارے بڑے بھائی کے قبضے میں ہے۔ اور دوسرا چھوٹے بھائیوں کے قبضے میں۔ دوکانیں اور فیکٹریاں بند پڑی ہوئی ہیں جن کی دیکھ بھال میں اور میرا بڑا بھائی کر رہے ہیں۔

والد صاحب نے اپنی زندگی میں مجھے اور میرے ایک چھوٹے بھائی کو مکان کی خریداری کیلئے کچھ رقم دی تھی۔ چنانچہ ہم دونوں بھائی الگ الگ پگڑی والا کرائے کا فلیٹ لے کر رہتے تھے۔ والد محترم کے انتقال کے بعد ایک بڑی رقم میرے سے چھوٹے سب بھائیوں نے اپنے قبضے میں کرلی کیونکہ وہ والد صاحب کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ مکان بھی انہوں نے اپنے قبضے میں کرلیا اور دو موٹر گاڑیاں، سب چیزوں پر اپنا قبضہ جما کر اپنی نجی ملکیت کی طرح آج تک استعمال کررہے ہیں۔ والد محترم کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد میں نے اپنے سب بھائیوں سے کہا کہ میں نے جو مکان لے رکھا ہے، وہ میری فیملی کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے۔ لہٰذا مجھے میرے حصے میں سے یعنی میرے کھاتے میں لکھ کر تھوڑی اور رقم دی جائے، جس سے بڑا مکان لے سکوں۔ لیکن بھائیوں نے صاف انکار کردیا۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ ایسا کریں کہ ایک اور مکان ہم سب باہمی طور پر اپنے نام خریدیں جس میں مَیں اور وہ چھوٹا بھائی جو میری ہی طرح پگڑی والے مکان میں رہتا تھا دونوں اس میں رہیں جیسے تم سب ہمارے والد اور والدہ کے نجی بنگلوں میں رہتے ہو اور ذاتی ملکیت کے طور پر انھیں استعمال کررہے ہو۔ اور ہماری مشترکہ گاڑیاں وغیرہ بھی مکمل طور پر تم لوگوں کے ذاتی تصرف میں ہیں۔ لیکن میرے بھائیوں نے میری مجبوری اور ضرورت کو کوئی اہمیت نہیں دی اور مجھے مکان کیلئے ایک پائی بھی دینے سے صاف انکار کردیا۔

والد محترم کے انتقال کے بعد بھائیوں کی نیت اور ارادے بھانپ کر اپنے والد والی دوکان جس پر وہ کاروبار کیا کرتے تھے میں بھی اس کی حصہ داری میں تھا اور وہیں اپنے والد کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، میں نے وہاں کا کاروبار سنبھال لیا، جو ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک کرتا رہا اور اسی کی بدولت میرے پاس بھی کچھ رقم اکٹھی ہوگئی، جس سے میں نے اپنے رہنے کیلئے دو چھوٹے فلیٹ پگڑی پر لے لئے۔ پہلا والا مکان جس میں میں رہتا تھا، وہ میں نے بیچ دیا اور اس کی پگڑی کی جو رقم آئی تھی، اس میں کچھ اور رقم ملا کر میں نے یہ دوسرے فلیٹ اپنی اور اپنے بچوں کی رہائش کیلئے خریدے۔ کافی عرصہ بعد میں نے بچوں کی شادیاں کیں اور کیونکہ میرے ماشاء اللہ چار لڑکے شادی شدہ ہیں جس کی وجہ سے میرے لئے رہائش کی جگہ پھر تنگ ہوگئی۔ چنانچہ میرے دو بچے جو بینک میں آفیسر کی پوسٹ پر کام کرتے ہیں

اور جنھیں انکے بینک سے مکان کیلئے قرضہ ملا، اس میں تھوڑی رقم میں نے دی اور چھوٹے چھوٹے دو کمروں پر مشتمل فلیٹ دونوں کیلئے اور میری بیوی کو اسکے والد کے ورثہ میں کچھ رقم ملی تھی، اس میں بھی میں نے کچھ رقم ملا کر تیسرے لڑکے کیلئے بھی فلیٹ لے لیا۔ اب ایک لڑکا میرے ساتھ رہتا ہے یہاں پر میں آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ میرے بڑے بھائی نے بھی اپنی بیٹی اور بیٹوں کی شادیاں کر دی ہیں اور میرا وہ بھائی جو پگڑی والے مکان میں رہتا تھا، اب بھی وہیں رہتا ہے اور وہ تین بھائی جو والد والے مکان میں انکے ساتھ رہتے تھے وہ بھی وہاں سے لڑ جھگڑ کر اپنے لئے خاصی رقم سے پگڑی والے دو فلیٹ لے کر وہاں منتقل ہو گئے۔ اور اب اس والد والے مکان میں (جو بہت بڑا ہے) اس کے آدھے حصے میں صرف دو بھائی رہتے ہیں اور بقیہ حصے کا قبضہ اب بھی ان تین چھوٹے بھائیوں کے پاس ہے اور اس حصے میں انھوں نے اپنا کافی سامان رکھ چھوڑا ہے اور اپنے تالے لگا رکھے ہیں۔

محترم مفتی صاحب! تمام پس منظر آپ کے سامنے پیش کرنے کے بعد آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ یہ فرمائیں کہ :

(۱) ورثہ کی حصہ داری میں میری جانب جو حساب ہے اس میں میرے پاس جو رقم ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء تک اکٹھی ہوئی تھی، وہ دینی ہے یا اس میں مکان وغیرہ کا حساب کتاب ہو گا جو گذرے ہوئے ناؤ (کھاتے) لکھ کر اپنی اور اپنے بچوں کی رہائش کیلئے لیا تھا، علاوہ ازیں بچوں کی شادی میں زیور اور دیگر اشیاء دی تھیں اور سامان جو استعمال کیلئے تھا، اس کیلئے کیا حکم ہے؟

(۲) میرے والدین کی موجودگی میں ہم چھ بھائیوں کی شادیاں ہوئی تھیں، جس میں والدین نے ہمیں کپڑے زیور شادی میں بطور بخشش کے دیئے تھے۔ کیا وہ زیورات وغیرہ سب سے واپس لے کر پھر سے والد اور والدہ کے چھوڑے ہوئے ترکہ میں شامل کر دیئے جائیں گے؟

(۳) میرے تین بھائیوں کی جو شادیاں ابھی تک نہیں ہوئی ہیں اور ان میں سب سے چھوٹا بھی تقریباً اس وقت چالیس سال کا ہے۔ کیا ان کی شادیوں کیلئے اخراجات اور زیور نکال کر بٹوارہ ہو گا یا نہیں؟

(۴) ہم بھائیوں کا آپس میں ایک زبانی معاہدہ ہوا تھا کہ ہم دو بڑے بھائی ہیں اور میرا بڑا بھائی جو ہمارے کاروبار کی نگرانی اور تمام اثاثوں کی نگرانی اور مینجمنٹ سنبھال رہے تھے اس کے معاوضے کے طور پر ایک طے شدہ رقم ہم دونوں بھائی اضافی طور پر لے سکتے ہیں۔ کیا یہ رقم ہم گذارے کیلئے لی جانیوالی رقم تک لے سکتے ہیں یا ورثے کے بٹوارے تک۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اب بھی تمام ملکیت یعنی کہ دو کانوں، فیکٹری اور پلاٹ وغیرہ

کی نگرانی ہم دونوں کر رہے ہیں۔ چھوٹے بھائی نہ تو کبھی دوکان پر آتے ہیں اور نہ ہی انھوں نے کوئی کام کیا ہے اور تمام ملکیت کے بکھیڑے ہمیں ہی سلجھانے پڑتے ہیں۔

(۵) ہمارے مکانوں، گاڑیوں اور دیگر اثاثوں کے ٹیکس اور دیگر اخراجات سب بھائیوں کی جانب سے دیئے گئے ہیں۔ کیا کرائے والے مکانوں کا کرایہ اور دیگر اخراجات سب بھائیوں کی جانب سے شمار ہوں گے؟ مکانوں کا کرایہ اور دیگر اخراجات اسی طرح بٹوارے کے وقت ہم لے سکتے ہیں یا نہیں؟

براہ کرم مندرجہ بالا مسائل کا شرعی حل بتا کر ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں۔ بہت بہت شکریہ

آپ کی دعاؤں کا طالب: حاجی طاہر محمد

الجواب:

المسئلہ ۹ x ۴۰ = ۳۶۰

میت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا
۱	۱/۴۰	۱/۴۰	۱/۴۰	۱/۴۰	۱/۴۰	۱/۴۰	۱/۴۰	۱/۴۰

المسئلہ ۸ x ۵ = ۴۰

میت ——— بینھما تداخل

بیوی	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱/۵	۷ (۱۴)	۷	۷	۷

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثہ فی المذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض مرحوم کا تمام ترکہ تین سو ساٹھ سہام پر منقسم ہوگا، ان میں سے چالیس چالیس حصے ہر ایک بیٹے کو اور

پانچ حصے مرحوم بیٹے کی بیوی کو چودہ حصے مرحوم بیٹے کے بیٹے کو اور سات سات حصے اس کی بیٹیوں کو ملیں گے۔ زندگی میں باپ اپنے بیٹوں یا بیٹیوں وغیرہ کی شادی پر جو خرچ کردے یا پگڑی پر بیٹوں کو مکان دلوادے، اس کا حساب ترکہ میں نہیں کیا جائے گا۔ ترکہ اس مال میں تقسیم ہوتا ہے جو مرنے کے بعد مورث کی ملکیت میں ہوتا ہے۔ پگڑی کا مکان ملکیت میں نہیں ہوتا۔ کرایہ کا ہوتا ہے، اس میں بھی ترکہ تقسیم نہیں ہوگا۔

باپ کی زندگی میں جو کاروبار تھا، اس میں جو لڑکے بھی باپ کے ساتھ کام کرتے تھے وہ مال میں شریک نہیں ہیں۔ تمام مال باپ کی ملکیت میں ہوتا ہے اور باپ کے انتقال کے بعد بھی وہ سب وارثوں کا مال ہے، اس میں جتنا اضافہ ہوگا وہ وارثوں کا ہوگا۔ اگرچہ کاروبار کو سب لڑکوں نے نہ چلایا ہو بلکہ صرف بعض لڑکے اس کو چلاتے ہوں۔ اس میں سے باپ کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے جو کچھ خرچ کیا ہو، ان کے حصے سے کاٹا جائے گا۔ باپ نے اپنی زندگی میں جن لڑکوں کی شادی کردی تھی، اس میں جو کچھ خرچ ہوا تھا وہ اس کی بخشش تھی۔ اس کا مطالبہ کوئی وارث نہیں کرسکتا۔

والد کے انتقال کے بعد جن دو بھائیوں نے اس مشترکہ مال میں سے اپنے لئے تنخواہ مقرر کی تھی۔ اگر سب وارثوں کی اجازت سے کی تھی تو سب کے حصے میں چلی گئی اگر صرف دو بھائیوں نے دوسرے بھائیوں کی بغیر اجازت تنخواہ مقرر کرلی تھی تو یہ ان کے حصے سے کاٹی جائے گی۔ جن بھائیوں نے والد کے انتقال کے بعد اپنی لڑکیوں کی شادی پر روپیہ خرچ کیا، وہ انکے حصے سے کاٹا جائے گا۔ جن لڑکوں کی شادی نہیں ہوئی ہے، وہ اپنے حصے میں سے خرچ کرکے شادی کریں گے اور جس لڑکے نے دوبارہ اسی دوکان میں کاروبار شروع کیا، جس میں والد کاروبار کرتے تھے اور والد کے روپے سے کیا، وہ بھی سب ورثاء کا مانا جائے گا۔ اس میں سے جتنا روپیہ لیکر اپنے نام سے مکان وغیرہ خریدا تھا، وہ مکان انکی ملکیت ہوگیا وہ ترکہ میں تقسیم نہیں ہوگا۔ مگر جتنا روپیہ لیا تھا وہ روپیہ ترکہ میں شمار کیا جائے گا۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین المعروف علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے ردالمحتار فی شرح درالمختار میں لکھا:

یقع کثیراً فی الفلاحین ونحوهم ان احدهم یموت فتقوم اولاده علی ترکته بلا قسمة ویعملون فیها من حرث وزراعة وبیع و شراء واستدانة ونحو ذالک وتارة یکون کبیرهم هو الذی یتولی مهماتهم ویعملون عنده بامره وکل ذالک علی وجه الاطلاق

کاشتکاروں اور ان ہی جیسے دیگر لوگوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو انکی اولاد

بغیر تقسیم کے ترکہ پر قابض ہو جاتی ہے اور وہ اس زمین میں کھیتی باڑی کرنے لگتے ہیں اور خرید و فروخت اور قرض وغیرہ کا لینا اور اسی جیسی اور باتیں۔ اور کبھی مرحوم کا بڑا بیٹا ان تمام کاموں کی نگرانی کرتا ہے اور چھوٹے اس کے کہنے کے مطابق چلتے ہیں اور یہ سب مشروط کئے بغیر ہوتا ہے۔

اسکے بعد لکھا:

يكون ما جمعوه مشتركاً بينهم بالسوية وان اختلفوا فى العمل والراى كثرة وصوابًا كما افتى به فى الخيرية وما اشتراه احدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك

(جلد(۴) كتاب الشركة ، مطلب فى ما يقع كثيراً فى الفلاحين، صفحه: ۳۷۰، مكتبه رشيديه ، كوئٹه)

یعنی جو انھوں نے جمع کیا ہے تمام شرکاء کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہو جائے گا اگرچہ کسی کا کام تھوڑا ہو یا زیادہ۔ جیسا کہ فتاوی خیریہ میں ہے اور ان میں سے اگر کسی نے اپنی ذات کیلئے کچھ خریدا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اگر اس نے مال مشترک سے قیمت دے کر اس چیز کو خریدا تھا تو اتنی رقم کا وہ ضامن ہوگا۔

الاستفتاء:

عرض خدمت ہے کہ والد صاحب کا انتقال ۳۴ سال پہلے ہو چکا ہے اور والدہ صاحبہ کا انتقال ۳ سال پہلے ہوا ہے۔ والد کے ورثاء میں ایک بیوہ، ۸ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹی کا تقریباً ۱۵ سال پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ مرحومہ کا شوہر عبد العزیز، ۲ لڑکے قطب الدین اور رکن الدین اور چار لڑکیاں زینب، خورشیدہ، صوفیہ اور آمنہ بقید حیات ہیں۔

(الف) والد یا والدہ نے کسی اولاد کو اپنی حیات میں کوئی رقم یا کوئی چیز دے دی ہے، تو اسکے متعلق کیا حکم ہے؟

(ب) والدہ اپنی حیات میں بار بار کہا کرتی تھیں کہ "میرے پاس تھوڑا سا سامان اور رقم ہے میری موت کے بعد میرے لڑکے محمد شفیع جس نے میری خدمت اور دیکھ بھال کی ہے "اس کیلئے ہے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟ برائے کرم آپ ہمیں شریعت کے حکم سے نوازیں۔

سائل: سید مصطفی قادری

الجواب :

المسئلہ ۸x۱۹=۱۵۲x۹۶=۱۴۵۹۲x۹=۱۳۱۳۲۸

میت..زید

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا
۱				۷				
۱۹	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴
۱۸۲۴	۱۳۴۴	۱۳۴۴	۱۳۴۴	۱۳۴۴	۱۳۴۴	۱۳۴۴	۱۳۴۴	۱۳۴۴
	۱۲۰۹۶	۱۲۰۹۶	۱۲۰۹۶	۱۲۰۹۶	۱۲۰۹۶	۱۲۰۹۶	۱۲۰۹۶	۱۲۰۹۶

بیٹی	بیٹی	بیٹی
۷	۷	۷
	۶۷۲	۶۷۲
	۶۴۸	۶۰۴۸

المسئلہ ۱۲x۸=۹۶   بینھما تباین   مف ۷

میت..ہندہ

والدہ	شوہر	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۲	۳			۷			
۱۶	۲۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷
۱۱۲	۱۶۸	۹۸	۹۸	۴۹	۴۹	۴۹	۴۹
	۱۵۱۲	۸۸۲	۸۸۲	۴۴۱	۴۴۱	۴۴۱	۴۴۱

المسئلۃ ۱۸ ۹　　بینھما توافق بالنصف مف ۱۹۳۶ ۹۶۸

میت .... بیوہ

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۲	۲	۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱
۱۹۳۶	۱۹۳۶	۱۹۳۶	۱۹۳۶	۱۹۳۶	۱۹۳۶	۱۹۳۶	۱۹۳۶	۹۶۸	۹۶۸

الاحیاء ....

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۱۴۰۳۲	۱۴۰۳۲	۱۴۰۳۲	۱۴۰۳۲	۱۴۰۳۲	۱۴۰۳۲	۱۴۰۳۲	۱۴۰۳۲	۷۰۱۶	۷۰۱۶

عبدالعزیز	قطب الدین	رکن الدین	زینب	خورشیدہ	صوفیہ	آمنہ
۱۵۱۲	۸۸۲	۸۸۲	۴۴۱	۴۴۱	۴۴۱	۴۴۱

صورتِ مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصارِ ورثہ در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم کا تمام ترکہ ایک لاکھ اکتیس ہزار تین سو اٹھائیس سہام پر منقسم ہوگا۔ ان میں سے ہر وارث کو نقشہ الاحیاء کے مطابق حصہ ملے گا۔ والد یا والدہ نے اپنی اپنی زندگی میں جو کچھ اولاد کو دے دیا وہ ان کی ملکیت ہوگیا۔ وہ ترکہ میں تقسیم نہیں ہوگا۔ محمد شفیع کے بارے میں ان کی والدہ کی وصیت درست نہیں اس لیے کہ وارث کے حق میں وصیت باطل ہے۔

حدیث شریف میں ہے، جس کو ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابوداؤد میں نقل کیا:

فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

(حصه دوم، كتاب الوصايا، باب ما جاء في الوصية لوارث ، صفحه: ۴۰، مكتبه حقانيه ، ملتان)

یعنی وارث کیلئے وصیت نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

حاجی علم الدین مرحوم نے ایک جائیداد بعد از مرگ چھوڑی ہے دو بچوں کا یعنی ایک لڑکا فضل الدین کا انتقال حاجی علم الدین کے سامنے ہو گیا اور ایک لڑکی شاہ جہاں بھی حاجی صاحب کی زندگی میں انتقال کر گئی۔ حافظ محی الدین و قمر الدین کا انتقال والد کے انتقال کے بعد ہوا اب مرحوم کے بیٹے فہیم الدین، سراج الدین، چراغ الدین اور بیٹی تارا حیات ہیں۔

(۱) کیا جو بچے ان کے سامنے انتقال کر گئے، ترکۂ پدری میں حصہ دار ہیں یا نہیں ؟

(۲) باقی بچے ان کی جائیداد میں کتنے کتنے حصے کے شرعی حقدار ہیں ؟

(۳) کیا دادا کی جائیداد میں ان پوتوں کا حصہ ہے جن کے والد کا انتقال اپنے والد کی حیات میں ہوا ہو ؟

جواب کا طالب : چراغ الدین، فہیم الدین، اورنگی ٹاؤن، کراچی

الجواب :

المسئلہ ۸x۱۱ = ۸۸x۵۴ = ۷۵۲x۴ ۷۲ = ۳۴۲۱۴۴

میت ــ علم الدین

بیوہ | بیٹا محی الدین | قمر الدین بیٹا | فہیم الدین بیٹا | سراج الدین بیٹا | چراغ الدین بیٹا | تارا بیٹی

۱ / ۱۱ / ۵۴ / ۴۲۷۶۸	۱۴	۱۴ / ۷۶۵ / ۵۴۴۳۲	۱۴ / ۷۵۶ / ۵۴۴۳۲	۱۴ / ۷۵۶ / ۵۴۴۳۲	۱۴ / ۷۵۶ / ۲۷۲۱۶	۷ / ۳۷۸

(۷)

المسئلہ ۱۲ x ۹ = ۱۰۸ - ۵۴ بینهما توافق بالنصف

میت -- محی الدین

بیوہ	والدہ	قمرالدین	فہیم الدین	سراج الدین	چراغ الدین		تارا بہن
۹x۳	۲				(۷)		
۲۷	۱۸	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴		۷
۱۸۹	۱۲۶	۹۸	۹۸	۹۸	۹۸	۴۹	
۱۳۶۰۸	۹۰۷۲		۷۰۵۶	۷۰۵۶	۷۰۵۶		۳۵۸۲

المسئلہ ۲۴ x ۶= ۱۴۴ - ۷۲ بینهما توافق بالنصف

میت -- قمرالدین

والدہ	بیوہ	غلام فرید فریدہ	رشیدہ	لڑکی بی بی	کشور
۴	۳		(۱۷)		
۲۴	۱۸	۳۴	۱۷	۱۷	۱۷	۱۷
۱۰۲۴۸	۷۶۸۶	۱۴۵۱۸	۷۲۵۹	۷۲۵۹	۷۲۵۹	۷۲۵۹

۳۴۲۱۴۴

الاحیاء --

زوجہ علم الدین	بیٹا فہیم الدین	بیٹا سراج الدین	بیٹا چراغ الدین	بیٹی تارا	بسم اللہ
۶۲۰۸۸ ۶۱۴۸۸	۶۱۴۸۸		۶۱۴۸۸	۳۰۷۴۴	۷۶۸۶

غلام فرید	رشید	لی لی	فریدہ	کشور	بیوہ محی الدین
۱۴۵۱۸	۷۲۵۹	۷۲۵۹	۷۲۵۹	۷۲۵۹	۱۳۶۰۸

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم علم الدین کا تمام ترکہ تین لاکھ بیالیس ہزار ایک سو چوالیس سہام پر منقسم ہوگا، ان میں سے ہر وارث کو نقشہ الاحیاء کے مطابق حصہ ملے گا۔ مرحوم کا جو بیٹا مسمی فضل الدین اور ان کی بیٹی شاجہاں جو ان کی زندگی میں وفات پاچکے تھے انکو اپنے والد علم الدین کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا اس لئے کہ ترکہ اس وارث کو ملتا ہے جو اپنے مورث کے انتقال کے وقت موجود ہو۔ اور جو اپنے مورث کے انتقال سے پہلے وفات پاجائے اس کو ترکہ نہیں ملتا۔ جب مرحوم کے بیٹے فضل الدین اور ان کی بیٹی شاجہاں کو ترکہ نہیں ملا تو انکی اولاد کو بھی ترکہ نہیں ملے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کا انتقال ہوگیا۔ اس نے پسماندگان میں والدین، ایک بیوی اور ایک بیٹی چھوڑی ہے۔ زید کا کل ترکہ ۲۴۰،۰۰۰ روپے ہے۔ از روئے شرع ورثاء مذکورین میں ترکہ کی تقسیم کس حساب سے ہوگی؟ بینوا و توجروا

سائل : محمد ابرار، بہار کالونی، اورنگی ٹاؤن

الجواب :

المسئلہ ۲۴

میت -- زید

بیوہ	والد	والدہ	بیٹی
۳	۵	۴	۱۲

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم کا کل ترکہ چوبیس حصوں پر منقسم ہوگا۔ان میں سے تین حصے بیوہ کو، پانچ حصے والد کو، چار حصے والدہ اور بارہ حصے بیٹی کو ملیں گے۔

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

ایک مکان بالے شاہ مرحوم نے خریدا اور اسے بنوایا۔ان کی موت کے بعد رئیس احمد اور سعید احمد نے وقتاً فوقتاً اس گھر پر کچھ رقم خرچ کی۔سعید احمد کا بھی انتقال ہو گیا۔سات برس پہلے ۵ ہزار روپیہ اس مکان پر سعید احمد کے خرچ ہوئے تھے اور اب حال ہی میں رئیس نے گھر کی تنگی کی وجہ سے اس پر ۳۰ ہزار روپیہ لگا کر اسے ڈبل بنوایا اور اپنی والدہ کے ہمراہ رہنے لگا۔لیکن سعید احمد کی بیوہ اور رئیس احمد کی ا â میں نااتفاقی کی وجہ سے گھر میں رہنا محال ہو گیا ہے اور رئیس احمد اپنے بچوں کو لے کر کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہو گیا۔وہ والدہ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا لیکن والدہ اپنے مرحوم شوہر کے مکان سے جانا پسند نہیں کرتی ہیں۔

اور رئیس احمد کے پاس اتنی Rئش نہیں ہے کہ وہ مکان کے کرائے کے علاوہ اپنی والدہ اور ذھنی معذور بھائی کو اخراجات کیلئے معقول رقم فراہم کر سکے۔کیونکہ وہ اپنی بیوہ بہن زرینہ کی بھی حسب توفیق مدد کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس کا بھی کوئی کفیل نہیں ہے۔لہٰذا بالے شاہ کی بیوہ مالکہ مکان یہ چاہتی ہے کہ سعید احمد مرحوم کی بیوہ بھی مکان خالی کر دے تاکہ وہ اس مکان کے ایک کمرے میں رہائش رکھ کر باقی حصہ کرائے پر دیکر اپنے اخراجات پورے کر سکیں۔لیکن سعید احمد کی بیوہ مکان خالی کرنے پر آمادہ نہیں۔واضح رہے کہ سعید احمد کی بیوہ زیادہ ایام اپنے والدین کے یہاں گذارتی ہے اور اپنے کمرے میں تالا لگا کر جاتی ہے۔آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس تحریر کی روشنی میں:

(۱) سعید احمد کی بیوہ سے مذکورہ بالا ضرورت کے تحت مکان خالی کروایا جا سکتا ہے؟

(۲) میرے مرنے کے بعد رئیس احمد کے ۳۰ ہزار روپے جو اس نے مکان کی تعمیر میں لگائے ہیں الگ کر کے باقی مالیت کو ورثہ میں تقسیم کیا جائے۔

(۳) میرے مرحوم بیٹے سعید احمد کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اس کی بیوہ اور بچوں کے علاوہ میرا

اور میرے دیگر بیٹے یا بیٹیوں کا حصہ ہے یا نہیں؟ میرے بیٹے نے اچھا خاصا مال چھوڑا ہے اور میں اپنا حصہ لینا چاہتی ہوں۔ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیلی جواب سے آگاہ فرمائیں۔

سائلہ: بیوہ بالے شاہ

الجواب:

مسئلہ ۸ x ۱۰ = ۸۰ x ۷۲ = ۵۷۶۰

میت -- بالے شاہ

بیوہ	سعید احمد	فرید احمد	رئیس احمد	سعیدہ	ر O	زرینہ	فریدہ
۱/۱۰	۱۴	۱۴/۱۰۰۸	۱۴/۱۰۰۸	۷/۵۰۴	۷/۵۰۴	۷/۵۰۴	۷/۵۰۴
۷۲۰							

المسئلہ ۲۴ x ۶ = ۱۴۴ - ۷۲ بینھما توافق بالنصف

میت -- سعید احمد

والدہ	بیوہ	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۴	۳	۱۷				
۲۴/۱۶۸	۱۸/۱۲۶	۳۴/۲۳۸	۱۷/۱۱۹	۱۷/۱۱۹	۱۷/۱۱۹	۱۷/۱۱۹

۵۷۶۰

الاحیاء --

بیوہ بالے شاہ	فرید احمد	رئیس احمد	سعیدہ	ر O	زرینہ	فریدہ
۸۸۸	۱۰۰۸	۱۰۰۸	۵۰۴	۵۰۴	۵۰۴	۵۰۴

بیوہ سعید احمد	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۲۶	۲۳۸	۱۱۹	۱۱۹	۱۱۹	۱۱۹

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض مرحوم بالے شاہ کا تمام ترکہ پانچ ہزار سات سو ساٹھ سہام پر منقسم ہوگا۔ ان میں سے ہر وارث کو نقشہ الاحیاء کے مطابق اتنا حصہ ملے گا جو اس کے نام کے نیچے لکھ دیا گیا ہے۔ مشترک جائیداد میں اگر کوئی وارث دوسرے وارثوں کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ کرے گا تو وہ خرچ سب وارثوں پر تقسیم کر کے وصول کیا جائے گا۔ اگر وارثوں کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے تو یہ احسان ہے۔ کسی وارث سے اس خرچ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ مکان کی موجودہ صورت میں جو قیمت ہوگی وہ سب ورثاء میں تقسیم ہوگی۔ شامی میں ہے :

فلو انفق علیھا الاخر بلا اذنه فھو مبتدع

الاستفتاء :

میں مسماۃ فریدہ بیوہ محمد صدیق شکور ساکنہ کھارادر، کراچی۔ میرے شوہر محمد صدیق شکور کا پچھلے دنوں اچانک ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔ میں نے عدت اسلامی شعار کے مطابق مکمل کی۔ مرحوم سے میرا ایک لڑکا ہے جس کی عمر تین سال ہے مرحوم شادی کے بعد اپنی الگ رہائش گاہ یعنی الگ مکان میں اپنی ازدواجی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مرحوم بینک میں ملازم تھے اور اپنی ذاتی تجارت بھی کرتے تھے بینک سے قرض لیکر یا اپنی ذاتی بچت سے

-

مرحوم کے لے پالک بھائی کے علاوہ تمام بہن بھائیوں کی شادی خانہ آبادی ہو چکی ہے تمام بھائی آسودہ حال ہیں۔ اور اپنے والدین کی کفالت کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل سوالات موجودہ حالات میں بینک کے روپے اور ذاتی کاروبار کے سلسلہ میں آپ سے وضاحت مطلوب ہے۔ آپ قرآن مبین اور شرع محمدی کی رو سے اپنا اظہار خیال فرمائیں۔

(۱) فیملی پنشن اسکیم کے تحت انتقال کے بعد بیوہ کو بینک سے رقم ملی ہے جو بینک کی رو سے بیوہ کے اکاؤنٹ میں جمع کر دی گئی ہے کیا اس میں بیوہ اور بچے کے علاوہ مرحوم کے والدین کا کوئی ۔

(۲) بینک کے قانون کی رو سے بقیہ بچی ہوئی چھٹیوں کا معاوضہ دیا جاتا ہے جو بینک نے بیوہ کو دے دیا ہے اور رقم اس کے اکاؤنٹ میں جمع ہو گئی۔ کیا اس میں بیوہ اور بچے کے علاوہ والدین کا کوئی حق ہے ؟

(۳) بینک یونین کی جانب سے مالیاتی فنڈ بھی بیوہ کو دے دیا گیا ہے اور اس کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ کیا بیوہ اور بچے کے علاوہ والدین بھی　ہیں ؟

(۴) مرحوم کے پاس گھر میں ایک بندوق تھی جو گھر کی حفاظت کیلئے تھی اسکو فروخت کر کے جو رقم وصول ہوئی اس پر بیوہ اور بچے کے علاوہ　کیا مرحوم کے والدین کا حق ہے ؟

(۵) مرحوم کے پاس حادثے کے وقت جیب سے جو رقم برآمد ہوئی وہ کس کو ملے گی ؟

(۶) مرحوم نے ڈیفنس سیونگ سرٹیفیکیٹ خرید رکھے تھے، ان کو فروخت کر کے میں نے رقم وصول کی ہے کیونکہ میں ہی اس کی نامزد تھی، اس میں کوئی حق والدین کو دینا ہو تو تحریر فرمائیں۔

(۷) مرحوم کے لڑکے کو جو حصہ ملتا ہے اس کی دیکھ بھال کیلئے شرعی حق کس کا ہے ؟

اپنی قیمتی رائے سے مندرجہ بالا سوالات کا جواب جلد از جلد قرآن و سنت کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔ شکر گذار ہوں گی۔

سائلہ : فریدہ بیوہ مرحوم صدیق شکور، کھارادر، کراچی

الجواب :

المسئلہ : ۲۴

المیت -- صدیق شکور

والد	والدہ	بیوہ	لڑکا
۴	۴	۳	۱۳

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائلہ وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم کا تمام ترکہ علاوہ پنشن چوبیس سہام پر منقسم ہوگا، ان میں سے چار چار حصے والد، والدہ، تین حصے بیوہ اور تیرہ حصے لڑکے کو ملیں گے۔ بینک قانون کے تحت بینک یونین کی جانب سے جو رقم حاصل ہوئی اور ڈیفنس سرٹیفیکیٹ سب رقم ترکہ میں تقسیم ہوگی۔ مرحوم کے لڑکے کے حصے کی حفاظت کا حق اسکے دادا کو ہے۔

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ :

ایک شخص کا انتقال ہو گیا۔اس کے ورثاء یہ ہیں :

ایک بیوہ اور پانچ لڑکے جن میں سے ایک کا انتقال ہو گیا اور تین لڑکیاں ہیں۔عرض یہ ہے کہ بیوہ اور تین لڑکے اور تین لڑکیاں بقید حیات ہیں، انکا ترکہ ان ورثاء میں کیسے تقسیم ہوگا ؟ از روئے شرع تقسیم فرماکر مشکور و ممنون فرمائیں۔جائیداد مکان ہے جسکی مالیت ایک لاکھ چالیس ہزار روپے ہے۔پھر مرحوم کے بیٹے شمس الدین کا وصال ہوا اور انھوں نے اپنے ورثاء میں والدہ بیوہ چھ بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔ان میں سے ایک بیٹے راشد کا انتقال ہوا اور انہوں نے ورثاء میں والدہ، پانچ بھائی اور ایک بہن چھوڑی۔

سائل : رفیق الدین قریشی

الجواب :

المسئلہ ۸ x ۱۳ / ۱۰۴ x ۱۵۶ / ۱۶۲۲۴ x ۳۳ / ۵۳۵۳۹۲

میت ---------------- عین الدین قریشی

بیوہ خاتون	شمس الدین بیٹا	رفیق الدین بیٹا	ظہیر الدین بیٹا	انیس الدین بیٹا	رئیس الدین
۱			۷		
۱۳	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴
۲۰۲۸		۲۱۸۴	۲۱۸۴	۲۱۸۴	۲۱۸۴
۶۶۹۲۴		۷۲۰۷۲ ‏ ۷۲۰۷۰	۷۲۰۷۲	۷۲۰۷۲	

زیتون بیٹی	افروز بیٹی	ریحانہ بیٹی
۷	۷	۷
۱۰۹۲	۱۰۹۲	۱۰۹۲
۳۶۰۳۶	۳۶۰۳۶	۳۶۰۳۶

المسئلہ ۲۴ x ۱۳ / ۳۱۲ / ۱۵۶ بینهما توافق بالنصف

میت -- شمس الدین

والدہ خاتون	بیوہ شمس الدین	بیٹا جاوید	پرویز الدین	زاہد	شاہد	عاصم	
۴	۳			۱۷			
۵۲	۳۹	۳۴	۳۴	۳۴	۳۴	۳۴	
۳۶۴	۲۷۳	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸	۲۳۸
۱۲۰۱۲	۹۰۰۹	۷۸۵۴	۷۸۵۴	۷۸۵۴	۷۸۵۴	۷۸۵۴	

راشد	بیٹی ثوبیہ
۳۴	۱۷
۲۳۸	۱۱۹
۷۸۵۴	۳۹۲۷

المسئلہ ۶ x ۱۱ / ۶۶ / ۳۳ بینهما توافق بالنصف

میت -- راشد

والدہ	بھائی جاوید	پرویز الدین	بھائی شاہد	بھائی زاہد	بھائی عاصم	بہن ثوبیہ
۱				۵		
۱۱	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۵
۱۳۰۹	۱۱۹۰	۱۱۹۰	۱۱۹۰	۱۱۹۰	۱۱۹۰	۵۹۵

الاحیاء --

خاتون	رفیق	ظہیر	انیس	رئیس	زیتون	افروز
۷۸۹۳۶	۷۲۰۷۲	۷۲۰۷۲	۷۲۰۷۲	۷۲۰۷۲	۳۶۰۳۶	۳۶۰۳۶

ریحانہ	والدہ راشد	جاوید	پرویز	زاہد	شاہد عاصم	ثوبیہ
۳۶۰۳۶	۱۰۳۱۸	۹۰۴۴	۹۰۴۴	۹۰۴۴	۹۰۴۴ ۹۰۴۴	۴۵۲۲

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض مرحوم کا تمام ترکہ پانچ لاکھ پینتیس ہزار تین سو بانوے سہام پر منقسم ہوگا، ان میں سے ہر وارث کو نقشہ الاحیاء کے مطابق حصہ ملے گا۔

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کا انتقال ہو گیا ہے زید مرحوم نے اپنے پیچھے ایک بیوہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑی ہے۔ ترکہ کی شرعی تقسیم کیا ہوگی؟ واضح فرمائیں کہ مرحوم کے صاحبزادے نے اپنی بہن کی شادی پر جو خرچ کیا ہے کیا یہ رقم ترکہ میں سے منہا کی جائے گی؟ یہ شادی زید کے انتقال کے بعد ہوئی۔ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سائل : گل محمد، گٹو گلی، میٹھادر، کراچی

الجواب :

المسئلہ : ۸ x ۳ / ۲۴

میت -- زید

بیوہ	لڑکا	لڑکی
۱	۷	
۳	۱۴	۷

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض مرحوم کا تمام ترکہ چوبیس سہام پر منقسم ہوگا، ان میں سے تین حصے بیوہ کو، چودہ حصے لڑکے کو اور سات

حصے لڑکی کو ملیں گے۔ مرحوم کے صاحبزادے نے اپنی بہن کی شادی پر جو خرچ کیا ہے اگر خرچ کرنے سے پہلے دوسرے ورثاء سے اس کی اجازت لے لی تھی تو یہ سب کے حصے سے منہا کیا جائے گا۔ اور اگر اجازت نہیں لی تھی توجس نے خرچ کیا اس کے حصے سے لیا جائے گا۔

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

رفیع الدین کا انتقال ہوا۔ وارثوں میں ایک بیوہ، ایک بیٹا اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔ پھر مرحوم کے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا جس کے پسماندگان میں مرحوم کی ماں، بیوہ، تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ رفیع الدین کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو گا؟ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں۔

سائل: رفیع الدین

الجواب:

المسئلہ ۸ × ۵ / ۴۰ × ۱۲ / ۴۸۰

میت -- رفیع الدین

غفورن بیوی	بابو بیٹا	بیٹی کنیزہ	بیٹی فجو	بیٹی نجو
۱/۵	۱۴	۷		
۶۰		۷/۸۴	۷/۸۴	۷/۸۴

المسئلہ ۲۴ × ۷ / ۱۶۸ / ۱۲ بینھما تداخل

میت -- بابو

والدہ غفورن بیوی محمودہ بیٹا عامر بیٹا اقبال بیٹا زبیر بیٹی عذرہ

۴	۳	۱۷			
۲۸	۲۱	۳۴	۳۴	۳۴	۱۷

الاحیاء--

غفورن	محمودہ	کنیزہ	فجو	نجو	اقبال	عامر	زبیر	عذرہ
۸۸	۲۱	۸۴۸۴	۸۴	۳۴	۳۴	۳۴	۱۷	

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء درمذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض مرحوم کا تمام ترکہ چار سو اسی سہام پر منقسم ہو گا۔ ان میں سے ہر وارث کو نقشہ الاحیاء کے مطابق حصہ ملے گا۔

ورثاء کے حقوق کا بیان

تقسیم وراثت میں مساوات کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کی کل جائیداد چار کنال زمین ہے اور اس کے کئی بچے ہیں، جن میں تین نہایت قابل رحم ہیں، ایک لڑکی جو دائمی مریضہ ہے۔ دوسرا لڑکا بھولا بھالا ہے یعنی مجذوب ہے اور تیسرا لڑکا ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ زید چاہتا ہے کہ یہ زمین ان تینوں بچوں کے نام کردوں۔ کیا شریعت ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہے ؟

الجواب :

ہر شخص کو اپنی زندگی میں اپنے مال پر تصرف کا حق حاصل ہے لیکن اپنی زندگی میں کوئی شخص اپنی جائیداد وغیرہ تقسیم کرنا چاہے تو تمام اولاد کو برابر دے گا۔ کسی کو دے یا کسی کو نہ دے یا کمی بیشی کے ساتھ دے، یہ جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں اس فعل کو ظلم قرار دیا گیا ہے۔ یہ حکم زندگی میں اپنی اولاد کو مال تقسیم کرنے کا ہے۔ ترکہ کے احکام مرنے کے بعد جاری ہوتے ہیں اور وارث کے حق میں وصیت باطل ہوتی ہے اور اگر دوسرے وارثوں کی مالی حالت اچھی ہے اور اس زمین میں سے ان کو حصہ نہ دینے کی صورت میں بھی انکی گذر اوقات ہو سکتی ہے، تو یہ زمین ان معذوروں کو دے سکتا ہے۔ پھر بھی اچھا یہ ہے کہ ان وارثوں کو راضی کر کے معذوروں کو دے۔ اور اگر دوسرے وارث بھی غریب ہیں تو ان کو نہ دینا اور صرف معذوروں کو دینا جائز نہیں ہے۔

حقِ وراثت کس کس کو حاصل ہے ؟

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ :

محمد یٰسین کا کار کے حادثہ میں حجاز مقدس میں انتقال ہو گیا۔ اس وقت یٰسین کے ورثاء میں ماں آمنہ، باپ ابراھیم، بیوی، دو لڑکے اور دو لڑکیاں حصے دار تھے۔ بعد میں یٰسین کے باپ کا انتقال ہوا، اس کے کچھ عرصہ بعد سعودی حکومت نے موت کا معاوضہ دیا تو باپ ابراھیم کا حصہ اس رقم سے ہو گا یا نہیں ؟ باپ جو بعد میں انتقال کر گیا اسکے وارثوں میں رقم تقسیم ہو گی یا نہیں ؟ باپ کے ورثاء میں دو بیویاں دونوں کے نام آمنہ ہیں، تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ مسئلے کی وضاحت فرمائیں۔

سائلہ : حلیمہ یٰسین، نیاآباد، لیاری، کراچی

الجواب:

المسئلہ ۲۴ x ۶ = ۱۴۴ x ۶ = ۸۶۴

میت -- محمد یٰسین

بیوی	ماں آمنہ	باپ ابراھیم	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۳	۴	۴		۱۳		
۱۸	۲۴	۲۴	۲۶	۲۶	۱۳	۱۳

۱۰۸	۱۴۴	۱۵۶	۱۵۶	۷۸	۷۸

المسئلہ ۸ x ۱۸ = ۱۴۴ x ۶ = ۸۶۴

میت -- ابراھیم

زوجہ آمنہ	زوجہ آمنہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱/۹	۱/۹			۷			
		۲۸	۲۸	۲۸	۱۴	۱۴	۱۴

۸۶۴

الاحیاء ________________________ کل ہندسہ

ماں آمنہ	لڑکا لڑکا	لڑکی	لڑکی	ابراھیم کی دوسری بیوی	
۱۰۸	۱۵۶	۱۵۶	۷۸	۷۸	۷۸

ابراھیم کالڑکا	لڑکا	لڑکا	ابراھیم کی لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲۸	۲۸	۲۸	۱۴	۱۴	۱۴

الجواب:

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثہ در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث بحسب شرائطِ فرائض کل ترکہ مرحوم محمد یلیین آٹھ سو چونسٹھ سہام پر تقسیم ہو کر ہر وارث کو اتنے حصے ملیں گے جتنے حصے نقشہ ''الاحیاء'' میں اسکے نام کے نیچے درج ہیں۔ مرحوم کی دیت کے طور پر جو رقم حکومت نے دی ہے، وہ اس کی موت کے وقت جو وارث موجود تھے ان سب کو ملے گی۔

تقسیمِ وراثت میں ورثاء کو بتدریج حصے دینے کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

ہمارے والد صاحب کے انتقال کو تقریباً ڈھائی سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ ہماری والدہ صاحبہ اللہ کے فضل سے حیات ہیں۔ ہم لوگ چار بھائی اور چار بہنیں ہیں اور سب شادی شدہ ہیں۔ دو بھائی والدہ کے ساتھ رہتے ہیں اور بڑے بھائی صاحب رہائشی طور پر ہم سے علیحدہ رہتے ہیں۔ ہمارا سب سے چھوٹا بھائی شروع ہی سے ہر معاملے میں اپنی من مانی کرتا رہا ہے اور ہمارے والد صاحب کی اکثر معاملات میں نافرمانی کرتا رہا ہے۔ بیماری کے دوران والد صاحب نے ہماری والدہ کے اصرار پر اسکو اس کا حصہ دیکر ہم لوگوں سے الگ کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ اسکو اس کا حق ادا کردو۔ لہٰذا ہم نے والد صاحب کے فیصلے کے مطابق اس کو فارغ کردیا۔ اس عرصہ میں والد صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس وقت ہمارے والد صاحب کے وارثوں میں ہم تین بھائی، چار بہنیں ہیں اور ہماری والدہ ہیں۔ ہم تینوں بھائی ہمیشہ سے والد صاحب کے ساتھ کاروبار میں ملکر کام کررہے تھے۔ اور اب بھی ہم تینوں کاروبار میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اور آپس میں مددگار ہیں۔ گھر کے، والدہ صاحبہ کے اور دوسرے تمام اخراجات ہم تینوں بھائیوں کی ذمہ داری میں شامل ہیں۔ اسکے علاوہ ہم تینوں بھائیوں کی اولاد میں لڑکیاں بھی ہیں جو کہ شادی کے لائق ہیں اور عنقریب ان کی منگنی اور شادی وغیرہ کے پروگرام ہونے والے ہیں، جو کہ ہم تینوں بھائیوں کی ذمہ داری ہے۔

اوپر بیان کردہ طویل تفصیل کے بعد اب مسئلہ یہ ہے کہ ہماری بہنوں اور والدہ صاحبہ کا اصرار ہے کہ ان کو ان کے حصے ادا کردیئے جائیں۔ ہماری ایک بہن رہائشی اور مالی طور پر کچھ مسائل کا شکار ہے اور ہماری والدہ صاحبہ کا اصرار ہے کہ جلد از جلد اس کا حصہ ادا کردیا جائے۔ اب اس وقت والد صاحب کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں ایک دوکان ہے جس پر ہم تینوں بھائی ملکر کاروبار کررہے ہیں اور خاندان بھر کا خرچ اسی دوکان سے پورا ہورہا ہے اور دوسری ایک اور جگہ ہے۔ جہاں پر مال وغیرہ صاف ہوتا ہے۔ اور پھر دوکان میں فروخت کیا جاتا ہے۔ اور تیسری جگہ

بطور گودام زیر استعمال ہے۔ کچھ نقد رقم ہے جو کہ کاروبار میں زیر گردش رہتی ہے۔ ہم لوگ اس سلسلہ میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ صورت حال میں وراثت کس طرح تقسیم ہوگی۔ جبکہ ہمارے پاس نہ تو نقد رقم اتنی ہے کہ اس میں سے کسی ایک کو بھی مکمل طور پر اس کا حصہ ادا کر دیں اور جو جائیداد ہے وہ سب ایک کاروبار کی صورت میں ہے، جس سے ہم کما کر اپنے اخراجات پورے کر رہے ہیں۔ اب بہنوں اور والدہ کے مطالبے کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ہم کاروبار فروخت کر دیں یا فی الحال ایک بہن کو اس کے حصے کی کچھ رقم دے دیں یا پھر کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم ان لوگوں کا حصے رفتہ رفتہ ادا کرتے رہیں۔ ایسی صورت میں شریعت کے کیا احکام ہیں؟ اور ہم سب کا حصہ کتنا کتنا مقرر ہوگا؟ آپ برائے مہربانی اس مسئلے کا حل قرآن اور سنت کی روشنی میں تجویز فرمائیں اور ان معاملات میں ہماری مدد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

سائل: نور محمد اینڈ سنز، دریالال اسٹریٹ، جوڑیا بازار، میٹھادر چوک، کراچی

المسئلہ ۸ x ۱۲ / ۹۶

میت -- بندہ خدا

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱				۷				
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

الجواب:

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض مرحوم کا تمام ترکہ چھیانوے سہام پر منقسم ہوگا۔ ان میں سے بارہ حصے بیوی کو چودہ چودہ ہر بیٹے کو اور سات سات حصے ہر ایک بیٹی کو ملیں گے۔ اگر ورثاء اپنے اپنے حصے قسطوار لینے پر رضامند ہوں تو انکے حصے اقساط کی صورت میں دیئے جاسکتے ہیں اور اگر جائیداد کی صورت میں اپنے حصے کا مطالبہ کریں یا جس امر پر بھی متفق ہوں اس کے مطابق ان کے حصے ادا کئے جائیں گے۔ والد نے اپنی زندگی میں اپنی اولاد میں سے، جس کسی کو جو دیا وہ اس

کی ملکیت ہو گیا۔ اس بناء پر وہ ترکہ سے محروم نہیں ہو گا۔ ترکہ مورث کی وفات کے بعد تقسیم ہوتا ہے۔ لہٰذا والد نے جس بیٹے کو جو کچھ بھی دیا وہ ترکہ نہیں تھا وہ اس کیلئے ھبہ تھا، اب اسے بھی ترکہ میں سے حصہ ملے گا۔

کسی وارث کا حق روکنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک صاحب کی دو بیویاں تھیں اور وہ دو گھروں کے مالک تھے۔ انکے انتقال کے بعد ان کے ورثاء میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں جو کہ سب بالغ ہیں۔ ان کے ساتھ والدہ بھی ہیں۔ ایک لڑکے کی خواہش یہ تھی کہ دونوں گھر فروخت کر کے جس کا شرعاً جو حصہ بنتا ہے آپس میں تقسیم کر دیا جائے۔ مگر دو بھائیوں نے اس کی بات نہ مانی اور ایک گھر جو کہ کم مالیت کا ہے وہ تینوں لڑکیوں کو دے دیا گیا۔ اور ساتھ ہی پچاس ہزار روپے فی لڑکی دینے کا لڑکوں نے وعدہ کیا۔ اس واقعہ کو تقریباً تین سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اور ابھی تک رقم کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے۔ اب دوسرا مکان جس کی مالیت زیادہ ہے، اس میں تین لڑکے رہائش پذیر ہیں اور ان کے گھریلو حالات بہت بگڑ چکے ہیں۔ ایک لڑکا جس نے شروع میں گھر فروخت کرنے کی بات کی تھی اسے روپوں کی اشد ضرورت ہے، اس بھائی کیلئے کیا حکم ہے جو نا تو گھر فروخت کر رہا ہے اور نہ بقیہ ورثاء کو حق دے رہا ہے؟ شریعت میں اس کیلئے کیا حکم اور سزا ہے؟ جواب عنایت فرما کر مشکل حل فرمائیں۔ عین نوازش ہو گی۔ شکریہ

سائل: اکبر مرزا، کراچی

المسئلہ : ۸ x ۶ / ۴۸ x ۴ / ۱۹۲

میت --

بیوہ	بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱		۷					
۳	۳	۱۴	۱۴	۱۴	اپنا حصہ لیکر جدا ہو گئیں		
۱۲	۵۶	۵۶	۵۶				

المسئلہ ۴ بینھما تباین

میت -- سکندر جہاں معہ ۳

بھائی	بہن	بہن
۲/۶	۱/۳	۱/۳

الجواب:

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم کا تمام ترکہ ایک سوبانوے سہام پر منقسم ہوگا، ان میں سے ایک بیوہ کے تین حصے ان کے بھائی بہنوں پر اس طرح تقسیم ہو جائیں گے کہ کل ایک سوبانوے حصے میں سے چھ بھائی کو اور تین تین حصے دونوں بہنوں کو ملیں گے۔ دوسری بیوہ نے اپنا حصہ بیٹوں اور بیٹیوں کو دے دیا تھا اس کے بعد بیٹوں نے اپنا حصہ لے کر علیحدگی اختیار کی لہذا انکے حصے کے ۱۲ سہام بھائیوں کو مل جائیں گے اس طرح ہر بیٹے کے ساٹھ ساٹھ حصے ہو جائیں گے۔ مشترک ترکہ میں ہر وارث کو اس کا حق دینا سب وارثوں پر فرض ہے۔ کسی وارث کے حصے میں نہ کم کر سکتے ہیں نہ رکاوٹ ڈال سکتے ہیں۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی متوفی ۲۷۳ھ نے ابن ماجہ میں نقل کیا:

مَنْ فَرَضَ مِيْرَاثَ وَارِثِه قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَه' مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

(ابواب الوصايا، باب الحيف في الوصية، صفحه: ۱۹۴، قديمي كتب خانه، كراچي)

جو کسی وارث کے حصے کو کاٹے گا اللہ تعالیٰ اس کا حصہ جنت سے کاٹ لے گا۔

لہذا سب وارثوں کی مرضی سے مکان اور والد کا تمام متروکہ سامان، جو کچھ ان کی ملکیت تھا سب وارثوں پر اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ کوئی وارث مکان بیچنے اور ترکہ تقسیم کرنے میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

دادا کی وراثت میں پوتے کا حق

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید کہتا ہے کہ "دادا چاہے تو اپنے پوتے کو جائیداد کا حصہ نہ دے یہ جائز ہے اس لئے کہ اس کا بیٹا فوت ہو گیا ہے" جبکہ بکر کہتا ہے کہ "پوتے کو جائیداد کا حصہ دینا ہوگا ورنہ یہ ظلم ہوگا"۔

سائل: عبدالسلام، پاکستان چوک

الجواب:

زندگی میں ہر شخص کو اپنی جائیداد میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ وہ پوتے جن کا باپ انتقال کر چکا ہو، وہ اپنے دادا کے مال میں حصہ دار نہیں ہوتے ہیں۔ جبکہ دادا کے دوسرے بیٹے زندہ ہوں۔ جب پوتے یتیم ہوں تو دادا کو چاہیئے کہ ان پوتوں کو کچھ دے دے یا ان کیلئے وصیت کر جائے۔

تقسیم وراثت میں ورثاء کی رضامندی کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ میرے والد مرحوم جنوری ۱۹۸۲ء میں انتقال فرماگئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجِعُوْن) پسماندگان میں میرے علاوہ میری والدہ، دو بہنیں، میری بیوی اور دو بچے ہیں۔ صورت حال یوں ہے کہ ابتداء میں اور والد صاحب سائیکل پر پھیری لگایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد انھوں نے مقامی بابر مارکیٹ میں کیبن لگا کر دوکانداری شروع کی جو وقت آخر تک جاری رہی۔ گھریلو مجبوریوں کی بناء پر تقریباً اٹھارہ برس پہلے میں نے پندرہ سال کی عمر میں ملازمت شروع کی۔ جو آج تک مسلسل جاری ہے۔ بلکہ گذشتہ آٹھ سال سے پارٹ ٹائم جاب بھی

جاری ہے۔ والد صاحب نے ہم سب بہن بھائیوں کی شادی کا فریضہ ادا کر دیا۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد بڑی بہن نے مطالبہ کیا کہ مرحوم کی جائیداد میں سے ان کا حصہ ادا کیا جائے۔ جائیداد یہ ہے :

(۱) مکان جس میں والدہ، میں، میری بیوی اور بچے رہائش پذیر ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹی بہن اپنے بچوں اور شوہر سمیت گذشتہ سات سال سے مکان کے ایک حصے میں مقیم ہے اور مکان کے دو حصے والد صاحب نے کرائے پر اٹھائے تھے۔ تقریباً بیس سال پہلے مرحوم نے یہ مکان ۱۲۰۰ میں خریدا تھا۔ جس میں وقتاً فوقتاً ترمیم و اضافہ کیا جاتا رہا۔

(۲) ماچس فیکٹری کے قریب بازار میں ہمارے دو کیبن تھے، جنھیں بعد میں دو کانوں میں سب کے ساتھ والد صاحب نے بھی تبدیل کیا اور اب وہ کرائے پر ہیں۔ اسی طرح گھر کے سامنے واقع گندے نالے پر واقع دو کانوں میں ایک دوکان ہماری بھی ہے۔ یہ تینوں دوکانیں غیر الاٹ شدہ ہیں اور ناجائز تجاوزات میں ہیں۔

(۳) بابر مارکیٹ کی دوکانیں، والد مرحوم کے انتقال تک یہ پتھارا تھا جسے بعد میں انجمن نے دیگر پتھاروں کے ساتھ KDA سے الاٹ کرایا۔ ہمارا کیبن کرایہ دار کے زیر استعمال ہونے کی وجہ سے مارکیٹ سے باہر غیر کاروباری جگہ پر ہمیں پلاٹ الاٹ ہوا۔ لیکن میں نے ذاتی کوشش، بھاگ دوڑ اور اخراجات کر کے وہ پلاٹ کینسل کروایا اور مارکیٹ کے اندر اپنا تمام پلاٹ الاٹ کرادیا اور اس پر دوکان تعمیر کر کے کرایہ پر اٹھادی۔

(۴) ۶۰ مربع گز کا پلاٹ KDA نے گلستان جوہر میں قرعہ اندازی کے ذریعے میرے والد کو الاٹ کیا، جس کی آدھی قیمت میں نے والد کے انتقال کے بعد ادا کی۔

(۵) بینک میں والد صاحب کے ۲۶ ہزار روپے تھے لیکن تقریباً ۲۹ ہزار روپے قرض بھی تھا جو بینک سے رقم ملتے ہی ادا کر دیا گیا۔

(۶) انتقال کے وقت جو مال دوکان میں تھا اس کی مالیت تقریباً ۱۰,۰۰۰ روپے تھی جو میں نے کرایہ دار کو دے دیا۔

اب آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ :

(۱) موجودہ جائیداد میں کس کس کا کتنا کتنا حصہ ہوگا؟ جبکہ والد مرحوم زبانی کئی بار یہ کہہ چکے ہیں۔ میں یہ سب کچھ تمھاری والدہ اور تمھارے لئے کر رہا ہوں۔

(۲) جائیداد میں کون سی قیمت لگائی جائے گی؟ وہ قیمت جس پر والد صاحب نے خریدا تھا، ان کے

انتقال کے وقت کی قیمت یا موجودہ وقت کی ؟ خصوصاً بابر مارکیٹ کی دوکانوں کی کون سی قیمت لگائی جائے گی ؟ انتقال کے وقت کیبن کی قیمت کیبن کے بارے میں ملنے والے مکان کی قیمت یا موجود دوکان کی قیمت ؟

(۳) دیگر ورثاء کے حق کے تعین کیلئے میں اپنی ۱۸ سالہ محنت کو کس حساب سے موجودہ جائیداد سے علیحدہ کروں۔ آدھی، چوتھائی یا تہائی ؟

(۴) والد صاحب کی تدفین، تعمیر قبر، دسویں اور چالیسویں کے اخراجات، والد صاحب کی بیماری میں چچا کی ہندوستان سے آمد اور والد صاحب کی نصیحت کے مطابق ان کی روانگی کے وقت مال و اسباب کی فراہمی کے اخراجات، والد صاحب کی شدید بیماری میں اسپتال کے خطیر اخراجات، انتقال کے فوراً بعد والدہ صاحبہ اور میرے سفر حج کے اخراجات وغیرہ والد صاحب کی جائیداد سے منہا کئے جائیں گے یا نہیں ؟

(۵) بڑی بہن کو فوراً ان کا حصہ کیسے ادا کیا جائے کیونکہ نقد رقم پاس نہیں ہے۔ اور لانڈھی ریلوے کراسنگ پر پل (برج) بننے کی خبروں کے بعد کوئی شخص دوکانیں خریدنے پر راضی نہیں ہے۔ اور ہم اپنے ذاتی استعمال کی دوکان اور بابر مارکیٹ کی دوکانیں اس لئے فروخت نہیں کرنا چاہتے کہ صرف یہی دو چیزیں باقاعدہ الاٹ شدہ ہیں۔ اور والدہ صاحبہ کی شدید خواہش ہے کہ انھیں نہ بیچا جائے۔ واضح رہے کہ چھوٹی بہن اپنا حصہ لینے پر راضی نہیں۔ لیکن یہ تو صریحاً ناانصافی ہو گی کہ مانگنے والی بہن کو دے دیا جائے اور نہ مانگنے والی بہن کو نہ دیا جائے۔

ازراہ مہربانی پہلی فرصت میں جواب سے مستفید فرمائیے۔

سائل : محمد اقبال احمد، لانڈھی

المسئلہ ۸ × ۴ = ۳۲

میت --

بیوی	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۱/۴		۷	
۴	۱۴	۷	۷

الجواب :

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثہ در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث مرحوم کا کل ترکہ بتیس حصوں میں تقسیم ہو کر چار حصے بیوی کو، چودہ حصص بیٹے کو اور سات سات حصے بیٹیوں کو ملیں گے۔ جائیداد کی قیمت اس وقت کی لگائی جائے گی، جس وقت وہ تقسیم کی جائے گی۔ انتقال کے بعد اب تک جو اضافہ ہوا ہے ،وہ سب وارثوں کا ہے۔ وہ پلاٹ جو لڑکے نے اپنے نام الاٹ کروایا وہ بھی اس پلاٹ کے بدلے میں الاٹ کروایا ہے جو والد صاحب کے زمانے کا ہے۔ لہٰذا وہ بھی سب وارثوں کا مشترک ہے ،ان کے انتقال کے وقت تجہیز و تکفین میں جو مصارف کئے گئے ،وہ اس صورت میں کہ تمام ورثاء بالغ ہوں اور انکی اجازت سے یہ سب کام ہوا ہو تو وہ صحیح مان لئے جائیں گے۔

ہندوستان سے آنے والے چچا کو جو کچھ دیا گیا وہ بھی وصیت کی بناء پر مان لیا جائے گا۔ لیکن والدہ کے علاوہ کے مصارف انکے حصے سے کاٹے جائیں گے اسی طرح بیٹے اور والدہ نے حج پر جتنے مصارف کئے ہیں وہ بھی ان کے حصوں سے وصول کئے جائیں گے۔ تقسیم تمام وارثوں کی رضامندی سے ہو گی وہ جیسے راضی ہوں گے۔ ویسے تقسیم کریں گے۔ جو بہن اپنا حصہ نہیں لینا چاہتی، اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس کے حق میں اپنا حصہ چھوڑنا چاہتی ہے اگر سب کے حق میں چھوڑنا چاہتی ہے تو سب کو مل جائے گا اور اگر کسی خاص وارث کو دینا چاہتی ہے تو اس کو مل جائے گا۔ لڑکے نے ملازمت کر کے جو کمایا ہے اپنی بیوی اور بچوں پر خرچ کیا یا والدین پر بھی کچھ خرچ کیا ہو گا۔ اس کا کچھ عوض ترکہ میں سے نہیں لے سکتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کسی کے ترکہ پر ناجائز قبضہ کرنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میرے سگے بھائی مسمّٰی حبیب الرحمٰن ولد عبد اللہ کا ۱۹۶۷ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ مرحوم نے انتقال پر مندرجہ ذیل جائیداد وغیرہ چھوڑی تھی۔

ایک مکان، دو دوکانیں اور ایک دوکان میں ڈیکوریشن کا سامان ہے جس کی مالیت تقریباً ۸۰ ہزار روپے ہے۔ اور زیور وغیرہ، مرحوم نے انتقال کے وقت بیوی اور ایک بہن (درخواست دہندہ) کے نام کر دیا تھا۔ مرحوم کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ بیوی کا بھی بعد میں انتقال ہو گیا۔ بہن ابھی زندہ ہے۔ مرحوم نے اپنی مذکورہ جائیداد وغیرہ کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی۔ لیکن بعد میں برادری اور محلے والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک مرحوم کی بیوی زندہ ہے یہ تمام جائیداد، سامان اور زیور اسکی تحویل میں رہے گا۔ لیکن بیوہ یہ جائیداد وغیرہ فروخت نہیں کر سکتی اور نہ ہی اپنے نام کروا سکتی ہے۔ البتہ جائیداد کی آمدنی سے اپنے ذاتی اخراجات پورے کر سکتی ہے۔ اور وہ یہ اخراجات اپنی حیات تک پورے کرتی رہی۔ بیوہ کے انتقال کے بعد، بیوہ کے بھائی نے مرحوم کی مذکورہ تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا اور یہ جائیداد، سامان اور زیور اب بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ حالانکہ بیوہ کے بھائی کا اپنا ذاتی مکان ہے۔ بیوہ کے بھائی نے ڈیکوریشن کا تمام سامان نیلام کر دیا اور اسکی قیمت خود ہڑپ کر گیا۔ بہن کے علاوہ مرحوم حبیب الرحمٰن کا ایک سگا چچا بھی ہے۔ اب آپ سے فتویٰ درکار ہے کہ:

(۱) مذکورہ جائیداد پر از روئے شریعت مرحوم کی بہن اور چچا کا حق ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو دونوں کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

(۲) علاوہ ازیں بیوہ کا بھائی بھی جائیداد کا حق دار ہے یا نہیں؟

سائلہ: خالدہ بانو، صدر، کراچی

الجواب:

مسئلہ ۴

میت -- حبیب الرحمٰن

بیوی	چچا	بہن
۱	۱	۲

المسئلہ ۱

میت---بیوی

بھائی

۱

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائلہ و انحصار ورثہ در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث بحسب شرائط فرائض مرحوم حبیب الرحمٰن کا کل ترکہ چار حصوں پر منقسم ہو کر ایک حصہ مرحوم کی بیوی کو، ایک حصہ چچا کو اور دو حصے مرحوم کی بہن کو ملیں گے۔ حبیب الرحمٰن کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کل مال بیوہ کے قبضے میں رہے گا، یہ ظلم تھا اور شریعت کے خلاف فیصلہ تھا۔ دوسرے وارثوں کی حق تلفی تھی، جسکے ذمہ دار یہ فیصلہ کرنے والے لوگ ہیں۔ اور سارا وبال ان کی گردنوں پر ہے۔

بیوہ کے بھائی نے کل ترکہ پر قبضہ کر کے دوسرے وارثوں پر ظلم کیا اور انکی حق تلفی کی۔ اسے عذاب آخرت سے ڈرنا چاہیئے، جسکے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا کہ قیامت کے دن وہ لوگ جن کا حق دنیا میں کسی شخص نے مارا تھا اللہ تعالیٰ سے انصاف کیلئے عرض کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس ظالم (حق مارنے والے) کی نیکیاں ان حق والوں کو دے دے گا اور اگر اس سے بھی پورا نہ ہو تو ان حق والوں کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔ اس طرح وہ ظالم اپنی نیکیوں سے خالی ہاتھ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ لادھ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ لہٰذا دنیا ہی میں اسے چاہیئے کہ وہ حق والوں کا حق دے دے یا ان سے معاف کرالے۔ لہٰذا بیوہ کے بھائی کو چاہیئے کہ ان لوگوں کے پورے حصے واپس کر دے۔

ورثاء میں سے کسی وارث کے حق پر ناجائز قبضے کا حکم

الاستفتاء:

میرے ایک قریبی دوست جن کا نام عبد العزیز (مرحوم) ولد محمد حنیف (مرحوم) تھا انھوں نے انڈیا میں ایک شادی کی، جس سے دو بیٹیاں ہیں۔ ان دونوں لڑکیوں کی شادی کر دی۔ ۳۵ سال کے بعد انھوں نے دوسری

شادی کی کیونکہ پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا تھا۔ دوسری بیوی سے ایک بیٹا ہے اور اس بیٹے کی ولادت کے بعد عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ مرنے والے نے ایک ۸۰ گز کا مکان چھوڑا ہے۔ کیا اس جائیداد میں سے پہلی بیوی کی دونوں بیٹیوں کا کچھ حصہ بنتا ہے؟ اگر بنتا ہے تو شرعی لحاظ سے کتنا حق ہوا مگر اسکے ساتھ ہی دوسری بیوی نے اس مکان کو اپنے نام منتقل کرالیا ہے۔ اور انھوں نے پہلی بیوی کی لڑکیوں کو جائیداد سے محروم کردیا ہے۔ لہٰذا آپ مسئلے کا حل بتائیں۔

سائل: محمد اکرم، لانڈھی، کراچی

الجواب:

المسئلہ　۸ × ۴ = ۳۲

میت---

بیوی	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۱/۴	۷		
۴	۱۴	۷	۷

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثہ در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض مرحوم کا کل ترکہ مکان، پلاٹ، نقد روپیہ اور گھریلو سامان وغیرہ بتیس حصوں پر منقسم ہو کر چار حصے بیوی کو چودہ حصے لڑکے کو اور سات سات حصے دونوں لڑکیوں کے ہیں۔ بیوی نے جو تصرف کیا، وہ ناجائز و حرام ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ سب وارثوں کا حصہ ان کو دے دے۔

حق وراثت اور ملکی قوانین

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے استدعا ہے کہ میرے مندرجہ ذیل سوال کا جواب اسلامی قانون کے مطابق دے کر سرفراز

فرمائیں۔ میں آپ کے فتوی کی روشنی میں فیڈرل شریعت کورٹ میں اس فیصلے کیلئے جانا چاہتا ہوں۔

میں پاکستانی نیشنلٹی رکھتا ہوں ہوں میرے بڑے بھائی مولوی نذیر حسین انڈیا میں مدراس میں رہتے تھے۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی، بیوی کا انتقال ان کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میرے بھائی کا بھی انتقال ہو گیا۔ بھائی کے فوت ہونے پر ان کی جائیداد بذریعہ مدراس ہائی کورٹ مجھے، میرے بھائی اور بہن کو اسلامی قانون وراثت کے تحت ملی۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں جو کہ پاکستان اور ہندوستان کے مابین لڑی گئی، تمام پاکستانیوں کی جائیدادیں جو کہ اس وقت بھارت میں تھیں، وہ ہندوستان نے بطور دشمن املاک اپنی تحویل میں لے لیں اور اسی طرح بھارتیوں کی جائیدادیں جو کہ پاکستان میں تھیں وہ قانون دشمن املاک کے تحت اور ڈیفنس آف پاکستان رولز کے مطابق پاکستان نے اپنی تحویل میں لے لیں۔ یہ تمام جائیدادیں جو کہ پاکستان میں تھیں وہ غیر مسلم بھارتیوں کی تھیں۔

حکومت پاکستان نے، دشمن املاک فروخت کر دیں اور جو باقی بچی ہیں، وہ فروخت ہو رہی ہیں۔ بھارت کی دشمن املاک کی قیمت پاکستانی ضبط شدہ املاک سے ۹۹ فیصد سے بھی زیادہ ہے۔ اگر حکومت پاکستان چاہے تو اس رقم سے متعلقہ پاکستانیوں کو بآسانی ان کی ضبط شدہ املاک کی قیمت کی رقومات ادا کی جاسکتی ہیں۔ مگر ۱۹۶۵ء کی جنگ سے اب تک یعنی گذشتہ اٹھارہ سال میں حکومت پاکستان نے پاکستانیوں کی ضبط شدہ غیر منقولہ املاک کے بدلے میں آج تک کسی قسم کا معاوضہ ادا نہیں کیا اور نہ ہی کوئی ایسی کاروائی بظاہر زیر تجویز ہے۔ اس ضمن میں اطلاعاً گذارش ہے کہ پریس نوٹ مؤرخہ ۱۶ اپریل ۱۹۸۳ء کے ذریعہ حکومت پاکستان نے فیصلہ کیا کہ جن پاکستانیوں کی رقومات بھارتی بینکوں میں ضبط ہوئی تھیں، وہ انھیں گورنمنٹ پاکستان ادا کرے گی۔ مگر تاحال غیر منقولہ جائیدادوں کے سلسلہ میں حکومت بالکل خاموش ہے۔

میں آپ کے عالمانہ فیصلے کے تحت تمام پاکستانیوں کی ان جائیدادوں کا جو کہ دشمن املاک قرار دی گئی ہیں، معاوضہ دلانا چاہتا ہوں۔ میں نے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم اور بعد میں موجودہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو درخواستیں دی تھیں مگر کوئی 3 نہیں نکلا۔ آپ اس سلسلہ میں مکمل رہنما جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: عبدالرحمٰن، میس روڈ، لاہور

الجواب:

کسی مسلمان ملک کے رہنے والے، مسلمانوں کی جو املاک، کسی کافر ملک میں ہوں اور اس حکومت نے، ان پر قبضہ کر لیا ہو، تو اس کا تاوان یا قیمت دینے کی ذمہ داری مسلمان حکومت کی نہیں ہے۔ صرف ایک صورت یہ ہے کہ جب مسلمان ملک اس ملک پر، جس میں وہ املاک تھیں، فتح کر کے قبضہ کر لے تو وہ املاک مال غنیمت قرار نہیں دی جائیں گی۔ بلکہ ان کے مالکوں کو لوٹا دی جائیں گی۔

کفار کی املاک اگر مسلمان ملک میں ہیں اور کافر، ان کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں تو وہ حکومت کی ملکیت ہو جاتی ہیں ۔اس کی کوئی مثال نہیں ہے کہ کافروں کی املاک جو مسلمان ملک میں ہیں، ان مسلمانوں کو دے دی جائیں، جن کی املاک پر کافروں نے قبضہ کر لیا تھا۔ مکہ سے ہجرت کرنے والے صحابہ کرام اپنا مال سامان جو مکہ میں چھوڑ آئے تھے، ان میں سے کسی کو حضور ﷺ نے یہودیوں کے وہ اموال جو بنو قریظہ اور بنو نضیر مدینہ شریف چھوڑ کر چلے گئے تھے، تاوان کے طور پر نہیں دیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان حکومت ان اموال کے تاوان کی ذمہ دار نہیں ہے۔ لہٰذا سوال میں جو صورت مذکور ہے اس میں یہاں کی حکومت سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا ہے، جس املاک کو ہندوستانی حکومت نے قبضہ میں کر لیا ہے۔

اختلاف ملک اور حق وراثت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

زید مرحوم نے مکانات جن کو اس نے تقسیم نہیں کیا۔ اب ان میں زید کے بھائی رہتے ہیں۔ جائیداد زرعی زمین جو کہ مرحوم کے اپنے نام تھی، بیس ہزار روپیہ بینک میں جو کہ بہن (ہندوستان میں رہائش پذیر) ہے اسکے نام تھا اور تجارتی مال بھی چھوڑا ہے۔ اب ہندوستان میں رہنے والے بھائی یہ کہتے ہیں کہ جو اولاد پاکستان منتقل ہو چکی ہے اور وہاں کی شہریت اختیار کر چکی ہے، اسکا کوئی قانونی اور شرعی حق مرحوم کے ترکہ میں نہیں رہا کیونکہ وہ دوسرا ملک ہے۔ مرحوم کا ترکہ کی شرعی تقسیم کس طرح ہوگی؟ اور جائیداد کی جو تفصیل اس میں ہے، ہم پاکستان میں رہنے والے بھائی بہنوں کا کتنا حصہ ہوگا؟ یہاں پر ہم دو بھائی اور تین بہنیں اس طرح ہم سب کل نو بھائی بہن ہیں۔ ۵ بھائی اور ۴ بہنیں ہیں۔ کیا

ہندوستان میں مقیم بھائی بہنوں کو اس مال کے علاوہ جو زندگی میں انھیں مل چکا ہے، ترکہ میں سے کچھ حصہ ملے گا؟ کیا نقل مکانی سے پاکستان منتقل پاکستانی حصہ دار ترکہ سے محروم ہوں گے۔

سائل: محمد یعقوب برنی، ایم اے جناح روڈ، کراچی

الجواب:

المسئلہ ۱۴

میت

بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱	۱

مرحوم کا کل ترکہ چودہ حصوں میں منقسم ہوگا، ان میں سے دو دو حصے ہر بیٹے کو اور ایک ایک حصہ ہر بیٹی کو ملے گا۔ ہندوستان پاکستان دو مختلف ملک ہونے کے باوجود پاکستان میں رہنے والے ورثاء ترکہ سے محروم نہیں ہوں گے۔ اختلاف ملک کی وجہ سے کافر محروم ہوتا ہے، مسلمان محروم نہیں ہوتے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

واختلاف الدارين فيما بين الكفار عندنا

یعنی ہم احناف کے نزدیک اختلاف ملک کفار کے درمیان معتبر ہے۔

اسکے بعد فرماتے ہیں:

بخلاف المسلمين

یعنی مسلمانوں کیلئے اختلاف ملک معتبر نہیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے در مختار کی شرح ردالمحتار میں لکھا:

اى اختلاف الدار لا يؤثر فى حق المسلمين كما فى عامة الشروح حتى ان المسلم التاجر او الاسير لو مات فى دار الحرب ورث منه ورثته الذين فى دار الاسلام

(شامی، جلد(۵) کتاب الفرائض ، صفحہ: ۵۴۲، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی اختلاف ملک مسلمانوں کے حق میں مؤثر نہیں ہوتا جیسا کہ عام شروحات میں لکھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مسلمان تاجر یا قیدی دار الحرب میں مرا تو اس کے ترکہ سے وہ تمام ورثاء وراثت پائیں گے جو دار الاسلام میں ہیں۔

لڑکی کے نام بیس ہزار روپیہ جو بینک میں جمع کیا تھا اگر ہبہ کر کے قبضہ میں دے دیا تھا تو وہ اس کا ہو گیا۔ ترکہ میں تقسیم نہیں ہوگا۔ اور اگر صرف بینک میں اسکے نام سے اکاؤنٹ کھولا تھا اور اسکے قبضے میں نہیں دیا تھا تو یہ ہبہ باطل ہو گیا۔ وہ بھی ترکہ میں تقسیم ہوگا۔ جتنی زمین انھوں نے زندگی میں لڑکوں کے نام کر دی تھی اور قبضہ بھی دے دیا تھا تو وہ انکی ہے، جن کے نام کی تھی اور اگر قبضہ نہیں دیا تھا تو وہ بھی ترکہ میں تقسیم ہوگی۔ والد کے نام جو کچھ بھی باقی تھا اور نقد روپیہ سونا چاندی سامان وغیرہ جو مرتے وقت چھوڑ گئے، وہ سب وارثوں کا ہے اور اس کے کہہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ پاکستان میں رہنے والے لڑکے کیلئے ہے، یہ ہبہ تو ہے نہیں اور وصیت باطل ہے ۔ حدیث میں ہے، اور اس حدیث کو ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابی داؤد میں نقل کیا:

فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

(حصہ دوم، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الوصیة لوارث ، صفحہ: ۴۰، مکتبہ حقانیہ ، ملتان)

یعنی وارث کے حق میں کوئی وصیت قابل قبول نہیں۔

سوتیلی اولاد میں تقسیم وراثت

الاستفتاء:

بخدمت جناب مفتی صاحب! دار العلوم امجدیہ

مندرجہ ذیل مسئلے پر جناب عالی سے حکم شرعی درکار ہے۔ مکان 77-B ہاجرہ آباد میری دادی کے نام الاٹ ہے۔ وہ میرے بیٹے کے نام کرنا چاہتی ہیں۔ اور اس کی بلوغت تک مجھے مختار بنانا چاہتی ہیں۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ مکان اگرچہ میری دادی کی ملکیت ہے۔ مگر اس کی تعمیر میرے دادا نے "کلیم" کے پیسے سے ہوایا

تھا، جو کہ آبائی جائیداد تھی اور اس کلیم میں میرے پھوپھا کا حصہ بھی شامل تھا۔ دادا مرحوم نے اپنی حیات میں کئی مرتبہ میرے والد اور پھوپھیوں سے یہ کہا کہ میں ایسی وصیت کرنا چاہتا ہوں کہ بعد میں تم لوگوں کو کوئی پریشانی نہ ہو ۔ مگر سب لوگوں نے یہ کہا کہ "اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جب تک والدہ صاحبہ زندہ ہیں۔ (جو کہ سوتیلی ماں ہیں اور ان کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے) اسی طرح رہتی رہیں گی اور ان کی زندگی میں کوئی تقسیم نہیں ہوگی۔ انکے بعد جائیداد ورثاء میں تقسیم ہو جائے گی"۔ اب چونکہ میری دادی یہ جائیداد میرے بیٹے یعنی اپنے پڑپوتے کے نام منتقل کرنا چاہتی ہیں۔ اور ورثاء اپنا حق چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ سے شرعی احکامات کی رو سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

(۱) کیا ایسی جائیداد، جس میں اور دعویدار بھی ہوں کسی ایک کے نام کی جا سکتی ہے؟ ایسی صورت میں کیا منتقل کرنے والا اور جس کو منتقل کی جارہی ہے، اللہ کے یہاں ان کی پکڑ ہوگی؟

(۲) مکان چونکہ دادی کے نام ہے تو اس پر جو تعمیر "کلیم" کے روپیہ سے کی گئی، اس کی مالیت کا تخمینہ اس وقت کے حساب سے لگایا جائے گا جب مکان تعمیر ہوا تھا یا موجودہ قیمت سے لگایا جائے گا؟

(۳) پھوپھا کے کلیم کا جو حصہ شامل ہے، اس کی کیا صورت ہوگی؟

(۴) کیا ورثاء کا حصہ دادی صاحبہ کو تقسیم کرنا ہوگا یا مجھ کو بطور "اٹارنی" ادا کرنا ہوگا۔

(۵) کیا حقداروں سے حق معاف کرایا جاسکتا ہے اور اگر کوئی حقدار معاف کرنے پر رضامند نہ ہو تو صرف اسکا حصہ ہی ادا کرنا ہوگا یا سب کا حصہ نکالنا ہوگا؟

(۶) ورثاء میں ایک بیٹا جو وفات پاچکا ہے، ایک بیٹا جو حیات ہے یعنی میرے والد اور چار لڑکیاں جن میں سے ایک وفات پاچکی ہیں۔ ان ورثاء کے حصے کس طرح تقسیم ہوں گے؟

سائل: سیف ا d، ھاجرہ آباد، کراچی

الجواب:

شاہجہاں بیگم جن کو سائل نے دادی لکھا ہے، وہ حقیقتاً اس کی دادی نہیں ہے۔ اس کے دادا کی دوسری بیوی ہیں، جن سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہ لوگ پہلی بیوی کی اولاد ہیں۔ لہٰذا ان کا کوئی رشتہ شاہجہاں سے نہیں ہے۔ شاہجہاں کے شوہر نے جو مکان اپنے نام سے خریدا تھا اور اس میں یہ رہتی تھیں وہ شاہجہاں کی ملکیت ہو گیا تھا ان

کے شوہر نے جو روپیہ، اس مکان کی تعمیر میں لگایا، وہ بھی شاہجہاں کی ملکیت پر خرچ ہوا، ان سب کی مالکہ وہ ہو گئیں۔ انھیں اپنی زندگی میں اس مکان میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ جس کو چاہیں دے دیں کسی کا کوئی حق اس مکان میں نہیں ہے۔ اس لئے کسی کی رضامندی کا سوال نہیں ہوتا۔

وراثت میں سوتیلی اولاد کا حق

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میرے والد نے دو شادیاں کی ہیں۔ میری والدہ کا انتقال والد صاحب کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا جبکہ میری سوتیلی والدہ کا انتقال والد کے انتقال کے بعد ہوا۔ ورثاء میں ہم دو حقیقی بھائی ہیں۔ سوتیلی ماں سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ جائیداد میں اور کوئی حصہ دار نہیں۔ ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

سائل : محمد اسلم، نیو کراچی

الجواب :

سوتیلی والدہ جب والد کے انتقال کے وقت موجود تھیں تو بیوی کا آٹھواں حصہ تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا ترکہ اسکے ورثاء کو ملے گا۔ سوتیلے بیٹوں کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ ہاں یہ اپنے والد کی جائیداد آپس میں برابر تقسیم کر لیں گے۔

لے پالک کا ترکہ میں حصہ

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کا ایک بڑا بھائی اور ایک بہن ہندوستان میں رہتے ہیں۔ زید اور اسکی بہن دونوں کی اولاد ہیں۔ بڑے بھائی کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ بڑے بھائی نے بکر کو پال کر جوان کیا۔ بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ اس نے کوئی وصیت

کی ہے یا نہیں، اس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ مرنے والے کی بیوی بقید حیات ہے۔ سوال یہ ہے کہ مرنے والے کی جائیداد کی وراثت کس طرح تقسیم ہوگی؟ اس میں زید کا اور اس کی بہن کا کتنا حصہ ہوگا اور مرنے والے کی بیوی کا کتنا حصہ ہوگا؟

(۲) نیز لے پالک بکر کا کتنا حصہ ہوگا؟

(۳) اگر زید کا انتقال ہو جائے تو بصورت دیگر اس کی اولاد وراثت میں حصے دار ہوگی یا نہیں؟

(۴) مرنے والے کی وراثت پر بکر قبضہ کرلے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

برائے کرم ان سوالات کے جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں - تحریر فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

سائل: عبدالرحمٰن اجمیری

الجواب:

المسئلہ ۴

میت

بیوی	بھائی	بہن
۱	۲	۱

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثاء در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث مرحوم کا ترکہ و جائیداد چار حصوں پر منقسم ہو کر ایک حصہ مرحوم کی بیوہ اور دو حصے مرحوم کے بھائی زید کو اور ایک حصہ مرحوم کی بہن کو ملے گا۔ اور بکر جو کہ اس کے رشتہ میں کچھ نہیں، اس کو محض پال پوس کر بڑا کیا ہے، اس کا کوئی حصہ شرع کی طرف سے نہیں ہے۔ اور جب زید کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء کے بارے میں بتا کر مسئلہ دریافت کیا جائے۔

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

میری شادی تقریباً بیس سال قبل ہوئی، اولاد نہ ہونے کے سبب اپنی سالی کی لڑکی کو گود لے لیا جو ماشاء

اللہ جوان ہوگئی۔ پھر میں نے دوسری شادی بھی کرلی۔ دوسری بیوی سے میری دو بچیاں ہیں۔ کیا میری گود لی ہوئی بچی کا شرعی طور پر جائیداد میں حق ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ اپنی ولدیت میں اسکول سرٹیفکیٹ پر میرا نام اسکتی ہے یا نہیں؟ شرعی طور پر رہنمائی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب :

پالی ہوئی بیٹی کو جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا ہے۔ زندگی میں جو چاہے دے مگر اپنے وارثوں کا حق تلف کرنے کیلئے زیادہ نہیں دے گا۔ پالی ہوئی بیٹی کو اپنے اصل باپ کا نام انا چاہیے اور نکاح میں بھی اصل باپ کو ولایت حاصل ہوتی ہے۔

مرحوم کی ملکیت میں آنے والی تمام چیزوں کی تقسیم کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں کہ :

ایک شخص کا انتقال ہوگیا۔ ورثاء میں مرحوم کے والدین، مرحوم کی بیوہ، ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہیں۔ مرحوم نے کچھ زیورات بچوں کے نام کر کے کسی کے ہاں امانت رکھوائے تھے۔ کیا مرحوم کی بیوہ ان کو واپس لے سکتی ہے؟ جو واجبات بیوہ نے نقد اور روپے کی صورت میں دفتر سے وصول کئے اس میں کس کا حق ہے؟ نیز مرحوم کے استعمال کی تمام چیزیں ترکہ میں تقسیم ہوں گی یا نہیں؟ امید ہے تفصیل سے جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

سائل : محمد زاہد، کراچی

الجواب :

المسئلہ ۲۴ × ۳ = ۷۲

میت--

بیوی ماں باپ بیٹا بیٹی

۳/۹	۴/۱۲	۴/۱۲	۱۳ — ۲۶ / ۱۳

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثہ در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث حسب شرائط فرائض مرحوم کا کل ترکہ اور سامان بہتر حصوں پر منقسم ہو کر نو حصے بیوی کے اور بارہ بارہ حصے ماں اور باپ کے، چھبیس لڑکے کے اور تیرہ لڑکی کے ہیں۔ شادی کے وقت دونوں جانب سے زیورات کپڑے اور جہیز وغیرہ کا سامان دیا جاتا ہے اس سب کی مالک بیوی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ اس کا حق ہے، اس سے واپس نہیں لیا جا سکتا۔ صرف وہ چیزیں جو مردوں کے استعمال کیلئے ہوتی ہیں { مردانہ کپڑے، گھڑی، قلم اور وہ انگوٹھی جو دولہا کو دی جاتی ہے، اس سب کا مالک شوہر ہوتا ہے۔ وہ سب وارثوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ جو واجبات بیوہ نے وصول کئے وہ مندرجہ بالا طریقہ سے سب کے ہیں۔ مرحوم نے گھریلو استعمال کیلئے جو چیزیں خود خریدیں تھیں، وہ سب وارثوں میں تقسیم ہوں گی۔

بیوی کے ترکہ میں شوہر کا حصہ

الاستفتاء:

ایک عورت کا انتقال ہو گیا۔ نزدیکی رشتہ داروں میں ماں، باپ، بہن، بھائی، لڑکا، لڑکی اور شوہر زندہ ہیں مرحومہ کی جائیداد ہے۔ کس کس کو جائیداد میں حصہ ملے گا اور کتنا؟ از روئے شرع حکم خداوندی کے بموجب ارشاد فرمائیں۔

المسئلہ ۱۲ × ۳ = ۳۶

میت ---

ماں	باپ	شوہر	لڑکا	لڑکی	بہن	بھائی
۲/۶	۲/۶	۳/۹	۵ — ۱۰	۵	محروم	محروم

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صدق سائل وانحصار ورثہ در مذکورین بعد امور متقدمہ علی الارث مرحوم کا کل ترکہ چھتیس حصوں پر منقسم ہو کر چھ چھ حصے ماں اور باپ کو اور نو حصے شوہر کو ملیں گے۔ دس حصے لڑکے کو اور پانچ حصے لڑکی کو ملیں گے۔ جبکہ مرحومہ کے بہن اور بھائی محروم ہو جائیں گے۔

مجنونہ بیوی کا ترکہ حاصل کرنے کا حکم نیز ولی کی ترتیب

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی وقار الدین صاحب!

السلام علیکم

آپ سے گذارش ہے کہ مندرجہ ذیل مسئلے پر قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرما کر مشکور فرمائیں۔

میری شادی کو ۳۴ سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ میری بیوی کا شروع سے دماغی توازن درست نہیں، جنونی کیفیت کبھی زیادہ ہوتی ہے کبھی کم۔ فی الحال عرصہ ڈیڑھ سال سے پھر نیم پاگل ہے۔ اب اسکی عمر ۵۰ سال سے تجاوز ہے اور اسکے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے خطرہ ہے کہ شاید وہ اپنے ہوش و حواس میں واپس نہ آسکے۔ اس کا ترکہ جو کہ مبلغ ۲۵۰۰۱ روپیہ بنتا ہے اس کی بڑی بہن نے روک رکھا ہے اور دینے سے انکاری ہے۔

(۱) کیا شوہر کو جو کہ اپنے مکمل ہوش و حواس میں ہے۔ اپنی پاگل بیوی کا ترکہ حق شرع اپنی بیوی کی طرف سے وصول کر سکتا ہے اور ضمانت دیتا ہے کہ بیوی کا دماغی توازن درست ہونے کے بعد یہ امانت اسکے حوالے کر دی جائے گی۔ جبکہ بوقت تحریر وراثت نامہ پر شوہر نے ہی د \ کئے تھے۔ یا اسکے بچے جو اب بالغ ہو چکے ہیں، انھیں شرعی طور پر وصول کرنے کا حق ہے؟

(۲) جبکہ میری سالی کا کہنا ہے کہ وہ از خود یہ رقم بہن کے حوالے کر دے گی۔ کیا شرعی قوانین روشنی میں وہ اسکی رقم اپنے قبضے میں رکھ سکتی ہے ۔ جبکہ اسکے بچے موجود ہیں۔ خطرہ ہے کہ اگر وہ درست نہ ہو سکی تو اسکے بچے جو میری نگاہ میں اس کے ترکہ کے حقدار ہیں حق سے محروم ہو جائیں گے۔ جبکہ شوہر اسکے درست نہ ہونے پر یہ رقم اس کی بچیوں پر لگانا چاہتا ہے اور صدقہ جاریہ پر خرچ کرنا چاہتا ہے۔ لب لباب یہ ہے کہ کیا اس کی بہن رقم اپنے قبضے میں رکھنے کی مجاز ہے؟ کیا یہ رقم اسکے بچوں کی حق وراثت بنتی ہے؟

الجواب:

جنون تین قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) ایسا جنون جو کسی وقت دور نہیں ہوتا۔

(۲) کبھی جنون طاری ہو جاتا ہے اور کبھی دور ہو جاتا ہے۔

(۳) بیوقوف قسم کا مجنوں۔

تیسری قسم کے جنون میں مجنون کے تمام معاملات اسکا ولی طے کرے گا۔ دوسری قسم کے مجنوں کے وہ تصرفات جائز ہیں، جو اس نے حالت صحت میں کئے۔ اور حالت جنون میں کئے گئے تصرفات باطل ہیں۔ اور پہلی قسم میں ظاہر ہے کہ مجنون تصرف کے لائق ہی نہیں۔ تو اس کے تصرفات بھی ولی کرتا ہے۔

ولایت میں باپ مقدم ہے۔ اگر باپ نہ ہو تو دوسرے عصبات ولی ہوتے ہیں۔ اور عصبات میں ترتیب اسی طرح ہوتی ہے جس طرح وراثت میں ہوتی ہے۔ پہلے بیٹے پوتے وغیرہ مذکر اولادیں۔ یہ نہ ہوں تو باپ، دادا وغیرہ۔ یہ بھی نہ ہوں تو باپ کی مذکر اولادیں یعنی بھائی بھتیجے وغیرہ۔ یہ بھی نہ ہوں تو دادا کی مذکر اولادیں یعنی چچا اور چچازاد بھائی وغیرہ۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر عورت پہلی قسم کی مجنونہ ہے اور اس کا باپ نہیں ہے تو اس کا جوان بیٹا ترکہ کا روپیہ تقسیم کرے گا۔ مگر اس میں کوئی تصرف نہیں کرے گا۔ اگر ماں کا جنوں دور ہو جائے تو اسکو دے دے۔ اگر جنوں دور نہ ہو تو اسکے مرنے کے بعد وارثوں میں تقسیم کر دے۔ اور اگر دوسرے قسم کا جنوں ہے تو جس وقت جنوں نہ ہو تو اس وقت اپنے مال پر قبضہ کرے گی اور اس حالت میں جو چاہے تصرف کرے گی۔ بہر حال مجنونہ کی بہن کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مجنونہ کے ترکہ کو اپنے پاس رکھے اور نہ مجنونہ کے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس روپے پر قبضہ کرے۔

پگڑی والی چیز میں ورثاء کا حق

الاستفتاء:

جناب مفتی صاحب! دار العلوم امجدیہ، کراچی

السلام علیکم

بعد سلام و آداب کے گذارش ہے کہ ایک عورت جو ہماری برادری سے تعلق رکھتی ہے، اسکے پاس ایک مکان ہے۔ جس کی قیمت تقریباً پچاس ہزار روپے بنتی ہے۔ عورت کا خاوند وفات پا چکا ہے۔ اس عورت کی تین

لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، جو سب شادی شدہ ہیں۔ اگر یہ عورت اپنا مکان بیچ دے تو اپنے لئے کتنی رقم رکھے اور اولاد میں کیا تقسیم کرے۔ اس مکان کے علاوہ عورت کے پاس اور کسی قسم کی کوئی مالیت نہیں ہے۔

الجواب :

اگر مکان پگڑی کا ہے تو جو اس میں رہتا ہے، وہ اس میں رہے گا۔ یہ ترکہ میں تقسیم نہیں ہوگا اس لئے کہ ترکہ ملکیت میں تقسیم ہوتا ہے۔ پگڑی پر مکان لینے والا کرایہ دار ہوتا ہے اگر اس کو پگڑی پر دے کر روپیہ حاصل کرنا ہے تو یہ حرام ہے۔ شریعت حرام مال نہیں بانٹتی ہے۔ اور اگر یہ مکان ملکیت کا ہے تو یہ بتایا جائے کہ مرنے والے شوہر کی ملکیت تھا اور اسکے مرنے کے بعد کون کون وارث تھے تو اسکا حکم بتایا جائے گا۔ اور اگر بیوہ کی ملکیت ہے تو زندگی میں کسی کا ترکہ تقسیم نہیں ہوتا ہے نہ اس پر یہ لازم ہے کہ وہ مکان بیچ کر وارثوں کو روپیہ تقسیم کرے مرنے کے بعد جو وارث زندہ ہوں گے، انھیں ترکہ مل جائیگا۔ اور اگر اپنی زندگی میں مکان بیچ دیا تو اس رقم سے جتنا چاہے اپنے لئے رکھ کر بقیہ بیٹوں اور بیٹیوں میں برابر برابر تقسیم کرے۔

پگڑی اور ترکہ

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

گذارش عرض یہ ہے کہ ایک عورت نے KDA کا ایک کواٹر پگڑی میں لیا تھا۔ اس عورت کا انتقال ہوگیا۔ مرحومہ کی دو لڑکیاں ہیں جن میں سے ایک شادی شدہ ہے۔ جبکہ دوسری لڑکی ابھی دس بارہ سال کی ہے۔ مرحومہ کے بھائی بہن مذکورہ کواٹر میں اپنا حصہ مانگتے ہیں۔ لہٰذا آپ فتویٰ عنایت فرمائیں کہ کیا کیا جائے؟ آپ کی مہربانی ہوگی۔

الجواب :

ترکہ ان چیزوں میں تقسیم ہوتا ہے جو مرنے والے کی ملکیت میں ہوں۔ پگڑی میں لیا ہوا مکان ملکیت میں نہیں ہوتا، کرایہ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں ترکہ تقسیم نہیں ہوگا، جس کے قبضہ میں ہے وہ اسی کے پاس رہے گا۔

وراثت میں باپ اور بھائی کے ورثہ کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

میری ہمشیرہ مرحومہ دس سال سے بیوہ تھی، ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ انہوں نے میرا ایک بیٹا گود لیا ہوا تھا۔ مرحومہ کی ملکیت میں ایک مکان اور تقریباً بارہ تولے سونا تھا۔ مکان انتقال سے چار سال پہلے گود لئے ہوئے بیٹے کو ہبہ کردیا اور اس کے عوض پچاس ہزار روپے اپنی سیفٹی کیلئے مجھ سے لئے۔ لیکن تھے وہ میرے پاس ہی۔ مرحومہ کے انتقال کے بعد میرے والد صاحب کا کہنا ہے کہ وہ پچاس ہزار روپیہ مجھے دے دو۔ مرحومہ نے ورثاء میں والد، والدہ، دو بھائی، دو بہنیں اور ایک گود لیا ہوا بیٹا چھوڑا ہے۔

اب برائے مہربانی شریعت محمدی کے مطابق فتویٰ صادر فرمائیں کہ مرحومہ کا وارث کون ہوگا اور ان کا کتنا حصہ ہوگا؟ یہاں میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمشیرہ مرحومہ کے تمام اخراجات یہاں تک کہ میت اور اس کے بعد کے سارے اخراجات میں نے ادا کئے ہیں۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ مرحومہ کو میں نے قرض بھی دیا ہوا تھا۔ اگر میں معاف کرنا چاہوں تو معاف کرسکتا ہوں یا ترکہ سے قرض لے کر خیرات کردوں۔ جواب عنایت فرمائیں۔

سائل : خیر اللہ، کراچی

المسئلہ ۶

المیت---خالدہ

والد	والدہ
۵	۱

الجواب :

صورت مسئولہ میں مرحومہ کا کوئی ھبہ نامہ یا وصیت نامہ تو نہیں ہے۔ اس کے بھائی کے لڑکے کی ایک

رجسٹری شدہ تحریر ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرحومہ نے اپنا مکان اس بھتیجے کو ہبہ کیا تھا اور اسکے بدلے میں پچاس ہزار روپے لئے۔ یہ تحریر لکھ کر اپنے پاس رکھی تھی کہ جب مرحومہ مانگے گی تو مکان کے ہبے کے بدلے میں اسکو بطور ہبہ دے دے گا۔ یہ دونوں ھبے مکمل نہ ہوئے اسلئے کہ ھبہ کی شرط یہ ہے کہ ھبہ کرنے کے بعد قبضہ بھی دے دیا جائے۔ شیخ الاسلام برھان الدین ابوا d علی بن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

وتصح بالايجاب والقبول والقبض

(آخرین، کتاب الهبة، صفحه: ۲۸۳، مکتبه شرکت علميه ، ملتان)

ہبہ !!ایجاب وقبول اور قبضے سے صحیح ہو جاتا ہے۔

نہ مرحومہ نے مکان پر قبضہ دیا اور نہ بھتیجے نے روپے پر۔ لہٰذا دونوں ہبے صحیح نہ ہوئے اور مرحومہ کے پاس جو سونا تھا اس کے متعلق اس کا ارادہ اور نیت یہ تھی کہ پالے ہوئے بچے کی شادی میں خرچ کرے گی، وہ بھی نہ ہبہ ہے اور نہ وصیت۔ لہٰذا مکان اور سونا سب مرحومہ کی ملکیت میں تھے اب اسکے مرنے کے بعد ماں، باپ، بھائی، بہن اور بھتیجے وغیرہ وارث ہیں۔ اس میں سے چھٹا حصہ ماں کو ملے گا اور باقی پانچ حصے باپ کو ملیں گے۔ بھائی، بہن اور بھتیجے محروم ہیں (مرحومہ کے ترکہ میں سے انھیں کچھ نہیں ملے گا) اور پالا ہوا بیٹا شریعت میں ترکہ نہیں پاتا ہے، اس لئے اسے بھی کچھ نہیں ملے گا۔

مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں جو خرچ ہوا ہے، اگر خرچ کرتے وقت یہ نیت تھی کہ ترکے میں سے لوں گا تو ضروری مصارف یعنی کفن کی قیمت، قبر کھودنے کی مزدوری اور میت کو قبرستان لے جانے کی گاڑی کا کرایہ ترکہ میں سے وصول کر سکتا ہے اور اگر یہ نیت نہ تھی تو یہ اس کا احسان ہے اور وہ اس کو وصول نہیں کرے گا۔ مرحومہ کو جو قرض دیا تھا وہ ترکہ میں سے وصول کر سکتا ہے اور اسکو لینے کے بعد ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا اور اگر معاف کرنا چاہتا ہے تو اچھا ہے۔

بھائی اور نواسے کی وراثت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کا وصال ہوا۔ اس نے ورثاء میں ایک حقیقی بھائی اور دو نواسے چھوڑے۔ از روئے شرع زید کا ترکہ ورثاء میں کس طرح تقسیم ہوگا؟

سائل: محمد خالد، حیدرآباد، سندھ

الجواب:

سوال میں مذکور مرحوم کا کل ترکہ مرحوم کے حقیقی بھائی کو ملے گا، نواسوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

متفرقات

کعبہ کی شبیہ اور اسکا احترام

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ :

(۱) کعبۃ اللہ کی طرف ٹانگیں کر کے سونا، کعبۃ اللہ کی طرف تھوکنا یا پیشاب کرنا کیسا ہے ؟

(۲) ایک جائے نماز ایسی ہے کہ اس پر (پوری جائے نماز پر) کعبۃ اللہ کی تصویر ہے لوگ اس پر سے گذر جاتے ہیں۔ جمعہ کے روز امام صاحب کے لئے بچھائی جاتی ہے۔ آیا اس کے اوپر نماز پڑھنا یا پڑھانا جائز ہے یا نہیں ؟

سائل : ظہیر احمد، جٹ لائن، کراچی

الجواب :

(۱) یہ تمام باتیں ممنوع ہیں اور خلافِ ادب ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے وضو کرنا مستحب ہے، مگر کلی کرتے وقت منہ زمین کی طرف کر کے کلی کرے گا۔ قبلہ کی جانب منہ کر کے کلی کا پانی نہیں پھینکے گا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کے متعلق سنا، تو ان سے ملاقات کے شوق میں گئے، راستے

میں وہ بزرگ آتے ہوئے نظر آئے اور یہ دیکھا کہ انھیں تھوکنے کی ضرورت پیش آئی، تو انھوں نے قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوک دیا، تو حضرت بایزید ان بزرگ سے ملاقات کئے بغیر واپس آگئے اور فرمایا کہ یہ بزرگ نہیں ہو سکتا۔

(۲) تصویر کا حکم اصل شے کا حکم نہیں ہوتا ہے۔ کعبہ کے احکام کعبہ کی تصویر پر عائد نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسی جائے نمازوں پر جن پر کعبہ کی تصویر ہے، ان پر نماز پڑھنے اور ان پر چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن نماز اس لئے نقش و نگار والی جائے نمازوں پر پڑھنا اچھا نہیں ہے کہ توجہ اسکی طرف ہوگی اور خشوع اور خضوع میں فرق آئے گا۔

غیر مسلم کو سلام کا جواب دینے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) کیا حضور ﷺ نے کبھی کفار و مشرکین یا منافقین کو سلام کیا؟

(۲) اگر کوئی منافق یا مشرک و کافر سلام کرے تو اس کا جواب کس طرح دیں گے؟

سائل: فاروق، کاغذی بازار، کراچی

الجواب:

حضور ﷺ نے کفار و مشرکین یا منافقوں کو کبھی سلام نہیں کیا اور ان کو سلام کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ بلکہ فاسق کو بھی ابتداءً اپنی طرف سے سلام کرنا مکروہ ہے۔ یہ بات حدیث شریف میں ہے، اس حدیث کو رئیس المحدثین محمد بن اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ نے بخاری میں نقل کیا:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: اَلسَّامُ عَلَيْكَ فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَهْلاً يَا عَائِشَةُ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ

(جلد(۲) کتاب الاستیذان، باب کیف الرد علی اهل الذمة السلام، صفحه: ۹۲۵، قدیمی کتب خانه، کراچی)

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنھا) سے روایت ہے فرماتی ہیں یہودیوں کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آیا۔ پس انہوں نے کہا "السام علیک" ۔ (سام کے معنی موت کے ہیں) پس میں نے اس کو سن لیا اور میں نے کہا کہ تم پر موت اور لعنت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ ایسا نہ کہو بے شک اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تحقیق میں نے ان کے جواب میں وعلیکم کہہ دیا۔

لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم سلام کرے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام نہیں کہنا چاہئے بلکہ صرف "وعلیکم ما شاء اللہ" کہنا چاہئے۔

دین اور دنیا کے بارے میں دوسروں کو آئیڈیل بنانا

الاستفتاء :

محترم جناب مفتی صاحب! دارالعلوم امجدیہ، کراچی

گذارش یہ ہے کہ جمعہ کے دن آپ نے فرمایا کہ حدیث میں ہے "تم دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے کے درجے کے لوگوں کو مد نظر رکھو اور دین کے معاملے میں اپنے سے اونچے درجے کے لوگوں کو مد نظر رکھو۔ اس طرح تم دین اور دنیا دونوں میں فلاح پاجاؤ گے "آپ سے عرض یہ ہے کہ براہ کرم پوری حدیث ترجمہ و حوالے کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

سائل : فقیر محمد عرفان الحق، فیڈرل کیپٹل ہاؤس، کراچی

الجواب :

حدیث شریف میں ہے ، اس حدیث کو صاحب المشکوٰۃ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبداللہ متوفی ۷۴۲ھ نے ترمذی شریف سے نقل کیا :

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ

قال فی الاشباہ وقد اختلفوا فی اخذ القاضی مارتب له فی بیت المال فی یوم بطالته فقال فی المحیط انه یاخذ لانه یستریح للیوم الثانی

اس کے بعد ہے :

فحیث کانت البطالة معروفة فی یوم الثلثاء والجمعة وفی رمضان و العیدین یحل الاخذ

(کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفة فی یوم البطالة، صفحہ: ۴۱۶، مکتبه رشیدیه ، کوئٹه)

الاشباہ والنظائر میں فرمایا کہ فقہاء نے قاضی کو چھٹیوں کے دن کی تنخواہ لینے میں اختلاف کیا ہے جو قاضی کیلئے بیت المال میں سے مقرر کیا گیا ہے تو محیط میں فرمایا کہ چھٹی کے دن کی تنخواہ لے گا کیونکہ دوسرے دن آرام کرے گا۔ بس اس طرح کی جو چھٹیاں مشہور معروف ہیں منگل، جمعہ، رمضان اور عیدین میں۔ تو ان دنوں کی تنخواہ لینا جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

کمپنی کی اجازت کے بغیر اوور ٹائم کا معاوضہ لینا

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

میرا دوست ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کرتا ہے، اس کا ٹائم صبح آٹھ بجے سے دو بجے تک ہے، مگر اسکو وہاں کبھی ایک گھنٹہ اور کبھی دو گھنٹے اضافی دینے پڑتے ہیں۔ اس کیلئے کمپنی سے جب بات کی تو اس نے اوور ٹائم دینے سے انکار کر دیا۔ کام کمیشن کا ہے کہ اپنے ٹھیک ٹائم پر وہ نکل نہیں سکتا اور نہ کام چھوڑ سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ کمپنی کو بتائے بغیر کمیشن میں سے دو گھنٹہ زائد کام کرنے کا معاوضہ لے سکتا ہے؟

۔اب ڈگری ہونا تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایم،بی،بی،ایس کی ڈگری ہو تبھی علاج کر سکتا ہے۔علاج تو ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کو تجربہ ہو،لوگوں کا اعتماد حاصل ہو"۔

اب آپ سے یہ فتویٰ لینا ہے کہ شریعت مطہرہ کے مطابق ان صاحب کا یہ علاج معالجہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟اور ان کی کمائی حلال ہے یا حرام ؟مہربانی فرما کر ذرا -جواب دیجئے۔ جزاك الله خير الجزاء

الجواب :

علاج کیلئے تشخیص یعنی امراض و اسبابِ امراض اور ادویات کے خواص اور ادویات کی تیاری وغیرہ جاننے کی ضرورت ہے۔ فارمیسی میں صرف دواؤں کی تیاری اور ان کی خاصیتیں اور اثرات کے بارے میں تعلیم دی جاتی ہے۔ لہٰذا فارمیسی والا ڈاکٹر نہیں ہے اور جو ڈاکٹر نہ ہو ،وہ علاج نہیں کر سکتا۔ ہماری فقہ کی کتابوں میں اسکے متعلق مسائل لکھے ہیں کہ جو شخص طب جانتا ہو اور اس میں مہارت نہ رکھتا ہو اور وہ دوسروں کا علاج کرے اور اس سے مریض کو نقصان ہو جائے تو معالج (علاج کرنے والا) سے قصاص لیا جائے گا۔ حدیث میں ہے،اس حدیث کو حافظ ابو عبداللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی متوفی : ۲۷۳ھ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے :

مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعلَمْ مِنْهُ طِبٌّ قَبْلَ ذَالِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ

(ابن ماجه ، ابواب الطب، باب من تطيب ولم يعلم منه طب، صفحه : ۲۴۸، قديمی كتب خانه ، كراچی)

یعنی جو علاج کرتا ہے اور پہلے سے وہ طب نہیں جانتا ہے،وہ ضامن ہے۔

اس کے علاوہ ملکی قانون کے اعتبار سے بھی یہ جرم ہے۔ علاج وہ شخص کر سکتا ہے جس نے رجسٹریشن کروایا ہو، جو ڈاکٹر نہیں ہے وہ جھوٹ بول کر رجسٹریشن کروالیتا ہے اگر کبھی پکڑا جائے تو پھر یہ جھوٹ بولے گا یا رشوت دے گا یا جیل چلا جائے گا۔ لہٰذا مسلمان کو ملکی قانون کے خلاف کام کرنا جائز نہیں ہے۔ ورنہ اسکی عزت خراب ہو جائے گی۔ اور یہ گناہ بھی کرنا پڑیں گے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص کو علاج معالجہ کا کام نہیں کرنا چاہیے۔

علم جفر اور دیگر علوم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل سوالات کے بارے میں کہ :

(۱) علم الاعداد اور علم جفر کی مدد سے قیمتی پتھر، عطر، رنگ اور دوست و ساتھی کا انتخاب کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) علم جفر اور رمل کے ذریعہ سے سوالات کے جوابات اور مطلوبہ مقاصد حاصل کرنا کیسا ہے ؟

(۳) زائچہ بنوا کر اپنے پاس رکھنا کیسا ہے ؟

(۴) علمِ نجوم حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۵) ایسے تعلیمی اداروں میں جہاں بڑے طلبہ و طالبات کی جماعت مخلوط ہو وہاں ملازمت اختیار کرنا کیسا ہے ؟

الجواب :

سوال میں مذکورہ علوم میں صرف "علم جفر" صحیح ہے۔ مگر اس کے جوابات صرف علم پڑھ لینے سے صحیح نہیں نکلتے ہیں بلکہ اس کیلئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اگر اجازت مل جاتی ہے تو جوابات صحیح برآمد ہوتے ہیں اور اجازت نہیں ملتی تو جواب بھی صحیح برآمد نہیں ہوتے۔ جفر کے علاوہ جن امور کا تذکرہ آپ نے کیا ہے، شریعت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ نجومی اور کاہن وغیرہ لوگوں سے تو سوال کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا، اس حدیث کو عساکر الملت والدین ابو الحسین امام مسلم بن الحجاج القشیری متوفی :۲۶۱ھ نے اپنی صحیح مسلم میں نقل کیا :

مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَاَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوۃٌ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً

(جلد(۲)، کتاب السلام ، باب تحریم الکهانة واتیان الکهان ، صفحه :۲۳۳، قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی جو کاہن (نجومی) کے پاس آئے اور اس سے کچھ دریافت کرے، اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔

ایک اور حدیث میں ہے جسے امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابو عبد اللہ محمد بن ا ©البخاری متوفی :۲۵۶ھ نے صحیح بخاری میں نقل کیا

عنْ عائشة زوْج النّبيّ ﷺ انّها سمعت رسُوْل اللّٰه يقُوْلُ انَّ الْملائكة تنْزل في الْعنان وهو السّحاب فتذْكر الْامْر قضي في السّمآء فتسْترق الشّياطيْنُ السّمْع فتسْمعه فتوْحيْه الى الْكهّان فيكْذبوْن معها مأة كذْبة منْ عنْد انْفسهمْ

(جلد (۱) كتاب بدء الخلق ، باب ذكر الملائكة ، صفحه: ۴۵۶، قديمي كتب خانه، كراچي)

یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنان میں فرشتے اترتے ہیں اور وہ ایک بادل ہے پھر وہ اس امر خاص کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا فیصلہ آسمانوں میں ہوا ہوتا ہے۔ شیطان اس گفتگو کو سن لیتے ہیں اور کاہنوں کو اس کا القاء کرتے ہیں اور اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا دیتے ہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح میں ہے :

حضرت ربیع سے ایک روایت میں ہے قسم اللہ کی، اللہ تعالیٰ نے کسی ستارے میں کسی کی زندگی نہیں رکھی ، نہ ہی اس کا رزق اور نہ ہی اس کی موت اور وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور وہ ستاروں کو علت قرار دیتے ہیں۔

(مشكوة المصابيح ، كتاب الطب والرقي ، باب الكهانة ، الفصل الثالث ، صفحه: ۳۹۴، قديمي كتب خانه ، كراچي)

مشکوٰۃ میں ایک اور حدیث میں حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے جس کسی نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بیان فرمایا۔ پس تحقیق اس نے ایک حصہ جادو حاصل کیا۔ نجومی کاہن ہے اور کاہن جادوگر ہے اور جادوگر (جو جادو کے کفریات پر اعتقاد رکھتا ہے) کافر ہے۔

(حوالہ بالا)

لہٰذا علم جفر کے علاوہ باقی علم کو جن کا سوال میں تذکرہ ہے، سیکھنا ناجائز ہے۔ بعض صحیح تعویذات کسی تاریخ معین یا وقت پر لکھنے کی شرط ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مخلوط تعلیمی اداروں میں مرد و عورت دونوں کو ملازمت کرنا ناجائز ہے۔

بچیوں کو لکھنا سکھانے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہمارے علاقہ میں عرصہ دراز سے ایک دینی مدرسہ قائم ہے، اب مدرسہ والوں کا خیال ہے کہ اس کی ایک برانچ قائم کی جائے، جس میں شہر کی ۵ سال سے ۷ اسال کی بچیوں کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور اپنے شہر کی بچیوں کیلئے تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دیا جائے، اس میں شرعی پردے کا مکمل نظام ہوگا۔ پڑھانے والی بھی عورتیں ہوں گی ،جو شہر میں موجود ہیں، لیکن تعلیم کو مؤثر بنانے کیلئے تحریر کا سیکھنا سکھانا لازمی ہوتا ہے، تو عورتوں کو تحریر سیکھنا سکھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

سائل: مولوی محمد سعید بخش، نواب شاہ، سندھ

الجواب:

دینی تعلیم کا مرد و عورت دونوں پر بقدر ضرورت حاصل کرنا فرض ہے۔ اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنا جائز ہے۔ اس لئے لڑکیوں کا اسکول قائم کرنا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ تعلیم دینے کیلئے عورتیں مقرر کی جائیں۔ ہاں چھوٹی بچیوں کو مرد بھی پڑھا سکتے ہیں۔ لکھنا سکھانے کے بارے میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے، جس میں فرمایا:

لا تعلموهن الكتابة ولا تسكنوهن فى الغرف

یعنی عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ اور نہ انہیں بالا منزلوں میں ٹھہراؤ۔

اس حدیث سے بظاہر عورتوں کو لکھنا سکھانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ مگر ضرورت زمانہ اور ابتلاء عام کی وجہ سے مناسب یہ ہے کہ حدیث کو "نھی تنزیہی" پر محمول کیا جائے۔ یعنی عورتوں کو کتابت سکھانا اچھی بات نہیں ہے۔

طلبہ کیلئے سفری رعایتی کارڈ

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

آج کل دینی اداروں کے منتظمین طلبہ کو سفری کرایہ میں رعایت کیلئے سرکاری ادارے سے مطبوعہ کارڈ حاصل کر کے جاری کرتے ہیں۔ اگر طالب علم دوران سال مدرسہ چھوڑ کر چلا جائے اور کارڈ ساتھ لے جائے اور اسے استعمال کرے تو آیا اس کے اس فعل سے منتظمین مدرسہ از روئے شرع قصوروار ہوں گے یا نہیں؟

سائلین: منتظمین مدرسہ دار العلوم فاروق اعظم، گلستان مصطفی، کراچی

الجواب:

منتظمین کو چاہئے کہ جب کوئی طالب علم مدرسہ چھوڑ کر جائے، تو اسی وقت کارڈ اس سے واپس لے لیں۔ اگر انہوں نے قدرت کے باوجود کارڈ واپس نہیں لیا تو جب تک وہ طالب علم اس کارڈ کو استعمال کرتا رہے گا، منتظمہ بھی اس گناہ میں شریک رہے گی، اور اگر طالب علم اس طرح مدرسہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے کہ منتظمین کو معلوم نہیں ہوا، تو پھر پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

کرکٹ وغیرہ کھیلنے اور دیکھنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہاکی، فٹبال اور کرکٹ کھیلنا، دیکھنا اور کمنٹری سننا کیسا ہے؟ جبکہ دیکھنے اور سننے سے دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے، اس بارے میں آپ سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

سائل: محمد سلیم کاسانی

الجواب:

حدیث میں ہے، اس حدیث کو حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی متوفی ۲۷۳ھ نے سنن ابن ماجہ میں نقل کیا:

كُلُّ ما يَلْهُوْ بِهِ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيُهٗ بِقَوْسِهٖ وَتَادِيْبُهٗ فَرَسَهٗ

ومُلاعبتُه امرأته فانّهنّ من الحقّ

(ابواب الجهاد، الرمی فی سبیل الله، صفحه: ۲۰۲، قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی ہر وہ شے جس سے کوئی مسلمان غفلت میں پڑ جائے، باطل ہے مگر کمان سے تیر اندازی کرنا اپنے گھوڑے کو سکھانا اور اپنی بیوی سے ملاعبت (کھیل کود) کرنا یہ تین کام حق ہیں۔

حدیث میں واضح طور پر بتادیا کہ مومن کی زندگی لہو ولعب کیلئے نہیں ہے۔ لہٰذا تندرستی کیلئے ٹہلنا یا ورزش کیلئے تھوڑا کھیلنا تو جائز ہے۔ مگر کرکٹ، ہاکی جس طرح کھیلی جاتی ہے، اس میں کوئی مقصد صحیح نہیں ہے۔ بلکہ قوم اور ملک کا بہت بڑا نقصان ہے۔ کروڑوں روپے اسٹیڈیم بنانے اور ٹیم تیار کرنے پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ پھر جب ملک یا بیرون ملک پانچ روزہ، تین روزہ اور ایک روزہ جو میچز ہوتے ہیں، آفس میں بیٹھے ہوئے ملازمین، کام کے بجائے ریڈیو یا ٹیلیوژن سے کمنٹری سننے اور دیکھنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس میں قوم کے مال کی بربادی اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔ اور دین کے نقصان کا تو عالم یہ ہے کہ ہزاروں آدمی اسٹیڈیم میں بیٹھے دن بھر کھیل دیکھتے رہتے ہیں، نہ نماز کی پرواہ نہ اپنا وقت ضائع ہونے کی پرواہ۔

اسلام کا نام لینے والی حکومت پر افسوس ہے کہ میچ کو جمعہ کے دن ضرور رکھا جاتا ہے، اس کی یہ مصلحت بتائی جاتی ہے کہ جمعہ کے دن عام چھٹی ہوتی ہے، حالانکہ جمعہ کے علاوہ بھی، جس دن میچ ہوتا ہے، عموماً بغیر اعلان دفاتر میں کام نہیں ہوتا ہے۔ حکومت نے اپنے طور پر جمعہ کی چھٹی کی وجہ سے جمعہ کو میچ کا دن قرار دیا ہے۔ مگر یہ نہ سوچا کہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی جمعہ کی نماز چھوڑنے کا گناہ حکومت کے اوپر بھی ہے۔ بہر صورت یہ سب کھیل کھیلنا ناجائز و حرام ہیں اور ان کو دیکھنے اور سننے میں وقت ضائع کرنا بھی ناجائز ہے۔

وصیت نامہ کی شرعی حیثیت

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کبھی کبھی ایک وصیت نامہ نکلتا ہے جس کا عنوان عموماً یوں ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا یا حضرت فاطمہ کو دیکھا اور انھوں نے فرمایا ہے کہ بس قیامت قریب ہے اور اس پر کچھ مزید باتیں ہوتی

ہیں پرچہ آخر میں تحریر ہوتا ہے کہ جن صاحب کو یہ وصیت نامہ ملے وہ اس کی سات، دس یا پندرہ کاپیاں کروا کر تقسیم کریں تو انہیں چند ایام میں بہت خوشی حاصل ہوگی اور اگر تقسیم نہ کیا تو پھر پریشانیوں اور غموں سے دوچار ہوں گے۔ چنانچہ یہ پرچہ دوبارہ کل مجھے ملا ہے۔ اس کے متعلق تحریر فرمائیں کہ یہ کیا ہے؟ کیا ایسا کرنا ضروری ہے؟ امید ہے کہ تحقیقی جواب سے نوازیں گے۔

سائل: حیدر حسن خان

الجواب

یہ وصیت نامہ لغو ہے۔ اور یہ تقریباً ساٹھ سال پہلے ہندوستان سے چھپنا شروع ہوا۔ اس وقت تحقیق کی گئی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ یہ یہودی سازش ہے۔ انہوں نے مسلمانوں میں ہیجان (بے چینی) پیدا کرنے اور جب یہ عذاب نہ آئے تو مسلمانوں کی عقیدت میں خلل ڈالنے کیلئے اسے چھاپنا شروع کیا تھا۔ لہٰذا اس وصیت نامہ پر کسی قسم کی کوئی توجہ نہ دی جائے۔

جسم پر انمٹ سیاہی سے نام وغیرہ کندہ کروانا

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

جسم پر انمٹ سیاہی سے نام کندہ کروانا کیسا ہے؟ جسم پر اگر تصویر وغیرہ کندہ ہو تو کیا وضو و غسل ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

حدیث شریف میں نام وغیرہ کندہ کروانے والے اور کرنے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے، اور اس حدیث کو امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے جامع ترمذی میں نقل کیا ہے: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ:

قال لعن اللّٰہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ

(جلد (۱) ابواب اللباس، باب ما جاء فی مواصلۃ الشعر، صفحہ: ۲۰۸، فاروقی کتب خانہ، کراچی)

یعنی بال لگانے والی اور لگوانے والی، گودنے والی اور گودوانے والی پر اللہ کی لعنت ہو۔

لہذا صورت مسئولہ میں جسم پر نام وغیرہ گندوانا حرام ہے۔

سیاہ خضاب لگانے کا حکم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ

سیاہ خضاب لگانا جائز ہے یا ناجائز و حرام ہے؟ بینوا وتوجروا

سائل: حبیب احمد قریشی، شاہ فیصل کالونی، کراچی

الجواب:

کالا خضاب لگانا مردوں کیلئے حرام ہے۔ کالا خضاب لگانے والوں کیلئے حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد سلیمان بن الاشعث متوفی ۲۷۵ھ نے سنن ابوداؤد میں نقل کیا:

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یکونُ قومٌ یَخضبُونَ فی اٰخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لایریحون رائحة الجنّة

(حصه (۲) کتاب الترجل، باب ما جاء فی خضاب السواد، صفحه: ۲۲۶، مکتبه حقانیه، ملتان)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو کالا خضاب لگائے گی مثل کبوتر کے پوٹوں کے، وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکیں گے۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

ویکره بالسواد

یعنی کالا خضاب مکروہ تحریمی ہے۔

اس پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا:

فمکروه وعلیه عامة المشائخ

(جلد (۵) کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، صفحہ: ۲۹۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

سیاہ خضاب مکروہ ہے اور اسی پر اکثر مشائخ کا فتویٰ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

گناہ کی تعریف

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

گناہ کبیرہ کی کیا تعریف ہے؟ معروف گناہ کبیرہ کون کون سے ہیں نیز داڑھی منڈوانا، بینک سے سود لینا یا دینا گناہ کبیرہ میں شامل ہیں یا نہیں؟ براہ کرم فتویٰ کی صورت میں جواب عنایت فرمائیں۔

سائل: عبدالعزیز حسنی، کلفٹن

الجواب:

کبیرہ گناہ کی تعریف میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جن گناہوں پر جہنم کی وعید آئی ہے، وہ گناہ کبیرہ ہیں۔ اور ہر صغیرہ گناہ بلا توبہ کے تین مرتبہ کرنے سے گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ داڑھی منڈوانا یا حد شرع سے کم کرنا فسق ہے۔ سود لینا یا دینا دونوں حرام ہیں۔

جادو اور بے مقصد علم حاصل کرنے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

(۱) کیا جادو، سفلی، سحر، مسمریزم، ہپناٹائزم وغیرہ سیکھنا جبکہ نیت اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی ہو جائز ہے؟ یعنی لوگوں پر کیے گئے گندے عملیات کو دفع کرنے کی غرض سے۔

(۲) ہمارے ایک دوست فرماتے ہیں کہ حضور نے گندے اور بے فائدہ علم سیکھنے سے اللہ کی پناہ مانگی ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایسے علم سے بچائے اسلئے ان کا کہنا ہے کہ "جادو سیکھنا ناجائز ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ

آیت الکرسی جس میں مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی ہی شان اور کبریائی ہے جادو ختم کرنے میں اکسیر ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ یعنی

کیا حضور علیہ السلام نے ایسے علم سے بچنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے؟

کیا آیت الکرسی واقعی اللہ کی تعریف ہے؟ امید ہے جناب جلد از جلد جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

سائل: احمد علی میمن، کراچی

الجواب:

ایسے جادو وغیرہ کا علم جسکے کلمات و اعتقادات موجب کفر نہ ہوں لوگوں سے دفع ضرر کیلئے ان کا سیکھنا جائز ہے اور ایسا جادو جسکے کلمات موجب کفر ہوں، اسکو کرنا کفر ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

وفی شرح الزعفرانی السحر حق عندنا وجوده و تصوره واثره وفی ذخیرة الناظر تعلمه فرض لرد ساحر اهل الحرب وحرام لیفرق به بین المرأة و زوجها وجائز لیوفق بینهما

اسکے بعد فرماتے ہیں:

فان کان فی ذالک رد مالزم فی شرط الایمان فهو کفر والا فلا

(جلد(۱) مقدمه، مطلب السحر انواع، صفحه: ۳۲، مکتبه رشیدیه، کوئٹه)

(۲) یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے بے مقصد اور بے فائدہ علم سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ حدیث میں ہے اور اس حدیث کو ابو داؤد سلیمان بن الاشعث متوفی: ۲۷۵ھ نے اپنی سنن ابو داؤد میں نقل کیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَ مِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَآءٍ لَا یُسْمَعُ

(جلد (۱) ابواب الوتر، باب فی الاستعاذة، صفحه: ۲۲۳، مکتبه حقانیه، ملتان)

یعنی اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں چار چیزوں سے۔ ایک ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جس

میں خوف نہ ہو اور اس جان سے جو حب مال سے سیر نہ ہو اور ایسی دعاء سے جو سنی نہ جائے۔

نفع کا لفظ مطلق ہے جس علم میں دین و دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو ظاہر بات ہے کہ وہ عبث و لغو ہے اور مسلمان اپنی زندگی کو فضول کام میں ضائع نہیں کرتا ہے۔ اسکولوں کی تعلیم، انگریزی، انجینئرنگ، ڈاکٹری وغیرہ علوم ملک و قوم اور اپنے فائدے کیلئے حاصل کئے جاتے ہیں اسلئے یہ عبث نہیں ہے۔ اس طرح جادو دوسرے مسلمان سے جادو دفع کرنے کیلئے اور مسلمانوں کو جائز فائدہ پہنچانے کیلئے سیکھا جائے تو وہ بھی عبث نہیں ہے۔ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہی ہے اور وہ جادو دفع کرنے میں دوسری سورتوں کے ساتھ پڑھ کر عمل کرنے میں مفید ہے۔

بسم اللہ کے بجائے اسکے اعداد لکھنے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

بسم اللہ شریف کے اعداد عموماً لوگ خطوط اور دوسری کتب وغیرہ میں برکت حاصل کرنے کیلئے لکھتے ہیں ۔ {بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۷۸۶ اسی طرح اسم محمد ﷺ کے ۹۲ عدد لکھتے ہیں۔ براہ کرم آپ ہمیں یہ بتلایئے کہ اسم شریف وغیرہ کے عدد لکھنے جائز ہیں یا نہیں ؟

(۲) اگر قرآنی آیات کے اعداد لکھنے ہوں تو بے وضو عدد لکھ سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۳) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (حرف بحرف) ناپاکی کی حالت میں لکھنا کیسا ہے ؟

(۴) بوقت ضرورت اسم محمد ﷺ کے ۹۲ عدد لکھے جائیں تو ﷺ کے عدد بھی لکھنے ضروری ہیں یا نہیں ؟

الجواب :

احادیث میں فرمایا جو کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور الحمد للہ سے شروع نہ کیا جائے، وہ نامکمل رہتا ہے اور خیر و برکت سے خالی ہوتا ہے۔ اس حدیث پر عمل کرنے کیلئے ہر جائز کام کو بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھ کر شروع کرنا چاہیئے ،ان کا لکھنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن لکھنا بھی باعث برکت ہے۔ چونکہ عام طور پر کاغذات کو احتیاط سے نہیں رکھا جاتا تو اس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم e ہونے کی صورت میں اس کی بے ادبی ہے۔ اس لئے لوگوں نے اعداد لکھنا شروع

کر دیئے لیکن عدد کا وہ حکم نہیں جو حروف کا ہے۔ لہٰذا اعداد کو بے وضو لکھنا اور چھونا جائز ہے۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" قرآن کی آیت ہے، لہٰذا اسے بے وضو لکھنا اور چھونا جائز نہیں ہے۔

میت پر رونے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

کسی کے انتقال پر جو اسکے عزیز و اقارب روتے ہیں۔ کیا انکے رونے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے؟ اگر واقعی ایسا ہے تو وہ کس قسم کے رونے سے ہوتا ہے نیز انبیاء سابقین کی شریعتوں میں ایسا حکم پایا جاتا تھا یا نہیں؟ میت پر رونے میں اگر کوئی اپنا چہرہ، سینہ پیٹے یا کپڑے پھاڑے تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟

سائل: اسلم خان، صدر، کراچی

الجواب:

انبیاء سابقین کی شریعت یا انکے افعال ہمارے لئے اس وقت تک دلیل ہوتے ہیں جب تک ہماری شریعت میں اس کے متعلق کوئی حکم نہ ہو اور جب ہماری شریعت میں حکم آجائے تو ہمارے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہماری شریعت میں رونے کا حکم یہ ہے۔ بخاری اور مسلم وغیرہ تمام حدیثوں کی کتابوں میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ

(بخاری شریف، جلد(۱) کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض بکاء اهله علیه، صفحه: ۱۷۲، قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی کسی گھر والے کے رونے کے سبب سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔

اس کا مطلب آواز سے رونا ہے۔ محبت میں بغیر آواز صرف آنسو نکل جانا غیر اختیاری فعل ہے، اسکا مسلمان مکلف نہیں ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا:

لَیسَ مِنّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعا بدعوی الْجاهلیَّة

(بخاری شریف، جلد(۱) کتاب الجنائز، باب لیس منا من ضرب الخدود، صفحہ: ۱۷۳، قدیمی کتب خانه، کراچی)

جو چہرہ پیٹے، سینہ چاک کرے اور زمانۂ جاہلیت والی باتیں کرے، اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

نماز کے بعد مصافحہ کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہم لوگ اپنی مسجد کے پیش امام صاحب سے بعد نماز مصافحہ کرتے ہیں ابھی چند روز سے ایک صاحب دینی مسائل بیان فرمانے لگے ہیں۔ انھوں نے بتایا مسجد میں مصافحہ کرنا بدعت ہے۔ کیا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے مصافحہ کرنے کو بدعت قرار دیا ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں احادیث کا حوالہ دیتے ہوئے وضاحت فرمائیں کہ مصافحہ کرنا جائز ہے یا بدعت؟ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

سائل: اعظم خان، لیاقت آباد، کراچی

الجواب:

مصافحہ کا حکم سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شریعت مطہرہ میں ناجائز ہونے کیلئے قرآن وحدیث میں ممانعت اور نہی آنا ضروری ہے۔ یعنی منع وہ کام ہوتا ہے جسے اللہ اور رسول نے منع کیا ہو اور جائز ہونے کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث میں ممانعت نہ آنا ہی جواز کی دلیل ہے۔ شیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب صاحب مشکوۃ متوفی ۷۴۲ھ نے حدیث نقل کی:

اَلْحَلَالُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ فِیْ كِتَابِه وَالْحَرَامُ ما حَرَّمَ اللّٰهُ فِیْ كِتَابِه وَمَا سَكَتَ عَنْه فَهُوَ مِمَّا عُفِیَ عَنْه

(مشکوة المصابیح، کتاب الاطعمة، الفصل الثانی، صفحه: ۳۶۷، قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادیا اور حرام وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب میں بیان فرمادیا اور جن کاموں سے سکوت فرمایا یعنی ان کا حکم نہ بیان کیا تو وہ ان کاموں میں سے ہیں، جن پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ یعنی مباح ہیں۔

اسی لئے جمہور حنفیہ اور شافعیہ کا مختار مسلک یہ ہے کہ اصل ہر چیز میں اباحت ہے۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے فتاویٰ شامی میں لکھا:

اقول وصرح فی التحریر بان المختار ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفية والشافعية وتبعه تلميذه العلامة قاسم وجرى عليه فی الهداية من فصل الحداد وفی الخانية من اوائل الحظر والاباحة

(جلد (۱) کتاب الطہارة، مطلب المختار ان الاصل فی الاشیاء الاباحة، صفحہ: ۷۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی علامہ شامی فرماتے ہیں کہ تحریر (کتاب کا نام) میں صراحت ہے کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اشیاء میں اصلاً اباحت (جائز ہونا) ہے اور اسی کی پیروی کی ہے ان کے شاگرد علامہ قاسم نے اور یہی بات صاحب ھدایہ نے فصل حداد میں بیان فرمائی۔ اور فتاویٰ قاضی خان کی بحث الحظر والاباحۃ کے شروع میں بھی یہی بات مذکور ہے۔

اس اصول اور اباحت کے بعد جو مصافحہ کو ناجائز کہتا ہے، اسکی ذمہ داری ہے کہ قرآن وحدیث میں ممانعت کی دلیل دکھائے اور جب کوئی دلیل نہ لا سکے تو مباح ہونا ثابت ہو گیا اور پھر یہ کہنا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں یا صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ کام نہ تھا، اسلئے ناجائز ہے، بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ ناجائز ممانعت سے ہوتا ہے۔ صرف کسی کام کا اس زمانے میں نہ ہونا عدم جواز کیلئے کافی نہیں ہے۔ سینکڑوں کام ہیں جنہیں تمام مسلمان جائز و مستحسن سمجھ کر کرتے ہیں حالانکہ وہ حضور ﷺ اور صحابہ کے زمانے میں نہ تھے مثلاً چھ کلمے، قرآن کو تیس پاروں میں تقسیم کرنا، ان میں رکوع قائم کرنا، قرآن پر زبر، زیر، پیش وغیرہ لگانا، قرآن کو چھاپنا اور جلد بندی کرنا یہ سب کام قرون اولیٰ میں نہ تھے۔ حدیث شریف کی کتابیں جمع کرنا اور اصول حدیث مقرر کرنا، حدیث کی قسمیں بیان کرنا، فقہ کی تدوین کرنا، اصول فقہ و علم کلام کے قواعد و ضوابط مقرر کرنا، نماز میں زبان سے نیت کرنا، افطاری کے وقت اللھم لک صمت پڑھنا اور سحری کے وقت وبصوم غد نویت سے نیت کرنا، حج کرنے ریل گاڑی، ہوائی جہاز، پانی کے جہاز، موٹروں، بسوں کے ذریعے جانا اور عرفات کو بسوں اور کاروں سے جانا وغیرہ وغیرہ، ان تمام کاموں کو سب جائز

کہتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح سے کوئی بھی کام حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے زمانے میں نہ تھا۔ صرف اس لئے جائز کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس کی مخالفت نہیں آئی ہے اور اصل اشیاء میں اباحت (جائز ہونا) ہے تو یہ سب کام جائز رہے۔ تو جو شخص یہ کہے کہ جو کام حضور اور صحابہ کے زمانے میں نہ ہو وہ ناجائز و بدعت ہوتا ہے تو وہ مذکورہ بالا سب کام چھوڑ دے۔ ہماری بیان کردہ دلیل ان کاموں کیلئے دلیل کلی ہے، جن کو اہلسنت وجماعت کرتے ہیں اور دیوبندی اہل حدیث وغیرہ منع کرتے ہیں۔

مصافحہ عصر اور فجر کے نمازوں کے بعد کرنے کی دلیل ہماری کتب فقہ میں موجود ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے درمختار میں لکھا ہے:

ای كما يجوز المصافحة لانها سنة قديمة متواترة لقوله عليه الصلوة والسلام "من صافح اخاه المسلم وحرك يده تناثرت ذنوبه" واطلاق المصنف تبعاً للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع الملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقًا ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة اى مباحة حسنة كما افاده النووى فى اذكاره

یعنی جیسے مصافحہ جائز ہے اس لئے کہ مصافحہ ایک سنت متواترہ قدیمہ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اس نے اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اس سے اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اور مصنف کا مطلق بیان کرنا صاحب درر، کنز، وقایہ، نقایہ، مجمع اور ملتقی وغیرھا کا اتباع ہے۔ یہ مطلق مصافحہ کے جواز کا فائدہ دیتا ہے۔ اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو۔ اور فقہاء کا قول کہ بیشک یہ بدعت ہے یعنی وہ جائز اور اچھی بدعت ہے، جیسے کہ امام نووی نے اسے اپنی کتاب الاذکار وغیرہ میں بیان کیا۔

درمختار کی اس عبارت پر علامہ سید محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا:

(قوله كما افاده النووى فى اذكاره) حيث قال اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء واما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح والعصر فلا اصل له فى الشرع على هذا الوجه ولكن لا باس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها فى بعض الاحوال وفرطوا فى كثير من الاحوال او اكثرها لا يخرج ذالک البعض عن كونه من المصافحة التى ورد الشرع باصلها قال الشيخ ابو الحسن البكرى تقييده بما بعد الصبح والعصر

علی عادہ کانت فی زمنه والا فعقب الصلوات کلها

ان عبارات پر علامہ نووی، علامہ شامی اور علامہ طحطاوی نے یہ بیان فرمایا کہ مصافحہ ہر ملاقات کے وقت جائز و مستحب ہے۔ اور لوگوں میں فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کی جو عادت پڑ گئی ہے، اس کی اس انداز سے شریعت میں کوئی اصل موجود نہیں ہے۔ لیکن اس مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے کہ مصافحہ کرنا تو سنت ہے اور مسلمانوں کو ایسا کرنا کہ بعض حالتوں میں اس کی محافظت کرتے ہیں اور بہت سی حالتوں میں چھوڑ دیتے ہیں فجر کے بعد مصافحہ کرنے کو اس قاعدے سے نہیں نکالے گا کہ مصافحہ کرنا شریعت میں وارد ہے اور ان ہی کتابوں میں آگے یہ لکھا کہ علامہ نووی نے صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کرنے کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ ان کے زمانے میں عادت یہی تھی ورنہ ہر نماز کے بعد بھی جائز ہے۔

علامہ نووی ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۷۶ھ میں وفات پائی ان کے زمانے میں مسلمانوں کی یہ عادت تھی کہ فجر و عصر کے بعد مصافحہ کرتے تھے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا یہ طریقہ بھی تقریباً ساڑھے سات سو سال سے چلا آرہا ہے اور کسی کو یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ یہ ناجائز ہے۔ در مختار و طحطاوی نے تو اس کی مخالفت میں کچھ نقل ہی نہ کیا۔ علامہ شامی نے اس قول کی تائید میں پہلے مذکورہ بالا عبارت لکھی اسکے بعد یہ لکھا:

کذا فی رسالة الشرنبلالی فی المصافحة ونقل مثله عن الشمس الحانوتی وانه افتی به مستدلا بعموم النصوص الواردة فی مشروعیتها وهو الموافق لما ذکره الشارح من اطلاق المتون

(جلد (۵) کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغیرہ، صفحہ: ۲۷۰، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

یعنی اس طرح لکھا ہے شرنبلالی کے رسالے میں مصافحہ کے بارے میں اور اسی کے مثل شمس حانوتی سے مروی ہے کہ انھوں نے اس مصافحہ کے جواز کا فتویٰ دیا اور مصافحہ کی مشروعیت کے بارے میں جو نصوص تھیں ان کے عموم سے استدلال کیا ہے اور یہی اس کے مطابق ہے جو صاحب در مختار نے متون کے اطلاق سے نقل کیا۔

یہاں تک تو شامی کی وہ گفتگو تھی، جو انھوں نے در مختار کی تائید و تصدیق کیلئے لکھی اس کے بعد قد یقال کر کے ایک قول ضعیف کی طرف اشارہ کیا اور ابن حجر شافعی اور ابن الحجاج مالکی کے اقوال بدعت ہونے کے بارے میں لکھے۔ ہمیں ان کے اقوال سے نہ کوئی مطلب اور نہ وہ ہمارے لئے دلیل، اس لئے ان سے استدلال کرنا ہی غلط

حاصل کلام یہ ہوا کہ صاحب در مختار جو فقہ حنفی کے ممتاز فقہاء میں سے ہیں، انہوں نے اس مصافحہ کو جائز قرار دیا اور متون، درر، کنز، وقایہ، نقایہ، مجمع اور ملتقیٰ وغیرہ فقہ حنفی کی مشہور کتابوں کا تذکرہ کرنے کے بعد تخصیص کر دی کہ عصر کے بعد مصافحہ کرنا بدعت حسنہ ہے اور مباح ہے۔ لہٰذا اس کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے جو ناجائز کہتے ہیں، وہ کسی حدیث سے مخالفت ثابت کریں۔

امام زین العابدین کو امام ماننے کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص کہتا ہے کہ "حضرت امام زین العابدین کو امام کہنا ناجائز ہے"۔ لہٰذا آپ سے التماس ہے کہ وضاحت سے اس کے بارے میں تحریر فرمائیں۔

سائل : محمد رضا خادم اہلسنت

الجواب :

"امام" کے معنی مقتدا، پیشوا، راہ نما اور بزرگ کے ہیں۔ اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا ذکر اکثر سلاسلِ طریقت میں آتا ہے اور شجروں میں ان کا تذکرہ ہوتا ہے، اس لئے وہ بھی ہمارے بزرگوں میں ممتاز ہیں۔ لہٰذا ان کو امام کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

باہر کے لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ہمارے امام صاحب کا مؤقف ہے کہ باہر کیلئے استعمال ہونے والے اسپیکروں پر نماز پڑھانا درست ہے۔ اور اس مسئلے کے بارے میں احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ نماز بلند آواز سے پڑھانی جائز ہے۔ یاد رہے کہ ہماری مسجد میں چھوٹے اسپیکر موجود ہیں۔ جہاں بڑے اسپیکر صرف اذان کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ کیا ہمارے امام صاحب کا

مؤقف درست ہے یا کہ اھل محلہ کا؟ آپ سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

سائلین: اہلیان علاقہ، گوہر آباد، کراچی

الجواب:

امام کا کہنا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نماز بلند آواز سے پڑھانی جائز ہے، یہ غلط ہے۔ قرآن اور فقہ کے بھی خلاف ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيْلًاo

(سورة (١٧) بنی اسرائیل، آیت: ١١٠)

اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو۔ (کنزالایمان)

قرآن کریم نے زیادہ بلند آواز سے نماز پڑھنے کو منع کیا ہے۔ ہم انسانی طاقت کے علاوہ مشین کی مدد سے آواز میں فرق کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بحر الرائق میں علامہ زین الدین المعروف ابن نجیم متوفی ٩٧٠ھ نے لکھا:

ولا يجهد الامام نفسه بالجهر

امام جھر کیلئے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے۔

اس کے بعد فرمایا:

الامام اذا جهر فوق حاجة الناس فقد اساء

(جلد(١) كتاب الصلوة، فصل واذا اراد الدخول فى الصلوة كبر، صفحه: ٣٣٥، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

یعنی اور اگر امام نے مقتدیوں کی ضرورت سے زیادہ آواز کو بلند کیا تو برا کیا۔

بعینہ یہی عبارت عالمگیری میں بھی ہے۔ دیکھئے:

(جلد(١) كتاب الصلوة، الباب الرابع، الفصل الثانى فى واجبات الصلوة، صفحه: ٧٢، مكتبه رشيديه، كوئٹه)

اور مراقی الفلاح میں بھی ہے:

والاولى ان لا يجهد نفسه بالجهر بل بقدر الطاقة لان اسماع بعض القوم يكفى

اسکے بعد فرمایا :

والمستحب ان یجهر بحسب الجماعة فان زاد فوق حاجة الجماعة فقد اساء

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصلوٰة ، فصل فی بیان واجب الصلوٰة ، صفحه: ۱۲۷، قدیمی کتب خانه ،کراچی)

یعنی اور بہتر یہ ہے کہ جہر کیلئے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے بلکہ بقدر طاقت (جہر کرے) اس لئے کہ کچھ مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ اور امام کیلئے مستحب ہے کہ مقتدیوں کی مناسب سے آواز اونچی کرے اور اگر ضرورت سے زیادہ جہر کیا تو برا کیا۔

لہٰذا قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے اور فقہاء کی عبارات سے یہ معلوم ہو گیا کہ صرف اتنا جہر کرنا چاہئے کہ مقتدی سن لیں اور امام مشقت کے ساتھ جہر نہ کرے۔ ہم مائیک کے ذریعہ سارے محلے کو قرآن سنانے کی کوشش کرتے ہیں اور امام اس کو شرعی حکم بتاتا ہے، یہ افسوسناک ہے۔

حالت نماز میں دونوں ہاتھوں سے کپڑا وغیرہ درست کرنا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید جب سجدے سے قیام کی طرف آتا ہے تو کھڑے ہوتے ہوئے اپنا پچھلا دامن جھٹکتا ہے۔ یعنی اپنی قمیض وغیرہ کو درست کرنے کیلئے دونوں ہاتھ استعمال کرتا ہے۔ زید کا یہ عمل از روئے شرع مطہرہ کیا حکم رکھتا ہے ؟

سائل : محمد علی، بھینس کالونی، کراچی

الجواب :

اس کا یہ عمل عبث (بیکار) ہے اور فعل عبث نماز میں ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے اور یہ کراہت تحریمی ہے۔

اور جو نماز کراہت تحریمی سے ادا کی جائے، اس کا اعادہ (لوٹانا) واجب ہوتا ہے۔

اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

قرآن مجید فرقان حمید میں سورہ جمعہ میں اللہ تعالٰی نے فرمایا :

یآ ایُّھَا الَّذِیْن اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ الخ

اس آیت کریمہ کا اطلاق کس اذان پر ہوتا ہے جبکہ سرکار دوعالم نور مجسم ﷺ کی حیات طیبہ میں ایک ہی اذان خطبہ کے وقت ہوتی تھی۔ اور یہ عمل حضرت صدیق اکبر و عمر فاروق رضی اللہ عنھما کے زمانہ تک قائم رہا۔ حضرت عثمان غنی کے زمانہ خلافت میں دوسری یعنی جو آجکل پہلی اذان کہلاتی ہے، شروع ہوئی۔ لیکن بعض علماء حضرات فرماتے ہیں کہ "اس آیت کریمہ کا اطلاق پہلی اذان پر ہوتا ہے"۔ اور بعض کا فرمان ہے کہ "خطبہ کی اذان پر ہوتا ہے"۔ کیونکہ قرآن محبوب خدا پر نازل ہوا ہے۔ اور حضور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں صرف خطبہ کی اذان ہوتی تھی۔ چونکہ مسئلہ حلال و حرام کا ہے۔ قرآن پاک کے حکم کے مطابق اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے، اس وجہ سے وضاحت درکار ہے۔ حدیث مبارکہ کی روشنی میں کتابوں کے حوالے سے فتوٰی عنایت فرمائیں۔

جزاکم اللہ خیر الجزاء

الجواب :

وہ اذان جو حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شروع ہوئی، جسے عرف عام میں پہلی اذان کہا جاتا ہے، اس اذان کے ہو جانے پر خرید و فروخت وغیرہ ترک کرنے کا حکم ہے۔ صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن علی ابن ابی بکر الفرغانی متوفی ۵۹۳ھ نے ہدایہ میں لکھا :

اذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترک الناس البیع والشراء

جب مؤذنین اذان اول دیں تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ دیں۔

اس کے بعد فرمایا :

والاصح ان المعتبر هو الاول اذا کان بعد الزوال لحصول الاعلام به

(اولین، باب صلوۃ الجمعۃ، صفحہ : ۱۷۱، مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

اور صحیح ترین یہ ہے کہ اعتبار پہلی اذان کا ہے جب وہ وقت زوال کے بعد ہو تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے۔

اور آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ "جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے" یہ درست نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ بیع و شراء حرام نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہوتی ہے۔

مسافر کیلئے قصر کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

زید کراچی سے تقریباً ایک سو کلو میٹر دور ملازمت کرتا ہے۔ لیکن اس کے اہل و عیال وغیرہ سب کراچی میں ہیں۔ ہفتہ میں چھ دن فیکٹری میں رہتا ہے۔ ایسی صورت میں اسکو قصر پڑھنا چاہیئے یا پوری نماز؟ فیکٹری میں باجماعت نماز بھی ہوتی ہے۔

سائل : نعیم حسین

الجواب :

صورت مسئولہ میں یہ شخص، جب جماعت سے نماز پڑھے گا تو امام کی اتباع میں پوری نماز پڑھے گا، قصر نہیں کرے گا۔ اور جب جماعت سے نہ پڑھے تو قصر پڑھے یعنی چار رکعت والے فرض دو پڑھے۔ گھر سے جب کوئی شخص ساڑھے ستاون میل کی دوری کا ارادہ کر کے نکلے گا تو اپنے شہر کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد قصر کرنا واجب ہے۔ وہاں پہنچ کر اگر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لے تو پوری نماز پڑھنا فرض ہے۔ اور اگر اس سے کم رہنے کا ارادہ ہے تو قصر کرنا واجب ہے۔

کچھ پونجی رکھنے والوں کیلئے زکوٰۃ کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص تنخواہ میں اپنے خاندان کا گذارہ نہیں کر سکتا لیکن اس کے پاس تین ہزار روپے کا سونا، چاندی، نقدی یا تینوں ملا کر موجود ہوں تو کیا ایسے شخص کو زکوۃ فنڈ سے مدد دی جا سکتی ہے؟

سائل: دھوراجی ایسوسی ایشن، کراچی

الجواب:

کسی شخص کے پاس سونا چاندی اور نقد روپے ملا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوں تو وہ صاحب نصاب ہے۔ اس پر زکوۃ فرض ہے۔ اس کو زکوۃ نہیں دی جا سکتی۔ چاندی کی قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت اس وقت دیکھی جائے گی، جس وقت حساب کیا جائے گا۔

کھڑے کھڑے کھانے پینے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ:

ایک شخص کھڑے ہو کر کھاتا پیتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ "ایسا کرنا جائز ہے۔ میں نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے بھی اسکو جائز قرار دیا ہے"۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب:

حدیث میں ہے اور اس حدیث کو عساکر الملت والدین ابو الحسین امام مسلم بن الحجاج قشیری متوفی: ۲۶۱ نے صحیح مسلم میں نقل کیا:

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّہٗ نَھٰی اَنْ یَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا قَالَ قَتَادَۃُ فَقُلْنَا فَالْاَکْلُ فَقَالَ ذَاكَ اَشَرُّ وَاَخْبَثُ

(جلد (۲) کتاب الاشربۃ، باب فی الشرب قائما، صفحہ: ۱۷۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا حضرت قتادہ کہتے ہیں ہم نے عرض کی کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو ارشاد فرمایا اور زیادہ سخت ناپسندیدہ اور برا ہے۔

حج بدل سے حاجی کہلوانے کا حکم

الاستفتاء :

جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

ایک شخص اپنی والدہ کی ضعیفی کی وجہ سے اپنی والدہ کی جانب سے حج کرتا ہے وہ حجاز مقدس میں سروس بھی کرتا ہے، کچھ عرصہ کے بعد والدہ کا انتقال ہو جاتا ہے، اور قبر کے کتبہ پر حاجیانی تحریر کرایا جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا ہٹادیا جائے؟ برائے مہربانی جواب مسلک حنفی کے مطابق دیجئے۔

سائل : محمد سلیم ولد حاجی قاسم

الجواب :

حج کرنے کے بعد اپنے نام کے ساتھ حاجی لگانا یا قبر کی تختی پر لگوانا جائز ہے، جبکہ "ریا" کی نیت نہ ہو۔ مگر صورت مسئولہ میں مرحومہ نے خود تو حج کیا نہیں ہے بلکہ بیٹے نے ماں کی طرف سے حج کیا ہے۔ اگر ماں پر حج فرض تھا اور ماں بڑھاپے یا کمزوری کی وجہ سے حج کرنے کے قابل نہ تھی تو اس کا فرض حج ادا ہونے کیلئے یہاں سے آدمی بھیج کر حج کرنے سے حج ہو تا ہے۔ بیٹے کے سعودی عرب میں رہنے کی وجہ سے ماں پر حج فرض نہ تھا لیکن بیٹے نے ماں کی طرف سے حج کیا، تو ماں کو حج کا ثواب مل جائے گا۔ اس سے ماں حاجیانی نہیں کہلائے گی۔ لہٰذا اچھا یہی ہے کہ یہ کتبہ قبر پر نہ لگایا جائے۔

امامت اور مذہبی پابندیاں

الاستفتاء :

جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ در پیش ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں اگر کوئی امام مذہبی پابندیوں کا جان بوجھ کر خیال نہ کرے جبکہ اس کے مقتدیوں میں اس سے زیادہ تقویٰ و پرہیز گاری والے لوگ موجود ہوں تو ایسا شخص امامت کا حقدار ہے یا نہیں ؟ اور جن لوگوں کو اس کی حقیقت کا علم ہو تو ان کی نماز اس کے پیچھے ہو جائے گی یا نہیں ؟

سائل : عقیل احمد، کیماڑی، کراچی

الجواب :

امامت وہ شخص کر سکتا ہے، جو متقی، پرہیز گار ہو، مسائل نماز جانتا ہو اور قرآن کریم درست پڑھتا ہو۔ جس شخص کے بارے میں سوال کیا ہے وہ کن احکام کی پیروی نہیں کرتا ہے، ان کے بیان کرنے کے بعد ہی اس کا حکم بتایا جا سکتا ہے۔

برتن وغیرہ پر نام لکھوا کر تحفے میں دینا

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
بچے حفظ قرآن کرتے ہیں تو شیرینی کے ساتھ برتنوں وغیرہ پر بچے کا نام اور سلسلہ لکھوا کر تقسیم کیے جاتے ہیں۔ کیا اس میں دکھاوے کا عنصر ہے نیز کیا یہ جائز ہے؟ اسی طرح کا عمل ناظرہ قرآن ختم کرنے اور رمضانوں میں پہلا روزہ رکھنے کے مواقع پر بھی کیا جاتا ہے۔ بینوا وتوجروا

سائل : عبدالعزیز

الجواب:

حدیث شریف میں ہے، اور اس حدیث کو رئیس المحدثین امام ابو عبد اللہ اسماعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

(جلد(۱) باب کیف کان بدؤالوحی الی رسول الله ﷺ، صفحه: ۲، مطبوعه قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

دلوں کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، ہمیں نیک گمان رکھنے کا حکم ہے۔ لہٰذا اگر کوئی خوشی کے موقع پر ایسا کرتا ہے جیسا سوال میں مذکور ہے تو شرعاً کوئی حرج نہیں۔ لیکن جس برتن میں کچھ لکھ دیا گیا ہو، اس میں کوئی چیز رکھنا اور کھانا جائز نہیں۔ اس لئے برتنوں میں کچھ لکھوا کر نہیں دینا چاہیے۔

مخنث! کی نماز جنازہ کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مخنث یعنی ہیجڑے کا جنازہ مذکر کے زمرے میں پڑھایا جائے گا یا مؤنث، قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں جواب دیں؟

الجواب:

بالغ کے جنازے میں مذکر ومؤنث میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کی نماز جنازہ ایک ہی طرح سے پڑھی جاتی ہے۔ ہاں اگر نابالغ کی نماز جنازہ ہے تو اگر اس میں علامت مذکر کا غلبہ ہے تو لڑکے کی اور اگر علامت مؤنث کا غلبہ ہے تو لڑکی والی دعا پڑھی جائے گی۔ اور اگر فرق کرنا مشکل ہے کہ لڑکی ہے یا لڑکا تو پھر لڑکے والی دعا پڑھی جائے گی۔

بندوق سے کئے گئے شکار کا حکم

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :
گولی سے مارا ہوا شکار کھانا جائز ہے یا نہیں ؟ گولی چلانے سے پہلے تکبیر پڑھ لی تھی تو کیا حکم ہے اور اگر نہیں پڑھی تھی کہ ذبح سے پہلے پرندہ مر گیا، تو کیا حکم ہے ؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب :

ذبح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختیاری دوسری اضطراری۔ اختیاری میں ایسے جانور، جن کو پکڑ کر ذبح کیا جاتا ہے، اس میں دھار دار آلہ سے ذبح کرنا شرط ہے۔ ذبح اضطراری میں یعنی شکار وغیرہ جن پر قابو پا کر حلق سے ذبح نہیں کیا جاسکتا ہے جیسے جنگلی جانور پرندے وغیرہ ان کیلئے یہ شرط ہے کہ دھار دار چیز کو تکبیر کہہ کر مارا جائے۔ جیسے تیر، نیزہ اور بھالا وغیرہ۔ تو اگر پرندہ وغیرہ ذبح سے پہلے مر بھی گیا تو حلال شمار ہوگا۔
بندوق کی گولی پھاڑتی نہیں ہے، توڑتی ہے۔ جیسے لاٹھی ماری جائے تو خون نکال دے گی، سر توڑ دے گی لہٰذا گولی کو بسم اللہ کہہ کر مارنے سے جانور اگر مر گیا تو حلال نہ ہوگا ہاں اگر زخمی حالت میں اسے پکڑ لیا اور ذبح کر لیا تو حلال ہو جائیگا۔ قرآن کریم میں ہے کہ بے دھار دار چیز سے مارا ہوا جانور حرام ہے۔ حدیث میں بھی فرمایا نیزہ جب مارا جائے گا اگر وہ دھار کی جانب سے لگ گیا تو کھالو اور اگر لاٹھی کی جانب عرض میں لگے اور جانور مر جائے تو نہ کھاؤ۔ حدیث میں ہے، اس حدیث کو امام المحدثین ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری متوفی : ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا :

عدی بن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے سوال کیا :

قُلْتُ اِنَّا نَرْمِیْ بِالْمِعْرَاضِ قَالَ کُلْ مَا خَزَقَ وَمَا اَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَلَا تَاْکُلْ

(جلد(۲) کتاب الذبائح، باب ما اصاب المعراض بعرضه، صفحه: ۸۲۳، قدیمی کتب خانه، کراچی)

یعنی میں نے عرض کیا کہ ہم بے پر کے تیر کو شکار پر مارتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز پھاڑ دے وہ کھالو اور جو عرض کی طرف سے لگے (یعنی تیر کا لکڑی والا حصہ لاٹھی کی طرح جاکر شکار پر لگ جائے) تو اس کو نہ کھاؤ۔

"وقیذ" کے معنی سخت چوٹ کے ہیں۔ اھل جاھلیت جانور کو لاٹھی اور پتھر کی ضرب سے بھی قتل کرتے اور پھر کھالیتے تھے۔ قرآن کریم میں اس سے منع کیا گیا۔ اور "موقوذہ" کے معنی بے دھار دار چیز سے مارنا ہے۔ لہٰذا گولی اگر بسم اللہ کہہ کر بھی چلائی جائے اور جانور مر جائے تو جانور حرام ہوگا۔

عورت کی حکمرانی اور مجرم کو شہید کہنا

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرمایئے۔ نوازش ہوگی۔

(۱) اسلامی مملکت ہو اور بہت سے مسلمان مرد اس قابل ہوں کہ ملک کی باگ دوڑ سنبھال سکتے ہوں تو مردوں کے ہوتے ہوئے عورت ملک کی سربراہ بن سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ عورت کو اسلام سے بھی کوئی لگاؤ نہیں، ایسی عورت کی سرپرستی میں مرد رہیں گے یا نہیں؟

(۲) سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو! جن پر قتل کا جرم ثابت ہو جانے کے بعد پھانسی دی گئی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ "جرم کی سزا مل گئی ہے، اب وہ شہید ہے"۔ کچھ کا کہنا ہے کہ "جرم کی سزا میں مرنے والے آدمی کو شہید نہیں کہا جاسکتا"۔

الجواب:

(۱) مسلمانوں کا عورت کو اپنا سربراہ مملکت بنانا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے، اور اس حدیث کو رئیس المحدثین امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنی صحیح بخاری میں نقل کیا:

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَنَّ اَھْلَ فَارِسٍ قَدْ مَلَّکُوْا عَلَیْھِمْ

بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولّوا امرهم امرأة

(جلد (۲) کتاب المغازی ، باب کتاب النبی ﷺ الی کسریٰ و قیصر ، صفحه: ۶۳۷ ، قدیمی کتب خانه ، کراچی)

ابی بکرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی لڑکی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو قوم اپنے معاملات عورت کے سپرد کردے گی وہ ہرگز فلاح نہیں پائے گی۔

(۲) کسی کے قتل کرنے کی سزا میں قاتل کو قصاص میں قتل کردیا جائے یا پھانسی دے دی جائے، تو اس سے وہ شہید نہیں ہوتا۔ شہید وہ مسلمان کہلاتا ہے، جس کو ظلماً قتل کر دیا جائے یعنی وہ مظلوم ہو، جس نے مسلمانوں کو قتل کیا ہو وہ خود ظالم ہے وہ شہید نہیں ہو سکتا۔

عصبیت پھیلانے والوں سے تعاون کا حکم

الاستفتاء:

محترم جناب مفتی صاحب!

السلام علیکم

آجکل جو لسانی جھگڑے چل رہے ہیں، یہ سب عصبیت پر مبنی ہیں، اس لئے جناب والا سے چند باتیں معلوم کرنی ہیں کہ ہم اپنی عاقبت سنوار سکیں۔

جن لوگوں نے عصبیت کے نام پر ووٹ دیئے، ان کے بارے میں حدیث میں ہے:

”جس نے عصبیت پر جمع کیا، وہ ہم میں سے نہیں۔ جس نے عصبیت میں قدم رکھا وہ ہم میں سے نہیں“ اب جناب سے معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ لوگ جو عصبیت کے نام پر منتخب ہوئے اور وہ لوگ جنھوں نے عصبیت کے نام پر ووٹ دیئے۔ کیا انکا نکاح باقی رہا اور کلمہ شریف دوبارہ پڑھنا پڑے گا یا صرف توبہ سے کام ہو جائے گا یا کوئی کفارہ ہے؟ حدیث میں جو ارشاد ہے ”فلیس منا (وہ ہم میں سے نہیں) اس کا کیا مطلب

ہے ؟ جناب والا سے پوری امید ہے کہ انشاء اللہ آپ صحیح جواب سے آگاہ فرما کر امت مسلمہ کی رہنمائی کریں گے۔ اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

سائل : اعجاز احمد نقشبندی

الجواب :

احادیث شریفہ میں عصبیت کی سخت ممانعت آئی ہے، جیسا کہ آپ نے بھی سوال میں تذکرہ کیا ہے ۔ عصبیت گناہ کبیرہ ہے۔ "فلیس منا" کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ مسلمان نہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو توبہ کرنی چاہیئے اور آئندہ عصبیت چھوڑ کر اسلامی اخوت و ہمدردی کو فروغ دینا چاہیئے۔

ناصح ! کو نصیحت کا ثواب

الاستفتاء :

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ :

نابالغ اولاد کے اعمال حسنہ، اس کے والدین کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ کیا اولاد کے بالغ ہونے کے بعد بھی والدین کو اجر و ثواب ملتا رہے گا ؟

الجواب :

اچھی باتیں سکھانے کا اور عمل کرانے کا ثواب والدین کو ملتا ہے۔ اور بالغ اولاد اچھی باتوں پر عمل کریں گے تو والدین کو بھی اس کا ثواب ملے گا اور بچوں کو بھی، ان اچھے اعمال کا ثواب ملے گا، جو انھوں نے نابالغی کی حالت میں کیئے تھے۔

لقطہ (گری پڑی چیز) کو اٹھانے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

اگر کوئی گری پڑی چیز مل جائے، تو اسے اٹھالینا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب:

زمین پر پڑی ہوئی چیز کو اس خیال سے اٹھانا کہ اس کے مالک کو تلاش کر کے اسے دے دوں گا، تو اٹھالینا مستحب ہے۔

مسجد میں دوبارہ جماعت کرانے کا حکم

الاستفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

ہمارا محلّہ غریبوں کا محلّہ ہے۔ وقت مقررہ پر مسجد میں نہیں پہنچ سکتے۔ جماعت ہونے کے بعد کبھی کبھی چار چھ آدمی جمع ہو کر باہر برآمدے میں دوسری جماعت کرتے ہیں۔ مسجد کے امام صاحب منع کرتے ہیں کہ دوسری جماعت جائز نہیں۔ اکیلے اکیلے نماز پڑھو یا اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ اس بارے میں حکم شرع سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب:

ہمارے فقہائے حنفیہ کا معتمد مذہب یہ ہے کہ دوسری جماعت اذان کے اعادہ سے مکروہ ہے اور بلا اعادۂ اذان دوبارہ جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ نے بحر الرائق میں لکھا:

ولاتكررها فی مسجد محلة باذان ثان

(جلد(۱) کتاب الصلوٰۃ ، باب الامامۃ ، صفحہ: ۳۴۶، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

یعنی محلے کی مسجد میں جماعت ثانی اذان ثانی کے ساتھ درست نہیں۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ نے در مختار میں لکھا:

یکرہ تکرار الجماعۃ باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ

(جلد(۱) بر حاشیہ شامی ، کتاب الصلوٰۃ ، باب الامامۃ ، مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد ، صفحہ: ۴۰۸، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ دوسری جماعت مکروہ ہے۔

درر میں ہے:

او تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان و اقامۃ

یعنی مسجد محلّہ میں اذان واقامت کیساتھ جماعت ثانیہ مکروہ ہے۔

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ نے عالمگیری میں لکھا:

المسجد اذا کان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لایباح تکرارھا فیہ باذان ثان اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعاً وکذا فی مسجد قارعۃ الطریق

(جلد(۱) کتاب الصلوٰۃ ، الباب الخامس فی الامامۃ ، الفصل الاول فی الجماعۃ ، صفحہ: ۸۳، مکتبہ رشیدیہ ، کوئٹہ)

مسجد میں جب امام مقرر ہو اور پابندی سے جماعت ہوتی ہو اور وہاں کے رہنے والے باجماعت نماز پڑھتے ہوں تو ایسی مسجد میں اذان ثانی کے ساتھ جماعت ثانیہ جائز نہیں۔ البتہ جب انھوں نے بغیر اذان کے جماعت پڑھی ہو تو اجماعاً دوسری جماعت جائز ہے جیسے راستہ وغیرہ کی مسجد میں جائز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی مساجد میں جن میں ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہو، ان میں اذان ثانی کے ساتھ جماعت کو قائم کیا جاسکتا ہے۔